خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ ویزید رحمہ اللہ

تالیف علامہ محمود احمد عباسی رحمہ اللہ

تبصرہ محدث العصر علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ شارح سنن نسائی

محدث جلیل علامہ عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ سابق صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

اعداد و تعارف محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

انتساب

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے نام

جن کے نزدیک اس کتاب کی اشاعت دین کی بڑی خدمت تھی

اور

کتاب ہذا پر جن کا وقیع تبصرہ اس کتاب کی اشاعت نو کا محرک بنا

فہرست

تقدیم

تعارفِ کتاب و مؤلف:

اُردو دینی ادب کی تاریخ میں اگر کبھی ''مظلوم ترین'' کتب و شخصیات کی فہرست بنی تو یقیناً ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر میں لکھی جانے والی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ'' اور اُس کے مؤلف علامہ محمود احمد عباسیؒ سرِفہرست ہوں گے۔ سن ۱۹۵۹ء میں لکھی گئی یہ کتاب واقعہ کربلا اور اس کے مباحث پر اپنی غیر مانوس لیکن مدلل تحقیق کی بنا پر کافی ''بدنام'' ہوئی۔ برِصغیر پاک و ہند کی علمی فضا جس میں یزید بن معاویہؒ کو ہمیشہ ایک ابلیس مجسم کے طور پر پیش کیا گیا، وہاں اس کتاب کے مندرجات کے ذیل میں یزید کے نام کے ساتھ ''امیر المومنین'' اور ''رحمہ اللہ'' کے سابقہ لاحقہ نے بڑے بڑوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ابتدا میں اس کتاب کے مندرجات کو عام پڑھے لکھے طبقے نے اس کے مدلل مباحث کی وجہ سے نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کتاب کی وسیع پیمانے پر پذیرائی بھی کی گئی۔ لیکن جب بعض سیاسی و معاشی و نظریاتی مجبوریوں کے سبب چند جانے مانے علما کی طرف سے اس کتاب پر نقد ہوا تو ایک شوروغوغا سا مچ گیا۔ کچھ اصحابِ علم نے اس کتاب کی تائید میں تبصرے لکھے تو کچھ لوگ اس کتاب کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آئے۔ اہل دیوبند میں بھی مخالفت و موافقت کا سلسلہ نظر آیا۔ عباسی صاحب کا ردّ لکھنے میں اہل دیوبند میں سے جن حضرات نے مستعدی دکھائی اُن میں علامہ عبدالرشید نعمانی، قاری محمد طیب اور قاضی اطہر مبارکپوری پیش پیش تھے۔ قاری محمد طیب صاحب نے ''خلافت معاویہ و یزید'' کی اشاعت کے فوراً بعد ہی ۱۹۶۰ء میں ''شہید کربلا اور

یزید'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چونکہ یہ کتاب علامہ عباسی کی کتاب کے ردّ میں لکھی گئی تھی اور عباسی صاحب کی کتاب میں یزید کو امیر المومنین بنا کر پیش کیا گیا تھا سو ردِ عمل کے تحت قاری طیب صاحب نے یزید کو ''مذل المومنین'' ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا اور اپنی تحقیق کو مسلک دیو بند کی نمائندہ تحقیق و نظریہ قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اہل دیو بند میں سے ہی بہت سے محتاط اور انصاف پسند اہل علم و تحقیق کو اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف پیدا ہوا جن میں ایک نام علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا تھا۔ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب نے قاری طیب صاحب کی کتاب پر ناقدانہ تبصرہ بنام ''تبصرہ بر شہیدِ کربلا اور یزید'' کے نام سے لکھا جو کہ اُن کی وفات کے بعد اشاعت پذیر ہوا۔ اس تبصرے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب رقم طراز ہیں:

> ''معرکہ کربلا کی نوعیت یا حضرت حسینؓ اور یزید کے مؤقف پر ان دنوں متعدد کتابیں لکھی اور شائع کی گئیں۔ لکھنے والوں کے زاویہ ہائے نگاہ اس قدر مختلف ہیں کہ باہم بعد المشرقین نظر آتا ہے اور ایک عام آدمی ان کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے اور کسی طرح فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں کون سا نقطہ نظر تحقیقی طور پر صحیح اور کون سا غلط ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' ہے، جس کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا۔ مخالفت میں اس وقت تک سب سے آخری کتاب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند کی تصنیف ''شہید کربلا اور یزید'' ہے۔ اس کتاب کا بہت پہلے سے انتظار تھا اور اُمید تھی کہ مہتمم صاحب کا قلم اس مسئلہ کو پورے طور پر سلجھا دے گا، لیکن کتاب پڑھ کر مایوسی ہوئی اور خلافِ اُمید آپ کے قلم نے اس مسئلہ کو اور زیادہ اُلجھا دیا۔ مسئلہ کے اُلجھانے کے علاوہ مہتمم صاحب نے متعدد ایسے نظریات پیش کیے اور ایسے انداز میں پیش کیے کہ گویا وہ بالکل مُسلّم الثبوت اور نا قابلِ انکار ہیں، جن سے بہت سی غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لیے مجبوراً یہ چند سطریں محض غلط فہمیوں کے ازالہ کے غرض سے لکھی جاتی ہیں۔''(۱)

---

(۱) تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید، صفحہ/۱۱

علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا اصل مقدمہ اور کتاب پر نقد دراصل قاری طیب صاحب کے اس دعویٰ کے گرد گھومتا ہے کہ انھوں نے اپنی اس کتاب میں پیش کردہ واقعہ کربلا کی تفاصیل اور فسق یزید کے غیر ثابت نظریے کو عقیدہ کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ اس کے خلاف جو بھی بات کہے یا نظریہ رکھے وہ اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہے۔ گویا تعدیل یزید کا نظریہ رکھنے والا یا واقعہ کربلا کو معرکہ حق و باطل ماننے کے بجائے ایک حادثہ فاجعہ جاننے والا شخص اہل سنت سے خارج ہے۔ علامہ الاعظمی اس بابت قاری محمد طیب سے سخت اختلاف کرتے ہوئے ان کی کتاب پر نقد آرا ہوئے اور قریباً سوا سو صفحات کے قریب ایک مختصر سے رسالے میں قاری طیب صاحب کی کتاب کے بیشتر مباحث کا انتہائی اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ جواب دے ڈالا۔

علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا یہ رسالہ قاری محمد طیب صاحب جیسی جلیل القدر شخصیت کی کتاب پر نہ صرف ایک جامع نقد ہے بلکہ اپنے اسلوب تنقید میں ایک انتہائی سلجھی ہوئی تحریر بھی ہے جو کہ فسق یزید اور واقعہ کربلا سے متعلق ایک غیر جانبدار لیکن صائب تجزیہ فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ قاری محمد طیب صاحب کا جو علمی مقام اہل دیوبند میں ہے، اس کے لیے بہتر تھا کہ انھیں کے مقام و مرتبہ کا کوئی شخص قاری صاحب کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے تسامحات کا جواب لکھے اور علامہ الاعظمی صاحب کے اس رسالہ نے یہ حق کما حقہ ادا کر دیا۔ واقعہ کربلا اور اس کے مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تاریخ کے ہر طالبعلم کو اس کتاب کا مطالعہ لازمی کرنا چاہیے۔ اسی رسالہ کے آخر میں علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کے نقد میں لکھی گئی ایک اور کتاب پر بھی علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب نے تبصرہ کیا جو کہ قاضی اطہر مبارکپوری کے قلم سے بنام ''علیؓ و حسینؓ'' معرض وجود میں آئی۔ علامہ الاعظمی کا اس کتاب پر تبصرہ بہت مختصر لیکن کافی سخت ہے کیونکہ بقول علامہ الاعظمی جن بدعنوانیوں کی شکایات قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی اس کتاب میں علامہ عباسی کی جناب میں کی ہیں وہی ساری بدعنوانیاں ان کی اپنی کتاب ''علیؓ و حسینؓ'' میں بھی موجود ہیں۔ یعنی عبارتوں کی قطع و بُرید، غلط ترجمے، سیاق و سباق سے کاٹ کر مفید طلب ٹکڑوں کو نقل

کرنا اور اپنے لیے مضر ٹکڑوں کو حذف کرنا وغیرہ جن کے سامنے آنے کے بعد قاضی صاحب کی پوری کتاب خود اُن کے فیصلہ کی رُو سے نا قابل اعتبار ہو جاتی ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں عباسی صاحب کی کتاب کا رد کرتے ہوئے لکھا تھا:

> ''جس شخص کی اس قدر خیانتیں اُجاگر ہو چکی ہوں، اس کی ایک بات بھی ماننے کے قابل نہیں رہ سکتی، جبکہ ایک کتاب میں دو چار جگہ اس طرح کی خیانت سے پوری کتاب مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک سطر بھی قابل اعتماد نہیں رہتی۔'' (۱)

اور اس کے بعد علامہ الاعظمی صاحب نے قاضی اطہر مبارکپوری کے کیے غلط تراجم، قطع برید اور کتمان کو دلائل کے ساتھ مبرہن کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں خود قاضی اطہر مبارکپوری صاحب اعتدال سے کوسوں دور جا پہنچے۔

ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ علامہ محمود احمد عباسیؒ کی کتاب کو تحریف و بددیانتی کا شاہکار ثابت کرنے کے لیے جناب عزیز احمد قاسمی صاحب نے بھی ایک مضمون بنام ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ پر ایک طائرانہ نظر'' کے عنوان سے اس وقت کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع کروایا جس کا جواب مولانا عامر عثمانی کے تجلّی دیوبند کے شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۰ء میں بقلم علامہ محمود احمد عباسیؒ شائع ہوا۔ خود مولانا عامر عثمانی نے بھی علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب پر مختلف اہل علم کی جانب سے کی گئی تنقیدات کے جواب میں ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک طویل مضمون بنام ''یزید، جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہ بخشا'' کے عنوان سے اسی ماہ تجلّی میں شائع کیا۔ اپنے اس مضمون میں عامر عثمانی صاحب نے چونکہ قاری طیب صاحب کی کتاب کے مندرجات پر جزئی نقد کیا تھا لہٰذا اگلے ماہ تجلّی کے شمارے میں کتاب پر مزید نقد سامنے آیا جس میں قاری طیب صاحب کی علامہ محمود احمد عباسی سے متعلق اس تنقید کا جواب تھا جس میں اُنھوں نے سیدنا حسینؓ کی کم سنی اور صحابیت سے متعلق کلام کیا تھا۔

قاری طیب صاحب اور بعض دوسرے اہل علم نے علامہ محمود احمد عباسیؒ پر اس زمرے

---

(۱) علیؓ و حسینؓ صفحہ ۷

میں نقد کیا کہ وہ سیدنا حسینؓ کی صحابیت کے قائل نہیں تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کلمۃ الحق ارید بہا الباطل کی قبیل سے تھا۔ کیونکہ اپنی پوری کتاب میں کسی جگہ بھی علامہ محمود احمد عباسیؒ نے سیدنا حسینؓ کی صحابیت کا انکار نہیں کیا تھا۔ سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت سے متعلق ان کی بحث صرف فقہی مباحث اور مراتب کا فرق قائم کرنے تک تھی ورنہ انھوں نے اپنی ہر تحریر میں سیدنا حسنؓ و حسینؓ کو ''رضی اللہ عنہ'' ہی لکھا ہے اور اُن کی آج موجود ہر تحریر اسی بات پر شاہد ہے۔ اس ضمن میں اس قدر بے اعتدالیاں کی گئیں کہ اس مبحث کے ''جرمِ عظیم'' کی پاداش میں عباسی صاحب کو ناصبی تک قرار دے دیا گیا۔ جبکہ سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت کسی کی خارجیت و ناصبیت پر شہادت نہیں بن سکتی اگر اس بحث میں ان شخصیات کے ادب و احترام کا پورا خیال ملحوظ رکھا جائے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے لائق ہے کہ سیدنا حسنؓ و حسینؓ دونوں عمر میں سیدنا مروانؓ سے چھوٹے تھے اور کئی اکابر دیوبند و اہلحدیث نے سیدنا مروانؓ کو ان کی صغیرسنی کے باعث صحابی نہیں مانا۔ جبکہ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی، ابن تیمیہؒ اور دوسرے اصحاب نے اپنی کتب میں سیدنا مروانؓ کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے۔ سیدنا مروانؓ کی صحابیت کا انکار کرکے اور پھر ان کا نام بے ادبی کے ساتھ لینے کے باوجود جب ہمارے اکابر توہین صحابہؓ کے مرتکب قرار نہیں دیے جاسکتے تو پھر فقہی مباحث کے تحت سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی صحابیت پر ان کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے بغیر کسی سوئے ادبی کے (جبکہ یہی سوئے ادبی ہمارے اکابر کی تحریروں میں سیدنا مروانؓ کی صحابیت کا انکار کرتے ہوئے جابجا ملتی ہے) کلام کرنا ناصبیت کس طرح قرار دی جاسکتی ہے۔

قاری طیب صاحب کی کتاب پر ایک عمدہ تبصرہ مشہور عالم ابوصہیب رومی مچھلی شہری نے بھی کیا جس کو مولانا عامر عثمانی نے تجلّی دیوبند کی اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں شائع کیا اور پھر یکے بعد دیگرے اس کی تینوں اقساط تجلّی ہی سے شائع کی گئیں۔ یہ تبصرہ بڑے کمال کا تھا، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی چند جھلکیاں ہدیہ قارئین کردی جائیں۔ مولانا ابو صہیب رومی مچھلی شہری قاری طیب صاحب کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت تو نا قابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی ''بدنام'' مگر قابل غور اور ''رُسوائے زمانہ'' لیکن معرکتہ الآرا کتاب '' خلافتِ معاویہ و یزید'' نے ہند و پاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ مصنفِ کتاب عباسی صاحب نے واقعہ کربلا اور کردارِ یزید کو ایسے انداز میں پیش کیا جس کے لیے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی۔ پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل و قرائن سے مدلل و مکمل کر کے پیش کیا کہ ''ناواقف'' اور ''بے بصیرت'' لوگوں نے حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن شائد مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لیے اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس ''رُسوائے زمانہ کتاب'' سے متاثر ہونے لگی۔ ایسی صورت میں مولانا محمد طیب صاحب یا دوسرے حضرات کو اس کتاب کا ''فتنہ'' ہونا محقق ہو گیا تھا تو بے شک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ ''ناواقف'' اور ''بے بصیرت'' لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اب سے بہت پہلے ''الجمعیۃ'' سنڈے ایڈیشن مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا اعلان شائع فرمایا، نیز محمد میاں صاحب مرادآبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت پُر زور الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی، لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔۔۔۔ اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر ''ایک طائرانہ نظر'' ڈالی جو ۲۲ اور ۲۹ نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔ اس مضمون میں ضروری حوالہ جات کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی اور ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھیرانے کے لیے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا۔ حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب

کے ایک جزو پر کچھ معمولی سا اثر ضرور پڑ سکتا تھا بشرطیکہ اس سلسلہ میں عباسی صاحب کی بنیاد متعدد حوالوں پر ہے اس لیے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط ثابت کیا جائے، ایسے اعلانات و مضامین کو نہ صرف طائرانہ ہی سمجھا جاسکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوسکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا طیب صاحب کی تازہ تصنیف ''شہید کربلا اور یزید'' بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کے لیے میں نے اُٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی تو گویا مجسمہ یاس بن چکا تھا اور اسی عالم مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا ''الجمعیۃ'' کے اس مختصر اعلانِ بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا، کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیازمندوں کے قدیم حسنِ ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو درخور اعتناء نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعر مذلت سے نکال کر بامِ شہرت تک پہنچا دینے کے مترادف ہوگا۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحبزادے کی طرف سے ''عظیم دعوتِ فکر'' بن کر ''شہید کربلا اور یزید'' نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آگئی۔ آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور فیصلہ اربابِ دانش و بینش کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت مولانا کے ارشادات پیش کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کردی جائیں تو آئندہ گزارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اور ان کے مطالب و الفاظ کو خدا جانے کس ضرورتِ شرعی اور مصلحت دینی کی بنا پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی بھی کہنا مشکل

ہے۔ البتہ اسے ''تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ القائل'' کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تفسیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات والاصفات اور ان کے منصب جلیل کے شایانِ شان کسی طرح نہیں ہوسکتی، اس لیے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا اُن حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنھوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو۔ مثال کے لیے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷، ۱۹، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۵۸، ۱۰۷، ۱۰۸ اور ۱۱۱ ملاحظہ فرمایئے اور ان میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجیے۔ آپ کو تضیع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح سے آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغییر و تحریف کے عباسی صاحب کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا آسان نہ تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمتِ شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شائد جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انھوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو ''حُسن ظن'' ہونا چاہیے۔ اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایسے بے جا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شائد حضرت مولانا کے کسی شاگرد و مرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کردیا ہے اور مولانا نے اپنے شایانِ شان حسنِ ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس ''مزعومہ فکری فتنہ'' کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرمادی۔ بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گونا گوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بنا پر فرصتِ جواب بھی نہ رہی ہو اور '' آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند'' کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیرِ ملاحظہ یا زیرِ سماعت لاکر اسے مولانا کے '' حقیقت نگار قلم کا شاہکارِ دیانت'' قرار دے

دیا ہو (جس کی نظیر ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف جو تصنیف حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی نوراللہ مرقدہ کی طرف)۔

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گزارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آئے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب '' خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' اور ''شہید کربلا اور یزید'' کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اپنے آپ کو اسی دوراہے پر پائیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کیے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظ کی تحریف و تبدیل کے بعد پیش کیا ہے۔ مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بے حد بعید ہے اس لیے اگر حضرت مولانا کے منصبِ جلیل اور ان کی شان علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کیے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے بلکہ مولانا کی شانِ علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف ہی نہ مانا جائے اور ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔''

امابعد! تین اقساط میں قاری طیب صاحب کی کتاب پر طویل و جامع تبصرہ اور اس کے مندرجات پر علمی نقد کرنے کے بعد تیسری و آخری قسط کے اختتامیہ میں مولانا ابوصہیب رومی شہری مچھلی ایک بار پھر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر پھر کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے صفحات ۱۷۲ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی ''شاہکارِ دیانت'' یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بے جا حسنِ ظن قائم کر لیا گیا ہے کہ وہ ''تاج المعارف'' اور ''حکیم الاسلام'' کا نام دیکھتے ہیں سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور اس

عظیم دعوتِ فکر کی اجابت ضرور کریں گے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان ''غلط انتسابات طیبہ'' کا اصل ''تحریرات محمودہ'' سے مقابلہ کرنے کی جسارت و ہمت نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں حد درجہ قابل افسوس ہیں جن کے باعث ''جماعت دارالعلوم'' کی ''دیانتِ مرحومہ'' پر اگر خون کے بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہوگا۔ ''شہید کربلا اور یزید'' پڑھ کر جو تاثرات پیدا ہوئے انھیں سپردِ قلم کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایسی کوئی بات نوکِ قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اس کے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشا بھی غیظ حق ہی ہوسکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔''

ابوصہیب رومی شہری مچھلی مرحوم کا یہ طویل اقتباس صرف اس غرض سے نقل کیا گیا ہے تا کہ ہم قارئین کو یہ بتا سکیں کہ یہ تبصرہ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کی اشاعت کے بعد سے لے کر آج تک اس کتاب پر ہونے والی تمام تنقیدات پر صادق آتا ہے۔ اگر کسی کے پاس تجلّی کے پرانے رسالے موجود ہوں تو ہمارا ان کو مشورہ ہے کہ اس میں شائع شدہ ان تمام مضامین کا بالضرور مطالعہ کریں تا کہ اُس وقت اس کتاب کی مخالفت و تائید میں جو کچھ ہوا اور بعض اہل علم نے اس متعلق احتیاط کا دامن تھامے رکھنے سے جس طرح گریز کیا، وہ قارئین خود ہی پڑھ کر اندازہ کرسکیں۔

پھر بعض علما نے صرف عباسی صاحب کی کتاب پر نقد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نقد کے ضمن میں ان پر ناصبیت کا فتویٰ تک صادر فرما دیا۔ جبکہ بیشتر لوگ جو علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ناصبیت کی تہمت لگاتے ہیں، اُن میں سے ۹۹ فیصد کا حال یہ ہے کہ انھوں نے عباسی صاحب کی کسی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر رکھا بلکہ ان کا عباسی صاحب پر یہ فتویٰ ''شہید کربلا اور یزید'' اور ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' جیسی کتابوں کا مرہونِ منت ہے۔ ہم پورے دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ جو اصحابِ علم عباسی رحمہ اللہ کو ناصبی قرار دیتے ہیں وہ آج تک عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت کے ثبوت میں بمعہ سیاق وسباق ان کی لکھی ایک سطر ایسی

نہ پیش کرسکیں گے جو تنقیصِ سیدنا علیؓ و حضرات حسنینؓ پر مبنی ہو بلکہ اُن کا سارا مدار سُنی سُنائی باتوں اور علما کے فتاویٰ پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرنے پر ہے۔ رہی بات ان چند حضرات کی جو اس کتاب کو پڑھ کر عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت لگاتے ہیں تو دراصل ان کے نزدیک ''تعدیل یزید'' کا نام ناصبیت ہے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ہم بس اتنا عرض کریں گے کہ یزید کی تعدیل و صالحیت کے نظریئے کو ناصبیت سے جوڑنا نہایت غیر علمی اور خطرناک اقدام ہے کیونکہ ایسا کرکے آپ حضرات سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ تک، سیدنا محمد بن علی بن ابی طالب سے لے کر سیدنا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب تک، امام عبدالمغیث حنبلی سے لے کر قاضی ابن العربی مالکی تک اور مولانا منظور نعمانی سے لے کر حافظ صلاح الدین یوسف تک پر ناصبیت کی تہمت لگانے کے مرتکب ہورہے ہیں۔ سو للہ ناصبیت کی اصطلاح کو درست معنی و مفہوم میں استعمال کریں۔

ہمیں قطعی حسن ظن ہے کہ علامہ محمود احمد عباسیؒ کے بارے میں ان کے مخالفین میں سے اکثر لوگوں کی معلومات محض مولانا عبدالرشید نعمانی، قاضی اطہر مبارکپوری، ابو جابر دامانوی اور سید علی مطہر نقوی کی تنقیدی کتب پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ معترض حضرات میں سے زیادہ تر افراد کی آرا علامہ عباسیؒ کی کتب کے بالاستیعاب مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ اور دوسروں کی لکھی تنقید پر مبنی ہوتی ہیں۔ محمود احمد عباسی کی تمام کتب اس احقر نے بالاستیعاب ایک نہیں کوئی دس دفعہ تو پڑھی ہوں گی اور اُن کی کتب میں ناصبیت کا ایک لفظ ہمیں آج تک نظر نہ آسکا (اگر تعدیل یزید کو ناصبیت کا نام نہ دیا جائے تو)، البتہ تشیع کے ردعمل کی نفسیات کے تحت لہجے کی تیزی کہیں کہیں پائی جاتی ہے جس کو سیاق و سباق سے کاٹ کر عباسی صاحب کے مخالفین نے اپنی کتب میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی صاحب کے نقد پر لکھی عبدالرشید نعمانی صاحب کی کتاب ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' جب پڑھی تو ہم حیران و ششدر رہ گئے کہ ''علم الحدیث و ابن ماجہ'' لکھنے والے اس قدر عبقری مؤلف اس قسم کی سطحی و ہیر پھیر والی تنقید بھی کرسکتے ہیں۔

انتہائی معذرت اور پورے احترام سے عرض ہے کہ جس کلیہ کو استعمال کرکے محترم

عبدالرشید نعمانی صاحب نے عباسی صاحب پر ناصبیت کی تہمت لگائی ہے اگر اس کلیہ کو اُلٹ کر سیدنا معاویہؓ کے حوالے سے دیکھا جائے تو معاذ اللہ علامہ عبدالرشید نعمانی سے لے کر قاضی اطہر مبارکپوری صاحب سب پر شیعیت کی تہمت لازم آئے گی۔

علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے امام بخاری کو گدھا کہا۔ جبکہ یہ بدظنی صرف گپ اور ایک کان سے نکل کر دوسرے کان میں پہنچنے والی بات ہے۔ یہ فرمایا جاتا ہے کہ عباسی صاحب نے یہ بات مفتی زرولی خان صاحب کے سامنے کہی تو کبھی مفتی محمد شفیع کا نام لیا جاتا ہے اور آج کل کذاب زمانہ انجینئر محمد علی مرزا کی شہادت پر اس واقعہ کو ابو جابر دامانوی سے منسوب کردیا گیا۔ یہی ایک بات کافی ہے اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کے لیے۔ بعد از تحقیق یہ پتہ چلا کہ ابو جابر دامانوی صاحب نے یہ بات اپنی کتاب میں لکھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو جابر دامانوی صاحب کی اس بات پر قطعی اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عباسی مرحوم کی خود کی تحاریر میں امام بخاری کا نام ہمیشہ ادب و احترام اور رحمہ اللہ کے لاحقے کے ساتھ لکھا آج بھی موجود ہے۔ پھر یہ بات بھی اہل علم جانتے ہیں کہ ابو جابر دامانوی صاحب اپنے مخالفین کی جناب میں اکثر اس طرح کی غیر مناسب و غیر محقق باتیں برائے مخالفت کرجاتے ہیں، یہاں تک کہ جناب کمال حسن عثمانی کی زوجہ کی بابت انتہائی لغو بیانی اپنی ایک تحریر میں کرچکے ہیں جو کہ اخلاقی اعتبار سے نہایت غیر مناسب و رذیل حرکت ہے۔ سو ابوجابر دامانوی صاحب کی اس طرح کی کسی بات پر اعتبار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ دامانوی صاحب نے ایسی ہی نجی طرز کی باتیں ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے خلاف بھی اپنی کتاب ''الدین الخالص'' میں کی ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی مرحوم سے نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود اُن سے میل جول رکھنے والے اُن کے مخالفین تک اُن کے تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی شہادت دیتے نظر آتے ہیں۔

جہاں تک رہی انجینئر محمد علی مرزا کی بات تو یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے اپنے ایک ویڈیو لیکچر میں فرمایا تھا کہ واقعہ کربلا پر میرا ریسرچ پیپر پڑھ کر حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنے مؤقف سے رُجوع کرلیا ہے۔ جب اس احقر نے یہ بات حافظ صلاح الدین یوسف

حفظہ اللہ کے سامنے رکھی تو انھوں نے انجینئر محمد علی مرزا کا نام سنتے ہی فرمایا کہ وہ ایک نمبر کا کذاب ہے، رُجوع تو دور کی بات، میں نے تو اس کا کوئی ردی ریسرچ پیپر تک نہیں پڑھا۔ مقام حیرت ہے کہ ایسے کذاب انسان کے بیان کرنے پر عباسی صاحب پر امام بخاری کو گدھا کہنے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ اگر اس طور کی غیر مصدقہ باتوں پر کان دھرنا ہے تو مصدقہ ذرائع سے تو یہ بات بھی ثابت ہے کہ اسلام آباد کی ایک مجلس میں جب مولانا عبدالغفور سیالکوٹی سابق استاذ جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے سیدنا معاویہؓ سے متعلق عرض کیا کہ سیدنا معاویہؓ کو باغی، طاغی، جائر اور مخطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر اُن کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل و توجیہ کر لی جائے جس سے اُن کو یہ کچھ نہ کہنا پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟ تو علامہ عبدالرشید نعمانی نے برجستہ فرمایا کہ ''ہاں کتاب الحدود میں صحابہ کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کر سکتے ہو وہ یہاں بھی کر لو'' اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں'' تو جناب کیا اس بات مان کر عباسی صاحب کے مخالفین علامہ عبدالرشید نعمانی مرحوم پر توہین سیدنا معاویہؓ کی تہمت لگانے کی جرأت کریں گے جیسا کہ یہ حضرات علامہ محمود احمد عباسیؒ کی جناب میں کرتے ہیں۔

المختصر علامہ محمود احمد عباسیؒ پر ناصبیت کا فتویٰ و تہمت نہ صرف بے جا تعصب کا شاخسانہ ہے بلکہ حقائق و قرائن کے بھی خلاف ہے۔ دراصل عباسی مرحوم نے جس زمانے میں تعدیل یزید کی صدا بلند کی تھی، اُس زمانے میں یزید بن معاویہ کا نام پلید کے لاحقہ کے بغیر لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بلا تحقیق تاریخ کی رطب و یابس پر یقین کر کے یزید کو ابلیسِ مجسم ثابت کرنے میں لوگ جنت جانے کے ذرائع ڈھونڈتے تھے۔ ایسے ماحول میں نہ صرف صالحیتِ یزید کا قائل ہونا بلکہ تعدیلِ یزید کا مقدمہ پورا زور و شور سے پیش کر دینا ہی عباسی صاحب کا سب سے بڑا جرم ٹھہرا اور اس جرم کی پاداش میں ان پر ناصبیت کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ ورنہ آج کتنے ہی افراد نہ صرف تعدیل یزید کے قائل ہیں بلکہ واقعہ کربلا سے متعلق ان کے اور عباسی صاحب کے نظریات میں چنداں بال برابر فرق نہیں لیکن کوئی ان کو ناصبی باور کرنے کا سوچ

بھی نہیں سکتا کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ تاریخ کی تنقیح نے لوگوں کے ذہنوں سے خرافات کافی حد تک محو کر دی ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ علامہ محمود احمد عباسی صاحب اپنے دور کے ایک محقق اور تاریخی ماخذ پر گہری نظر رکھنے والے انسان تھے جن کا ایک علمی و خاندانی پس منظر تھا۔ مالک رام صاحب نے اپنی کتاب ''تذکرہ معاصرین'' جدید ایڈیشن کے صفحہ ۸۸۱ تا ۸۸۵ میں تفصیل سے علامہ محمود احمد عباسی کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب کے قلم سے عباسی صاحب کا تذکرہ ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔

محمود احمد عباسی امروہوی:

ان کے خاندان کا سلسلہ بواسطہ خلیفہ عباسی (بغداد) امین الرشید (خلف ہارون الرشید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب تک پہنچتا ہے۔ خلیفہ امین الرشید (۸۰۹ء-۸۱۲ء) حضرت عباسؓ سے نویں پشت میں تھے۔ جب ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا اور آخری خلیفہ بنو عباس معتصم باللہ کو تہِ تیغ کر دیا تو اس خاندان کے اکثر اشخاص جان اور ناموس بچانے کی خاطر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ انھیں خلیفہ امین سے دسویں پشت میں مخدوم زادہ محمد یوسف بھی تھے، وہ ہندوستان چلے آئے۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت تھا۔ سلطان نے ان کی خاندانی عظمت اور علمی حیثیت کے پیشِ نظر انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور شایان شان منصب اور عہدہ عطا کیا۔ یہ خاندان ایک صدی تک آرام و آسائش سے دلّی میں مقیم رہا تھا کہ اتنے میں قہرِ خداوندی امیر تیمور کی شکل میں نازل ہوا۔ اب مخدوم زادہ محمد یوسف سے چوتھی پشت میں مولانا شمس الدین یہاں سے نکل کر پنجاب چلے گئے اور زندگی کے بقیہ ایام انھوں نے وہیں بسر کیے۔ ان کے پوتے مولانا رکن الدین عباسی (ابن مولانا نظام الدین) سلطان سکندر لودھی کے عہد میں پنجاب سے نقلِ مکان کر کے امروہہ آئے۔ عباسیانِ امروہہ انھی مولانا رکن الدین کے اخلاف ہیں۔

مولانا رکن الدین کی نویں پشت میں مولانا سید احمد علی شاہ عباسی پچھلی صدی کے صاحبِ صورت و سیرت بزرگ تھے۔ شروع میں خاندانی جاہ و ثروت سے کنارہ کش اور یاد اللہ میں مشغول رہے۔ اگرچہ باقاعدہ حضرت حافظ موسیٰ چشتی قادری مانکپوری سے بیعت تھے، لیکن دوسرے سلاسلِ طریقت مثلاً صابریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں بھی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ تمام وقت مطالعۂ کتبِ دینیہ میں صَرف ہوتا یا عباداتِ الٰہی میں۔ پیر کے دن ۲۹ شوال ۱۲۹۷ھ (۱۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء) کو اکیاسی (۸۱) سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امروہہ میں شاہ علاؤل کی درگاہ میں، بلکہ انھی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سید احمد علی شاہ کے اکلوتے فرزند سید علی محمد عباسی ۱۲۴۷ھ (۳۱-۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دینی تعلیم اور درسِ نظامیہ کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی، پھر حکومت انگریزی میں ملازم ہوگئے۔ اسی اثنا میں وکالت کا امتحان پاس کرکے اسے بطور پیشہ اختیار کرلیا۔ پہلے مختلف مقامات پر کام کیا لیکن بالآخر امروہہ میں مقیم ہوگئے۔ ان کا شہر کے اکابر میں شمار ہوتا تھا۔ یہیں ۱۸۹۷ء میں رحلت کی اور اپنے والد کے پہلو میں جوارِ حضرت شاہ علاؤل میں دفن ہوئے۔

سید علی محمد عباسی نے اپنی زندگی میں دو نکاح کیے۔ پہلی بیوی سے دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہوئے۔ سب کے نام لکھنا طوالت سے خالی نہیں، البتہ دو قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے بڑے محمد داؤد عباسی، جو کسی زمانے میں علی گڑھ میں طالب علم تھے اور جن کا حالی کے بعض اشعار کی تضمین کے سلسلے میں بہت لوگوں نے ذکر کیا ہے، انھی سید علی محمد عباسی کی پہلی بیوی کے بطن سے تھے۔ وہ ۲۰ رمضان ۱۲۸۰ھ (۲۹ فروری ۱۸۶۴ء) کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا بعارضہ تپ دق ۲۷ جون کو فتح آباد (ضلع آگرہ) میں انتقال ہوا اور وہیں احاطۂ عیدگاہ میں دفن ہوئے (خمخانہ جاوید (۳) میں دونوں تاریخیں غلط ہیں)۔ ان کی مثنوی لحنِ داؤدی محمود احمد عباسی نے شائع کی تھی۔ محمد داؤد کے چھوٹے بھائی حکیم فرید احمد عباسی کا اپنے عہد کے مشہور طبیبوں میں شمار تھا۔ وہ مدتوں طبیہ کالج دلی کے پرنسپل رہے۔

سید علی محمد عباسی کی دوسری بیوی شیخ غلام محمد صدیقی کی صاحبزادی (صغیر النساء)

تھیں۔ ان بیگم سے ایک بیٹی اور چار بیٹے ہوئے۔ محمود احمد عباسی بیٹوں میں سب سے بڑے تھے۔ یہ گویا محمد داؤد عباسی مذکور الصدر کے علاتی بھائی تھے۔ وہ منگل کے دن ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ (۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء) بوقتِ صبح امروہہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے وہ اپنے نانا شیخ غلام محمد صدیقی کے زیرِ اثر آ گئے جو اُن کے والد ہی کے ساتھ مقیم تھے۔ وہ اُنھیں اولیاء اللہ کے واقعات سناتے۔ اگر کسی درویش کی ملاقات یا بزرگ کی زیارت کو جاتے تو انھیں ساتھ لے جاتے۔ اس سے ان کے دل میں تاریخ، سیرتِ اولیاء اور تصوّف کا شوق پیدا ہوا، جس سے گویا بعد کے زمانے کے مطالعے کا رُخ متعین ہو گیا۔

تعلیم کا زمانہ آیا تو امروہہ ہائی سکول میں داخلہ ملا۔ یہیں زیرِ تعلیم تھے کہ ۱۸۹۷ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ اپنے دوسرے علاّتی بھائی ڈاکٹر محمد احسن عباسی کے پاس اناّؤ اور رائے بریلی میں رہنے لگے، جو وہاں میڈیکل افسر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ دسویں درجے تک تعلیم بھی وہیں پائی۔ اس کے بعد لکھنؤ کالج میں بھیج دیئے گئے۔ وہاں یہ کالج اقامت گاہ سے باہر ایک ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ اور یہی ان کی تعلیم سے بے توجہی کا باعث ثابت ہوا۔ نواب وقار الملک، مولوی مشتاق حسین امروہوی ان کے والد کے دوست تھے۔ اگرچہ انھوں نے لکھنؤ میں اپنے ایک ممتاز دوست کو ان کے حالات کی نگرانی اور تعلیمی رہنمائی پر مقرر کر دیا تھا، لیکن یہ صاحب اپنا فرض بوجہ احسن بجا نہ لائے۔ غرض محمود احمد عباسی کی تعلیم نامکمل رہ گئی۔ لیکن ان نگران صاحب کی بدولت ان کا شہر کے متعدد ادیبوں اور اکابر سے تعارف ہو گیا۔ انھیں میں شبلی اور شرر بھی تھے۔ تعلیمی زمانے میں اگر کسی کو مجلس آرائی اور ہنگامہ پروری کا چسکا پڑ جائے تو تعلیم کے لیے اس سے زیادہ مہلک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی، یہاں بھی یہی ہوا۔

مولانا شبلی اور شرر کے زیرِ اثر ان کا زیادہ وقت تاریخ و سیر کی کتابوں اور سیاسی اور قومی لٹریچر، رسائل و جرائد کے مطالعے میں صرف ہونے لگا، اور وہ نصاب کی طرف سے بے پرواہ ہو گئے۔ چنانچہ امتحان میں بار بار ناکام رہے، اور سیاسیات میں روز بروز زیادہ محو رہنے لگے۔

لکھنؤ میں مزید قیام بیکار بھی تھا اور ذریعۂ معاش کے فقدان کے باعث تکلیف دہ

بھی، چنانچہ مسلم سکول بریلی میں مدرّس ہوکر چلے گئے۔ اتفاق سے یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا حالی اپنے مرگی کے مریض نواسے عبدالولی کے علاج کے لیے یہاں مقیم تھے۔ جس طرح قیامِ لکھنؤ کے زمانے میں شبلی اور شرر نے محمود احمد عباسی کی حوصلہ افزائی کی تھی، اسی طرح حالی بھی ان کے علمی ذوق اور ادبی رجحان کو دیکھتے ہوئے ان سے لطف و عنایت سے پیش آئے۔ عباسی صاحب نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ ان کا مضمون نگاری کا شوق دراصل ان کی اسی حالی سے ملاقات کا مرہونِ منت تھا۔ یوں رسمی تعلیم کا جو سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، اس نقصان کی بھی کچھ تلافی ہوگئی۔

حالی ان سے بہت شفقت سے پیش آتے رہے۔ دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی تھا (جیسا کہ مکتوباتِ حالی میں شائع شدہ خطوط سے ظاہر ہے)۔ آخرکار انھی کی سفارش پر عباسی صاحب کو ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ کے دفتر میں بطور نجی معاون (پرسنل اسسٹنٹ) ملازمت مل گئی۔ عباسی صاحب یہاں ۱۴ برس رہے۔ ان میں سے تقریباً دس برس انھوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان جائنٹ سکتّر (ف جنوری ۱۹۳۰ء) کے ماتحت کام کیا۔ وہ ان سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ چنانچہ انھوں نے عباسی صاحب کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر ادبی معاون اور پھر صدر دفتر کا قائم مقام سپرنٹنڈنٹ بنا دیا۔ جب تک وہ ستمبر ۱۹۱۷ء میں وزیرِ ہند کی کونسل کے رُکن بن کر انگلستان میں تشریف نہیں لے گئے، یہ بےغل وغش یہاں کام کرتے رہے۔ اور اس زمانے کے تمام اصحابِ مجاز نے بھی ان کے کام کی تحسین کی۔ (صدر یار جنگ) مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی (ف اگست ۱۹۵۰ء) بھی اسی زمانے میں حضور نظامِ دکن کی خواہش پر صدر الصدور اُمور مذہبی ہوکر حیدرآباد چلے گئے۔ ان کے بعد جن اصحاب کے ہاتھ میں کانفرنس کی باگ ڈور آئی، ان سے اختلافات پیدا ہوگئے۔ کانفرنس نے صاحبزادہ موصوف کی سفارش پر انھیں انگلستان جاکر تعلیمی امور کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چھ ہزار روپے وظیفہ دینا منظور کیا تھا۔ عباسی صاحب نے سفر کے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ لیکن مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باعث نہ صرف یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی، بلکہ انھیں ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے بعد لمبی غیر حاضری کے

بعد یہ اپنے وطن امروہہ واپس آ گئے۔

یہ طویل قیامِ علی گڑھ ان کے دل و دماغ کی صلاحیتوں کی پختگی کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ کارِ منصبی سے جو وقت بچتا، وہ اسے مطالعے میں صرف کرتے۔ کالج اور کانفرنس کے کتاب خانوں میں کتابوں کی کمی نہیں تھی، اس پر افسر ایسے ملے جو کام اور علم کے قدر دان تھے۔ عباسی صاحب کے دل میں بھی امنگ اور کام کرنے کا ولولہ موجود تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے مختلف موضوعات کے بارے میں وسیع مطالعے سے اپنی معلومات اور لیاقت میں متعد بہ اضافہ کرلیا۔

اب امروہے میں مقیم ہوئے تو رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لینے لگے، لیکن ابنائے وطن کے عدمِ تعاون، بلکہ عملی مخالفت کے باعث اس میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اسی زمانے میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم (ف جنوری ۱۹۳۱ء) نے دلّی سے اپنا مشہور روزنامہ ہمدرد جاری کیا۔ انھوں نے عباسی صاحب کو بھی اس کے صیغۂ ادارت میں کام کرنے کی دعوت دی، جو انھوں نے قبول کرلی۔ اس سلسلے میں کوئی سال بھر دلّی میں قیام رہا تھا۔

امروہہ کے قیام کے زمانے میں انھوں نے تاریخِ امروہہ (جلد اوّل)، پھر تذکرۃ الکرام (دوسری جلد) اور تحقیقِ انساب تین کتابیں تصنیف کیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا، تحقیق و تدقیق اور روایت و درایت کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ حق پژوہی اور حق گوئی میں کسی کی رُو رعایت ان کے سدّ راہ نہیں ہوئی۔ تاریخِ امروہہ میں اور پھر تحقیق انساب میں کئی خاندانوں کا کچا چٹھا تھا۔ اس سے قدرتاً بہت لوگوں کو رنج ہوا اور انھوں نے سخت مخالفت کی۔ عباسی صاحب نے تکلیف برداشت کی، نقصان اُٹھایا، لیکن جو بات صحیح سمجھی، اس کے اعلان سے باز نہ آئے۔ اس پر مقدمہ بازی ہوئی اور بحیثیت مدعی اور مدعا علیہ دونوں میدانوں میں وہ ہر طرح کامیاب رہے۔

انھوں نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ممکن ہے کوئی اور اثر بھی رہا ہو، لیکن وہ غالباً مولانا محمد علی کی صحبت میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ بعد کو امروہہ کانگریس کمیٹی کے صدر چنے گئے تھے۔ اور کچھ مدت وہاں کی میونسپل کمیٹی کے صدر اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔

۱۹۳۶ء کے انتخاب کے سلسلے میں جب جواہر لال نہرو دورے پر امروہہ گئے ہیں تو وہاں جلسے کا انتظام اور نظم وضبط کا اہتمام عباسی صاحب ہی نے کیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جب ملک کی فضا مکدر ہوگئی اور امروہہ کا قیام غیر محفوظ ہونے لگا تو وہ عارضی طور پر پاکستان چلے گئے۔ لیکن ان کا ارادہ وہاں مستقل قیام کا نہیں تھا۔ چنانچہ بعد کو جب دونوں حکومتوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ اب مہاجرین کو اپنی مستقل جنسیت کا تعین کرنا پڑے گا، فلاں تاریخ کے بعد پاسپورٹ اور راہداری کے قواعد نافذ ہوجائیں گے، تو وہ ہندوستان واپسے چلے آئے۔ یہاں ان کی خاصی بڑی جائیداد وغیرہ تھی۔ کچھ کتابیں بھی چھپ چکی تھیں۔ اس لیے معقول آمدنی تھی اور بسر اوقات کے لیے کوئی تشویش نہیں تھی۔

ان کا نکاح مُلّا امان اللہ کے خاندان میں، ابراہیم علی صدیقی کی صاحبزادی (شکیلہ بیگم) سے ہوا تھا۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی (برجیس فاطمہ) ہوئیں، جو جناب سبط رسول فاروقی کے حبالہ عقد میں آئیں۔ پاکستان بننے پر بیٹی اور داماد وہاں چلے گئے تھے۔ جب عباسی صاحب تقاضائے عمر سے زیادہ بیمار رہنے لگے تو ان لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ پاکستان چلے آیئے، تاکہ ہم آپ کی دیکھ بھال کرسکیں۔ یوں بھی اب امروہہ میں ان کا کون تھا، لہٰذا بیٹی کے بلانے پر وہ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کرکے مستقلاً کراچی چلے گئے۔ جانے سے پہلے انھوں نے یہاں کی بیشتر جائیداد فروخت کردی تھی، بقیہ کے عوض میں شاید وہاں کچھ باغات وغیرہ مل گئے تھے۔ غرض انھیں وہاں بھی مالی پہلو سے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

کراچی کے زمانہ قیام میں ان کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے حقیقتِ قومِ کمبوہ چھپی، جو امروہہ میں مکمل ہوچکی تھی، اور جس کا مسوّدہ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ لیکن جس کتاب نے سب سے زیادہ ہنگامہ برپا کیا، وہ خلافت معاویہ و یزید ہے، یہ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اُنھوں نے امیر معاویہ اور اُن کے جانشین یزید کو حق بجانب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قدرتی بات تھی، شیعی حضرات نے سخت احتجاج کیا۔ حکومت نے عافیت اسی میں دیکھی کہ کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دے دی۔ لیکن وہ عباسی صاحب کو خاموش نہ کرسکی۔ انھوں نے دو سال بعد اپنے نظریئے کی تائید میں دوسری

کتاب تحقیق مزید شائع کی (۱۹۶۰ء)۔ مخالفانہ جلسے وغیرہ اب کے بھی ہوئے، لیکن چونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا تھا، اس کی تردید محال تھی، اس لیے مخالفین نے خموشی اختیار کی اور یہ کتاب ضبط نہیں ہوئی۔

انھوں نے شعرائے امروہہ کا ایک تذکرہ بھی مرتّب کیا تھا۔ دراصل یہ ان کی تاریخ امروہہ ہی کا ایک حصہ تھا۔ وہ یہ کام مکمل کر چکے تھے، اور اس کا مسوّدہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے تھے، لیکن یہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اگر ان کے پسماندگان ان کے مسودات کی چھان بین کر کے اسے الگ کر لیں اور شائع کر دیں تو یہ ادب کی مستقل خدمت ہوگی۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ طارق روڈ کراچی پر سوسائٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۱)

علامہ محمود احمد عباسی سے متعلق مالک رام صاحب کا یہ تبصرہ و تذکرہ ان تمام منفی تبصرہ جات کی نفی کر دیتے ہیں جو جناب محمود احمد برکاتی کی کتاب جادۂ نسیاں اور دوسرے اہل علم کے قلم سے پیش کیے جاتے ہیں۔ دراصل علامہ محمود احمد عباسیؒ کی ذاتیات پر اس طرح کے تبصرے امیر یزیدؒ سے متعلق ان کی تحقیقات و دلائل سے زچ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ اللہ محمود احمد برکاتی صاحب کو معاف فرمائے کہ وہ اس متعلق حد سے کسی قدر تجاوز کر گئے۔ جبکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی سے لے کر بابائے اُردو مولوی عبدالحق تک، علامہ محمود احمد عباسیؒ کے سارے ہم عصر اور ان سے قریبی تعلقات رکھنے والے لوگ ان کے حسنِ اخلاق اور سلامتیِ دین کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں جبکہ علامہ شبلی نعمانی سے لے کر عبدالحلیم شرر اور مولانا محمد علی جوہر جیسے ذی عزت و ذی مرتبت لوگوں کے عباسی صاحب سے قریبی تعلقات اور ہم نشینی رہی اور وہ اُن پر بھرپور اعتماد کرتے اور مختلف ادوار میں ان کے رفیقِ کار رہے۔ جیسا کہ مالک رام صاحب کے مندرجہ بالا اقتباسات کی تفاصیل سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) تذکرہ معاصرین۔ مالک رام

اقوال معاصر علما بر تعدیلِ یزید ابن معاویہؓ:

علامہ محمود احمد عباسیؒ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تعدیلِ یزیدؒ کا تخم انھوں نے ہی بویا اور اس تخم کی آبیاری صرف منکرِ حدیثوں اور ناصبی ذہن رکھنے والے لوگوں نے کی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمود احمد عباسیؒ کے معاصرین میں کئی جید علمائے کرام تعدیلِ یزید کا نظریہ رکھتے تھے جن کا انکارِ حدیث یا ناصبیت سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اس دعویٰ کے ضمن میں متعلق چند علمائے کرام کی تحریریں بمعہ ان کے نام ہدیۂ قارئین کردی جائیں۔

علامہ محبّ الدین الخطیب مصری (متوفی ۱۳۹۰ ہجری بمطابق ۱۹۷۰ء):

علامہ محبّ الدین خطیب مصری کی بابت مشہور اہلحدیث عالم خالد گھرجاکھی لکھتے ہیں:

> ''شیخ محبّ الدین سلفی المسلک خالص کتاب و سنت کے علمبردار تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران سید محبّ الدین اور ان کے ایک عزیز سید عبدالفتاح نے مل کر مصر سے ایک ماہنامہ ''مجلّہ السّلفیہ'' کے نام سے جاری کیا۔ آپ اس کے رئیس التحریر تھے۔ شاہ فیصل ہاشمی کے زمانہ میں ہجری میں دمشق واپس آگئے اور ''المجمع العلمی العربی'' نے آپ کی خدمات حاصل کرلیں —— آپ کا دل اسلام اور اہل اسلام کی محبت سے لبریز تھا۔ اس لیے اسلام یا اہل اسلام کے خلاف کوئی بیرونی حملہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ آپ مسلکاً سلفی العقیدہ تھے اور کسی فقہی مسلک کے ساتھ منسلک نہ تھے اور سلف صالحین صحابہ کرام اور تابعین کے طریقہ کے علمبردار تھے۔ ان کے لٹریچر میں کتاب و سنت کی نمائندگی اصلی رنگ و روپ میں ہوتی تھی —— سید صاحب ۱۳۹۰ ہجری کے اوائل میں وفات فرماگئے جس پر تعزیتی پیغام الاعتصام مجریہ ۸/مئی ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ''(۱)

(۱) العواصم من القواصم طباعت دوم ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۶/

علامہ محبّ الدین خطیب مصری نے قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کی مشہور کتاب ''العواصم من القواصم'' کو تصحیح و تحقیق کے بعد اس پر تعلیقات کے ساتھ شائع کیا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ادارہ احیاء السنۃ، گھرجاکھ، ضلع گوجرانوالہ سے شائع کیا گیا۔ کتاب کے صفحہ/۳۵۶ پر علامہ محبّ الدین خطیب لکھتے ہیں:

''یزید کی عدالت کے متعلق تو محمد بن علی بن ابی طالب کی شہادت کافی ہے۔ جب یزید کی فوج نے مدینہ پر حملہ کیا تو یزید کی طرف سے ابن مطیع کو جواب دیتے ہوئے محمد بن حنفیہ نے کہا تھا: ''جو کچھ تم بیان کرتے ہو میں نے وہ چیزیں یزید میں نہیں دیکھیں، میں اس کے پاس گیا ہوں، اس کے پاس قیام کیا ہے، میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ نمازوں کا پابند ہے۔ نیکی کا متلاشی ہے، فقہی مسائل کا دلدادہ ہے اور سنت کا پابند ہے''(۱) اور یزید کے علم کی شہادت عبداللہ بن عباسؓ دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ حسن بن علیؓ کی وفات کے بعد میں معاویہؓ کے پاس گیا تو یزید میرے پاس آیا اور تعزیت کرتا رہا۔ جب اٹھ کر چلا گیا تو میں نے کہا ''جب بنوحرب ختم ہو گئے تو علم بھی ختم ہو جائے گا۔''(۲)

مولانا عامر عثمانی، مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند (متوفی ۱۹۷۵ء):

برصغیر کے نامور عالم مولانا عامر عثمانی، فاضل دیوبند کا رسالہ ماہنامہ تجلی دیوبند برصغیر کے صف اول کے علمی و دینی مجلّات میں مشہور و معروف رہا ہے۔ مولانا عامر عثمانی کی سب سے اچھی بات یہ رہی کہ انھیں تاریخی حقائق جہاں سے ملے انھوں نے بلاتعصب ان کو قبول کیا اور پھر اس کی ترویج و اشاعت کی۔ یہی وجہ ہوئی کہ ایک طرف تو ماہنامہ تجلی سے محمود احمد عباسی صاحب کے تاریخی نظریات کی تائید میں مضامین چھپتے رہے تو دوسری طرف سید مودودی کی علمی و دینی خدمات کے اعتراف و تائید میں مقالے نکلتے رہے، جبکہ کون نہیں جانتا

---

(۱) ابن کثیر ۲۳۳/۸

(۲) العواصم من القواصم حاشیہ صفحہ۔ ۳۵۶۔۳۵۷

کہ تاریخی نقطہ نظر میں سید مودودی اور محمود احمد عباسی میں مشرق و مغرب کا بعد تھا۔

جناب محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' سے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ تجلی کے شمارہ جون جولائی میں عامر عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''خلافت معاویہ و یزید جناب محمود احمد عباسی کی تصنیف ہے۔ ذمہ تو انھی کا ہے کہ اپنے ناقدین سے پنجہ کشی کریں یا نہ کریں۔ لیکن تبصرے میں ہم نے بھی کتاب کو سراہا تھا اور مہینوں اس موضوع کی بحثوں میں سر مارتے رہے ہیں۔ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر تھوڑا وقت اس موضوع کی نذر کر دیا جائے۔ قصہ معمولی نہیں ہے۔ رفض و تشیع نے عقائد کی جڑوں سے لے کر ٹہنیوں اور برگ و بار تک جو زہر پھیلایا ہے اس پر بڑے بڑے اساطین مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔ اچھے اچھے بالغ نظر علما کا یہ حال ہے اور پہلے بھی رہا ہے کہ بعض ایسی روایات و اخبار کو انھوں نے مسلمہ حقائق کی حیثیت سے تسلیم کرلیا ہے جنھیں بعض لوگوں نے خاص مقصد کے تحت سو فیصد گھڑا تھا یا مشکل سے دس فیصدی ان میں حقیقت تھی۔ اور نوے فیصدی افسانہ طرازی۔ اس دائرو سائر فریب خوردگی کا دبیز پردہ چاک کرنے کے ارادہ سے اگر کوئی شخص جرات رندانہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ یہ جرأت رندانہ ہر پہلو سے بے عیب ہی ہو۔ نقص و عیب بشریت کا جزو لاینفک ہے۔ محمود احمد عباسی فرشتے نہیں۔ ہوسکتا ہے علیؓ اور حسینؓ کے بارے میں ان کے خیالات کسی پہلو سے قابل اصلاح ہوں۔ ہوسکتا ہے رفض و شیعیت کی لامتناہی فساد انگیزیوں کے ردعمل میں وہ ذہنی تشدد، فکری بے اعتدالی اور جذباتی تعصب میں بھی ملوث ہوگئے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا تحقیق زاویہ نظر تھوڑا بہت کج ہو، لیکن جو معاندانہ سلوک بعض حلقوں میں ان کی جرات رندانہ سے کیا گیا ہے، وہ منصفانہ نہیں ظالمانہ ہے، اس میں اعتدال نہیں اشتعال ہے۔''(۱)

---

(۱) مولانا عامر عثمانی، تبصرہ از قلم مدیر بر تبصرہ عبدالحمید صدیقی

مولانا عامر عثمانی صحیح بخاری، کتاب الجہاد، کی اس حدیث کے حوالہ سے، جس میں قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والے پہلے لشکر کے مغفرت یافتہ ہونے کا ذکر ہے، امیر لشکر یزید بن معاویہؓ کے مغفرت یافتہ ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لعنت بھیجو، گالیاں دو جو چاہے کرو، اللہ کا رسول ﷺ تو کہہ چکا کہ:

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

اور اللہ کا رسول ﷺ اٹکل پچو نہیں کہتا، اللہ کی طرف سے کہتا ہے۔ سارا عالم مل کر زور لگالو اللہ کی مشیت اٹل ہے۔ وان یردك بخیر فلاراد لفضله۔ اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لیے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا۔

نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنھیں قسطنطنیہ کے غزوہ اولیٰ کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انھیں بخش دیا۔ کمال ہے، بدعتی حضرات جو رسول اللہ ﷺ کا درجہ دینے کے لیے انھیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں، وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہوگئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے۔

مبارک ہو شیعوں کو کہ انھوں نے خود حسینؓ کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہوکر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر۔ اور حُبِ حسینؓ کا ڈھونگ رچا کر بغضِ یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے اور سیاہی مل گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے۔

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لیے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حسینؓ کو باز رکھنے کے لیے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انھیں مار ڈالو۔ جو کچھ پیش آیا بہت برا سہی مگر یزید

قاتل نہ تھا، نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بلکہ بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنھوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حسینؓ کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انھوں نے علیؓ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا۔ اور پھر انھی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسینؓ کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بطور آرکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہؓ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہؓ کو سب وشتم کرنے کا راستہ نکالا ہے۔"(۱)

ابو یزید محمد دین بٹ (متوفی ۱۹۸۱ء):

"جمعیت محبین صحابہؓ" لاہور کے روحِ رواں اور لنڈا بازار لاہور کے درویش صفت تاجر جناب ابو یزید محمد دین بٹ، امیر یزید بن معاویہؒ سے متعلق اپنی تصنیف "خلافتِ رشید ابن رشید" کے حوالے سے پاکستان و برصغیر میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے اپنی اس معرکۃ الآراء تصنیف کے ذریعے امیر یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امارت و خلافت کا محکم دلائل سے نہ صرف اثبات فرمایا ہے بلکہ حوادثِ کربلا و حرہ و حصارِ کعبہ کے حوالے سے بھی یزید کو موردِ الزام ٹھہرانے والوں کو دندان شکن جواب دیا ہے۔ جناب ابو یزید محمد دین بٹ کی دیگر تصانیف میں "سیرتِ علیؓ"، "اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کربلا" اور "مودودی کا نسلی تعصب"

---

(۱) مولانا عامر عثمانی، یزید جسے خدا نے بخشا، مگر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ تجلی دیوبند، جولائی ۱۹۶۰

شامل ہیں۔ آپ نے اپنے ایک فرزند کا نام ''محمد یزید'' رکھتے ہوئے ''ابو یزید'' کنیت اختیار فرمائی اور جانی و مالی نقصان کے خوف سے بے نیاز رہتے ہوئے عام خریداروں کے سامنے بھی اپنے افکار کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے مشن پر صبر و استقامت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے مخالفین و معاندین کی جانب سے ایذا و استہزا کا تادم آخر انتہائی پامردی و استقامت سے مقابلہ کیا۔

شیخ المحدثین علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (متوفی ۱۹۸۷ء):

اہلحدیث اکابر علما میں ایک درخشاں نام علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کا ہے۔ آپ ضلع امرتسر کے گاؤں بھوجیاں میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ حافظ محمد گوندلوی اور علامہ عطاء اللہ لکھوی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ لاہور میں مکتبہ سلفیہ کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی تھی۔ غرض اہلحدیث حضرات میں علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ایک نہایت محترم دوست اور استاد کے توسط سے پچھلے دنوں ایک کتاب بنام ''آثار حنیف بھوجیانی'' سے تعارف ہوا جو کہ چار جلدوں میں چھپی ہے۔ اس کتاب میں محترم احمد شاکر صاحب نے علامہ بھوجیانی کی منتشر تحریرات کو مختلف مصادر و ماخذ سے حاصل کرکے جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی جلد اول میں فتاویٰ کی سرخی کے تحت احمد شاکر صاحب مختلف سائلین کے سوالات اور علامہ بھوجیانی کے جوابات لائے ہیں، جہاں صفحہ/ ۲۲۸ پر ایک سائل کے سوال کہ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہ یزید بن معاویہؓ کو گمراہ قرار دیتا ہے، علامہ بھوجیانی فتویٰ دیتے ہیں:

> ''امیر یزید بن معاویہؓ گمراہ نہ تھے اور ان کو تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔ وہ سیدنا معاویہؓ کے صاحبزادے ہیں، متعدد صحابہؓ کو انھوں نے دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ہے، اس لحاظ سے بلاشبہ یزید تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی رواۃ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں ان کا شمار کیا ہے جس سے ان کی مراد تابعین کا طبقہ وسطیٰ ہے، جیسے حسن بصری اور ابن سیرین۔ بنا بریں یزید کے تابعی ہونے کا

انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے۔''

یہی نہیں بلکہ اسی جلد کے صفحہ نمبر ۲۳۰ پر احمد شاکر صاحب ''امیر یزید کی خلافت'' سے متعلق علامہ بھوجیانی کا فتویٰ لائے ہیں، جس میں علامہ بھوجیانی صراحت سے لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سیدنا حسینؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے سوا جو صحابہ کرامؓ موجود تھے، ان میں سے کسی صحابی سے انکار بیعت صحیح سند سے منقول نہیں، حتیٰ کہ سیدنا حسینؓ کے رشتہ داروں سے بھی۔ جس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ ''یزید صحابہ کرامؓ کا تسلیم شدہ خلیفہ'' تھا۔ اکابر محققین بھی یزید کی ''خلافت'' کو درست تسلیم کرتے تھے، چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے ایک عظیم فقیہ و محدث امام عبدالغنی مقدسی متوفیٰ ۶۰۰ ہجری نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

''یزید کی خلافت صحیح تھی، بعض علما کی تصریح کے مطابق ساٹھ صحابہؓ نے اس کی بیعت کی تھی۔ کوئی اس سے محبت رکھے تو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور اگر کوئی اس سے محبت نہیں رکھتا تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ صحابی نہیں کہ اس سے محبت لازمہ ایمان ہو۔''(۱)

مولانا منظور نعمانی (متوفی ۱۹۹۷ء):

مشہور حنفی و دیوبندی عالم مولانا منظور نعمانی ابتداً تفسیقِ یزید کے قائل تھے، تاہم بعد میں اپنے صاحبزادے علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' کے مندرجات سے متاثر ہوکر انھوں نے اپنے سابقہ نظریات سے رجوع کرلیا تھا۔ اور اسی رجوع کے زیر اثر مذکورہ کتاب پر صفحات کا افتتاحیہ لکھا جس کی آخری سطروں میں واضح طور پر لکھا:

''میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور اگر اس میں کوئی غلط بات آ گئی ہے تو اس کے اثر سے بندوں کی حفاظت

---

(۱) طبقات الحنابلہ لابن رجب الدمشقی متوفی ۷۹۵ ہجری

فرمائے، نیز عزیز مصنف کو اس سے رجوع کی توفیق بخشے۔"(۱)

یاد رہے کہ مذکورہ بالا کتاب واقعہ کربلا سے متعلق وہی موقف پیش کرتی ہے جو محمود احمد عباسیؒ نے اپنی زیرِ نظر کتاب میں پیش کیا ہے یعنی قتلِ حسینؓ میں یزید کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور یزید کے اوپر لگائے گئے بیشتر الزامات جھوٹے اور غیر ثابت ہیں۔

دکتور حمد محمد العریناں، جدہ و شیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی، کویت

جامعۃ الملک عبدالعزیز، جدہ کے استاذ التاریخ ڈاکٹر حمد محمد العریناں نے یزید کے دورِ خلافت میں واقعہ حرہ اور حریق الکعبۃ پر ایک مختصر و جامع مقالہ تحریر فرمایا تھا جو کہ جامعہ کے ''کلیۃ الادب'' کے تحقیقی مجلّہ میں قسط وار شائع ہوا۔ بعدازاں اسے کتابی شکل میں بنام "اباحة المدينة و حريق الكعبة فى عهد يزيد بن معاويه بين المصادر القديمة و الحديثة" مکتبہ ابن تیمیہ، کویت نے شائع کیا۔ اس کتاب میں دکتور حمد محمد العریناں نے ان دونوں واقعات سے متعلق یزید کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا نہ صرف تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ قدیم و جدید مصادر سے کئی ادلہ مہیا کر کے یزید کے خلاف الزامات کا تار و پود اکھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں کویت کے ممتاز محقق و عالم الشیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی نے یزید کے حالاتِ زندگی پر ایک جامع مضمون تحریر کیا ہے جو کہ کتاب کے ابتدایہ کے طور پر شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں شیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی نے یزید کی سیرت و شخصیت کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے خلاف مذموم پروپیگنڈے کا نہایت عمدہ و مدلل طریق پر رد فرمایا ہے۔ اس مضمون میں شیخ محمد ابراہیم الشیبانی نے یزید کے حوالے سے متعدد مثبت اقوالِ اکابر امت اور یزید کے سلسلے میں تحریر شدہ مختلف النوع کتب کے نام بھی مختلف مقامات پر درج فرمائے ہیں۔ المختصر "اباحة المدينة و حريق الكعبة فى عهد يزيد بن معاويه بين المصادر القديمة و الحديثة" کے نام سے مختصر لیکن جامع تحقیقی

---

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر صفحہ/۱۸

تصنیف میں الشیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی اور دکتور حمد محمد العریبنان نے عہدِ یزید سے متعلق یزید کا منفی کردار پیش کرنے والی روایات کی قلعی کھول کر یزید کی اصل سیرت قارئین کے سامنے پیش کردی ہے اور تعدیلِ یزید سے متعلق اپنے مقدمے کو بھرپور و ناقابلِ تردید ادلہ سے مزین کر کے پیش کر دیا ہے۔

علامہ خالد گھرجاکھی (متوفی ۲۰۰۵ء):

مشہور اہلحدیث عالم علامہ خالد گھرجاکھی نے قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کی کتاب ''العواصم من القواصم'' جس پر علامہ محبّ الدین الخطیب المصری کی تعلیقات موجود ہیں، کا اردو ترجمہ کروا کر اپنے ادارہ احیاء السنۃ گھرجاکھ ضلع گوجرانوالہ سے شائع کیا تھا۔ کتاب کے صفحہ/۳۵۵ میں وہ یزید کی بیعت سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ واقعی مدینہ والوں نے (یزید کی) بیعت کر لی تھی بلکہ جس طرح یزید کی ولی عہدی پر اتفاق ہوا وہ ایک عظیم اجماع ہے جس کی نظیر اس دور میں ملنا مشکل ہے بلکہ اگر فرض کر لیں کہ تین یا چار آدمیوں نے بیعت نہیں کی تو لاکھوں میں سے چار آدمیوں کی کیا وقعت ہے جس طرح حضرت علیؓ سے چند افراد کی بیعت نہ کرنے سے ان کی خلافت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان چار کے متعلق بھی غلط روایت لکھی جارہی ہیں۔ چنانچہ ابن عمرؓ کا واقعہ بخاری شریف میں آگے آرہا ہے کہ انھوں نے قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا اور بیعت کر لی اور اس بیعت پر مضبوطی سے قائم رہے حتیٰ کہ حرہ کے واقعات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے سارے خاندان کو اکٹھا کر کے یزید کی بیعت پر قائم رہنے کی تلقین کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ کو بیعت میں شامل کرنا ویسے ہی خلافِ واقعہ ہے کیونکہ یزید سے بیعت ۵۶ ہجری میں ہوئی اور عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ ۵۳ ہجری میں وفات پا چکے تھے۔ البتہ حضرت حسینؓ نے

خروج کیا حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سخت مخالفت کی اور اپنے خاندان کو واقعات حرہ میں بھی یزید کی بیعت پر قائم رکھا اور ابن زبیرؓ نے اگرچہ یزید سے بیعت نہ کی لیکن حضرت حسینؓ کی بیعت بھی نہ کی اور نہ ہی حضرت حسینؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کی تھی۔''(۱)

مولانا محمد ادریس فاروقی (متوفی ۲۰۱۰ء):

حافظ محمد محدث گوندلویؒ کے شاگرد اور مرکزی جمعیت اہلحدیث صوبہ بلوچستان کے سابق امیر جناب مولانا محمد ادریس فاروقی اہلحدیث علما میں ایک سنجیدہ اور باوقار نام کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آپ نے سیدنا حسینؓ کی سیرت پر ایک کتاب بنام ''سیرتِ حسینؓ مع سانحہ کربلا'' تصنیف فرمائی جس میں نہایت معتدل پیرائے میں سیدنا حسینؓ کی سیرت پر قلم اٹھایا اور سانحہ کربلا سے متعلق کئی نئے گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اپنی کتاب کے صفحہ پر ''حضرت حسینؓ اور یزید'' کی سرخی قائم کر کے مولانا محترم یزید پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید ظلم ڈھاتا تھا، شعائر اللہ کی پرواہ نہ کرتا تھا، اسلام کی تضحیک، صحابہؓ کی تحقیر، محدثین کی بے ادبی، اولیاء کی بے حرمتی اس کا دن رات کا معمول تھا۔ توحید و سنت مفقود ہو چکی تھی۔ سنتیں پامال ہو رہی تھیں، ان حالات کو دیکھ کر حضرت حسینؓ نے اس ظالم اور بے دین حکومت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا، لیکن یہ بات بنانے والے لوگوں سے ہم پوچھتے ہیں! آپؓ اگر اس لیے یزید کی بیعت سے گریز کر رہے تھے کہ یزید فاسق و فاجر، ظالم اور بے دین تھا تو پھر آپ نے اس کے فسق و فجور اور ظلم و بے دینی کا اظہار کیوں نہ فرمایا؟ آپ جیسے بہادر اور نڈر کو اظہارِ حقیقت سے کون سا عذر مانع تھا؟

(۱) سیرتِ حسینؓ مع سانحہ کربلا، صفحہ ۲۴۴-۲۴۶

اور بالفرض اگر یزید بے دین اور زندیق تھا تو پھر صحابہ کرامؓ جیسے اصحابِ ایمان وتقویٰ نے اس کی بیعت کیوں کی؟ اگر یزید ایسا ہی مجرم اور سیاہ کار تھا تو پھر محمد بن حنیفہ، حضرت زین العابدین، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اجلہ اصحاب نے اس کی تعریف کیوں کی؟ اور وہ حسینؓ کو یزید کی مخالفت سے کیوں منع فرماتے رہے؟ اور اگر یزید ایسا ہی تھا تو پھر حضرت حسینؓ نے یزید کے پاس جانے کا ارادہ کیوں فرمایا؟ یہ سب باتیں غور کرنے کی ہیں۔ اس لمحۂ فکریہ کا ہم نے تھوڑے لفظی تغیر کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ دوست ان حقائق پر کچھ غور فرمائیں۔ اگر کسی کے پاس ان کے سوالات کا کوئی معقول اور مبنی بر حقیقت جواب ہو تو ہمیں آگاہ فرمائے۔ اگر دلیل میں وزن ہوا اور صحابہ و اہل بیتؓ کی پوزیشن پر کوئی حرف نہ آیا تو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن اگر بات نہ بنی ـــــــ تو پھر ـــــــ؟

ہم متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ حضرت حسینؓ یزید کی بیعت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ یزید کو فاسق، فاجر، زانی اور زندیق جانتے تھے۔ قرائن، شواہد اور حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کا یزید سے اختلاف یہ نہیں تھا جو بتایا جا رہا ہے۔ بلکہ آپؓ کا اختلاف محض فکری اور اجتہادی نوعیت کا تھا، آپؓ باپ کی بیٹے (یعنی امیر معاویہؓ کی یزید) کے لیے نامزدگی سے اختلاف رکھتے تھے، نیز آپؓ اپنے آپ کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، حالات و قرائن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے اور آپ کا خیال تھا کہ خلافت محض ہمارے خاندان کا حق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں آپؓ کا یہ بھی خیال تھا کہ یزید پوری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب نہیں ہوا۔ یہ سب کا خلیفہ بنا ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ لیکن یہ آپؓ کا اپنا نظریہ تھا، اپنی فکر تھی۔

عالی جناب حضرت حسینؓ کے پورے احترام کے ساتھ عرض ہے کہ اس نظریے اور فکر کی واقعات نے تائید کی نہ کسی قابلِ ذکر شخصیت نے حمایت کی۔ یہ حضرت حسینؓ کا اپنا تفرد، اپنے رائے اور اپنا اجتہاد تھا، جس کا جلد ہی آپؓ کو اندازہ ہوگیا۔ یہی تو فرق ہے نبی اور غیر نبی میں۔''(۱)

اسی طرح چند صفحات آگے جاکر ''یزید کا طرزِ عمل'' کی سرخی قائم کرکے ان تمام واہی الزامات کی نفی کردیتے ہیں جو کہ یزید مخالفین اکثر اپنی تحاریر میں امیر یزید اور ان کی حکومت پر عائد کرتے پائے جاتے ہیں۔ مذکورہ سرخی کے ذیل میں مولانا محمد ادریس فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا یزید، حضرت حسینؓ کا احترام بجا لاتا تھا، ان کی عظمت کا معترف تھا، اور ان کی اہمیت کو جانتا تھا۔ اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ حسینؓ میری بیعت سے گریز اختیار کرتے ہیں اور آپؓ ذہناً میرے مخالف ہیں، چنانچہ آپؓ کی اہمیت کے پیشِ نظر جہاں وہ ایک گونہ آپؓ کے بارے میں متشوّش اور غیر مطمئن تھا، وہاں وہ اس قضیے کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کا بھی خواہاں تھا اور آپؓ پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یزید اب علی الاطلاق خلیفۃ المسلمین تھا، تقریباً ۵۶ لاکھ مربع میل پر اس کی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ امیر معاویہؓ کی ذہانت، سیاست اور محنت کی بدولت اسلامی قلمرو کو اس قدر وسعت ملی کہ جس کی مثال نہیں ملتی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں امن و امان برقرار رہا اور شورشیں دب گئیں۔ اور یہ امن و امان کی صورت تا حال بقرار تھی، سب لوگ ایک پرچم تلے جمع تھے، البتہ یزید کو حضرت حسینؓ کی طرف سے خدشہ تھا اور وہ ظاہر ہے کیوں تھا؟ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری مملکت میں کوئی شورش یا ہنگامہ کھڑا ہو اور یہ خواہش ہر حساس اور ذمہ دار حکمران کی ہوتی ہے اور اس میں کوئی برائی

---

(۱) سیرتِ حسینؓ مع سانحہ کربلا، صفحہ ۲۴۴-۲۴۶

بھی نہیں ہے، تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اسے حضرت حسینؓ کی جانب سے برابر تشویش اور پریشانی لاحق تھی۔ کیونکہ آپؓ یزید اور اس کی حکومت کے حق میں نہ تھے۔

مختصر یہ کہ یزید بن معاویہؒ حضرت حسینؓ کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے فکرمند تھا اور بڑا فکرمند۔ سارے حالات اس کے سامنے تھے۔ اسے عالی جناب حسینؓ کا خطرہ نہ تھا بلکہ پورے ملک کا خطرہ تھا۔ حضرت حسینؓ مدینہ میں قیام پذیر تھے، ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ نے یزید کی ہدایت کے بموجب حضرت حسینؓ کو بلایا اور بیعتِ یزید کی بات کی، آپؓ نے اس مسئلہ پر غور وفکر کے لیے مہلت چاہی، ولید نے مہلت دے دی۔ اس سلسلے میں ہمیں ایسی کوئی مستند روایت نہیں ملی کہ جس میں یزید کی حکومت کی طرف سے حضرت حسینؓ پر بیعت کے سلسلے میں تہدید، توبیخ، تذلیل یا تشدد کا ذکر ہو۔"(۱)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی، سابق ڈائریکٹر مرکزی دفتر کراچی، موتمر العالم الاسلامی:

مؤتمر العالم الاسلامی مرکزی دفتر کراچی کے ڈائریکٹر جناب مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب اپنی مشہور تالیف "مختصر تاریخ خلافتِ اسلامیہ" میں یزید بن معاویہؒ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امیر المؤمنین یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

ولادت : سن ۲۶ ہجری

والدہ : بی بی کلابیہ۔ جو حضرت حسین بن علیؓ کی رشتہ میں سالی تھیں۔

نہایت فصیح اللسان مقرر، بہادر مجاہد، دین دار اور نیکو کار تھے۔ دوبار اپنے والد بزرگوار حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے زمانۂ خلافت میں امیر الحج مقرر ہوکر

(۱) سیرتِ حسینؓ مع سانحۂ کربلا صفحہ ۲۵۵-۲۵۶

لوگوں کو حج کرایا۔ سن ۴۸ھ میں جس اولین فوج نے قیصر کے دارالسلطنت شہر قسطنطنیہ پر حملہ اور محاصرہ کیا تھا، اس کے سپہ سالار یزید بن معاویہ تھے۔ اسی فوج میں میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب خالد انصاری بھی شامل تھے۔ یہ فوجی کیمپ ہی میں سن ۴۹ھ میں وفات پا گئے تھے۔ ان کا جنازہ لے کر یزید نے جہاد کیا اور قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی بیرونی دیوار کے بالکل قریب دفن کیا تھا۔ ان کا مزار مقدس اب تک وہاں موجود ہے اور زیارت گاہ عوام ہے۔ ۵۱ہجری میں حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تھا اور اس کے بموجب ۲۲ رجب سن ۶۰ ہجری میں ان کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوئی۔ ساری دنیائے اسلام میں صرف دو اشخاص نے ان کی خلافت کو قبول کرنے سے اختلاف کیا اور آخر دم تک اپنے اختلاف پر قائم رہے۔ ان دو حضرات میں سے ایک حضرت حسین بن علیؓ تھے جنھوں نے سن ۶۱ھ میں عراق پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد کی اور مقام ''الطف'' پر (کربلا میں) بتاریخ یکم محرم (مطابق ۱۰ اکتوبر سن ۶۸۰ء) اپنے ساتھیوں کے ساتھ قتل کردیے گئے۔ دوسرے شخص حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ انھوں نے قتلِ حسینؓ کے بعد مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ اور تیرہ سال بعد بہ زمانہ خلیفہ عبدالملک بن مروان طویل جنگ کے بعد قتل کیے گئے۔ تاریخِ قتل ۷ جمادی الاولی سن ۷۳ہجری منگل کے دن۔ خلیفہ یزید بن معاویہ نے بتاریخ ۱۵ ربیع الاول سن ۶۴ھ بمقال حوران دردِ قولنج سے وفات پائی۔ لوگوں نے ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ معاویہ بن یزید کو جن کی عمر صرف ۱۸ سال تھی اور ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی، خلیفہ بنانے کی کوشش کی مگر انھوں نے انکار کردیا اور گھر میں چھپ گئے۔ جہاں ایک ماہ اور کچھ دن تک بیمار رہ کر وفات پا گئے۔''(۱)

---

(۱) مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ، ص ۱۱۴-۱۱۵

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ:

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا نام علمی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کا شمار علمائے اہلحدیث کے راسخ العقیدہ اور نمائندہ اہل علم میں ہوتا ہے۔ سید مودودی کی خلافت وملوکیت پر بہت سے لوگوں نے نقد لکھا اور جس نے لکھا اس نے عمدہ و مدلل لکھا اور حق ادا کر دیا لیکن جو اعتدال، جو سلجھا ہوا سنجیدہ لہجہ اور جو زور استدلال حافظ صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت'' میں دیکھنے کو ملتا ہے وہ شائد ہی کسی اور کتاب میں نظر آئے۔ حافظ صاحب کی ہر کتاب کا یہی حال ہے۔ بعض کتب جو سرورق کی سرخی دیکھنے سے بہت خشک محسوس ہوتی ہیں جیسے ''عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین'' یا ''واقعہ معراج اور اس کے مشاہدات'' یا پھر ''مسئلہ رویت ہلال اور بارہ اسلامی مہینے'' وغیرہ لیکن جب انھیں پڑھنے بیٹھو تو اس قدر جاذب پیرائے میں مضامین کا بیان پڑھنے کو ملتا ہے کہ انسان کتاب مکمل کیے بنا رہ ہی نہیں پاتا۔ وہ کون سا موضوع ہوگا جس پر حافظ صاحب نے امت کی رہنمائی نہ کی ہو۔ حافظ صاحب نے لمبی چوڑی ضخیم کتابیں لکھنے سے بہتر سمجھا کہ عوام الناس کے ذہنی رجحان و مطالعاتی میلان کو مد نظر رکھتے ہوئے مختصر لیکن جامع تحاریر ہدیہ قارئین کی جائیں تاکہ لوگوں کو دین کی بنیادی وضروری تعلیم حاصل کرنے میں آسانی رہے۔ واقعہ کربلا کے موضوع پر حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی کتاب رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا علمی حلقوں میں نہایت معروف ہے۔ حافظ صاحب کی یہ کتاب بلاشبہ اس موضوع پر نہایت جامع، مختصر اور اعتدال پر مبنی تحاریر میں سے ایک ہے۔ دراصل یہ کتاب حافظ صاحب کے چند مضامین کا مجموعہ ہے جو کہ مختلف اوقات میں ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں رسومات محرم الحرام اور واقعہ کربلا کے نام سے ادارہ دارالسلام نے شائع کیا ہے۔

اپنی اس کتاب میں حافظ صاحب واقعہ کربلا سے متعلق مباحث کی ابتدا کرتے ہوئے

اہل سنت کے غور وفکر کے لیے چند باتیں کے عنوان کی سرخی قائم کرتے ہوئے چند ذیلی سرخیوں میں کافی عالمانہ اور کلامیہ مباحث سامنے رکھتے ہیں۔ اور سب سے پہلی ذیلی سرخی کیا یہ معرکہ حق و باطل کا تھا یا عام معمول کے مطابق ایک حادثہ؟ کے تحت عنوان قائم کرتے ہوئے بہت ہی معتدل اور نپی تلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کیا یہ معرکہ (معرکۂ کربلا)، حق و باطل کا تھا یا عام معمول کے مطابق ایک حادثہ؟

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اہل سنت کے خطباء اور وعاظ فلسفۂ شہادتِ حسینؓ کو بالعموم اس طرح بیان کرتے ہیں جو خالصتاً شیعی اندازِ فکر اور رافضی آئیڈیالوجی کا مظہر ہوتا ہے اور اس متعلق یہ باور کروایا جاتا ہے کہ یہ تاریخ اسلام میں حق و باطل کا سب سے بڑا معرکہ تھا۔ یہ واعظینِ خوش بیان یہ نہیں سوچتے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس دورِ خیر القرون میں جب کہ صحابۂ کرامؓ کی بھی ایک معتد بہ جماعت موجود تھی اور ان کے فیض یافتگان تابعین تو بکثرت تھے، اس معرکے میں حضرت حسینؓ ہی اکیلے کیوں صف آراء ہوتے؟ معرکہ ہوتا حق و باطل اور کفر واسلام کا اور صحابہ و تابعین اس سے نہ صرف یہ کہ الگ رہتے بلکہ حضرت حسینؓ کو بھی اس سے روکتے، کیا ایسا ممکن تھا؟

شیعی آئیڈیالوجی تو یہی ہے کہ وہ (معاذاللہ) صحابہ کرامؓ کے کفرو ارتداد اور منافقت کے قائل ہیں اور وہ یہی کہیں گے کہ ہاں اس معرکۂ کفر و اسلام میں ایک طرف حضرت حسینؓ تھے اور دوسری طرف صحابہ سمیت یزید اور دیگران کے تمام حمایتی، صحابہ و تابعین اس جنگ میں خاموش تماشائی بنے رہے اور حسینؓ نے اسلام کو بچانے کے لیے جان کی بازی لگا دی۔

لیکن کیا اہل سنت اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرلیں گے؟

کیا صحابہ و تابعین کی اس بے غیرتی و بے حمیتی کی وہ تصدیق کریں گے جو شیعی

اندازِ فکر کا منطقی نتیجہ ہے؟

کیا صحابہ نعوذ باللہ بے غیرت تھے؟ ان میں دینی حمیت اور دین کو بچانے کا جذبہ نہیں تھا؟

یقیناً کوئی اہل سنت صحابہ کرامؓ کے متعلق اس قسم کا عقیدہ نہیں رکھتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بڑی تلخ ہے کہ اہل سنت شہادتِ حسینؓ کا جو فلسفہ بیان کرتے ہیں وہ اسی تال سر سے ترتیب پاتا ہے جو شیعیت کا مخصوص راگ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سانحۂ کربلا کو معرکۂ حق و باطل باور کرانے سے صحابہ کرامؓ کی عظمت و کردار اور ان کی دینی حمیت مجروح ہوتی ہے اور شیعوں کا مقصد بھی یہی ہے لیکن یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ واقعہ ایسا ہے یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کا تصادم نہیں تھا، یہ کفر و اسلام کا معرکہ نہیں تھا، یہ اسلامی جہاد نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس راہ میں حضرت حسینؓ اکیلے نہ ہوتے، ان صحابہ کرامؓ کا تعاون بھی انھیں حاصل ہوتا جن کی پوری عمریں اعلائے کلمۃ اللہ میں گزریں جو ہمہ وقت باطل کے لیے شمشیرِ برہنہ اور کفر و ارتداد کے لیے خدائی للکار تھے۔ یہ تصادم دراصل ایک سیاسی نوعیت کا تھا۔"(۱)

اسی کتاب میں آگے جا کر حافظ صاحب واقعہ کربلا کی صحیح صورتِ حال مختصر طور پر مستند ماخذ سے بیان فرماتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ آخر میں سیدنا حسینؓ اپنے خروج کے موقف سے رجوع کرتے ہوئے امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو کہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ سیدنا حسینؓ کی نظروں میں یزید بن معاویہ کوئی فاسق و فاجر حکمران نہیں تھا ورنہ وہ کبھی اس کی بیعت کو تیار نہ ہوتے۔ بلکہ انھوں نے جو اقدام کیا وہ کوفیوں کے آمادہ کرنے اور ان کی پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے تحت کیا جس سے انھوں نے آخری وقت میں حقیقت حال واضح ہو جانے پر رجوع کر کے یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کر دی

---

(۱) صفحہ/۲۵-۲۶

اور اس کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا۔

درحقیقت حافظ صلاح الدین یوسف کی یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی ان چند کتب میں سے ایک ہیں جو کہ واقعہ کربلا جیسے نا گفتہ بہ اور حساس موضوع پر نہایت احتیاط کے ساتھ درست منہج قارئین کے سامنے رکھتے ہوئے بلا کسی افراط وتفریط کے اس خارزار راہ سے باسلامت گزر جاتی ہے۔ واقعہ کربلا سے متعلق دلچسپی رکھنے والے حضرات کو اس کتاب کا مطالعہ صرف ایک دفعہ غیر جانبداری سے بالضرور کرنا چاہیے۔امید ہے کہ وہ اس بابت کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی:

علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' اپنے موضوع پر نہایت مدلل، جامع، غیر جانبدار اور منطقی کتاب مانی جاتی ہے۔اس کتاب میں علامہ موصوف نے نہایت علمی اسلوب اختیار کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ وحسینؓ کی تعظیم وتجلیل، خلافتِ یزید کی شرعی وتاریخی حیثیت، یزید کے فسق و فجور کی تردید اور اس کے قتلِ حسینؓ سے بری الذمہ ہونے، نیز شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد دست در دست یزید کی حسینی پیش کش سمیت متعدد اہم حقائق و انکشافات رقم کیے ہیں۔کتاب کے صفحہ/۲۶۷ سیدنا حسینؓ کا ابن زیاد کے سامنے تین شرائط رکھنے کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

> ''یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اس کا نتیجہ (وقت کے تمام دستیاب قرائن و شواہد کی بنا پر) سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرے اور ہر ممکن طریقے سے اس بات کی کوشش کرے کہ آپ کی اس کے ساتھ کشیدگی جاتی رہے۔ وہ

کیا شکل ہوتی؟ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت معاویہؓ کی وصیت کے مطابق انھی کے نقشِ قدم پر ''صلح حسنؓ'' جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسینؓ کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا۔ مگر قیاس و گمان کے تمام تقاضوں کے برعکس ابن زیاد کو آپ کی پیش کش قبول نہ ہوئی اور المیۂ کربلا جو کاتبِ تقدیر کے ہاتھ سے رقم ہو چکا تھا وہ وجود میں آ کر رہا۔''(۱)

اسی طرح آگے جا کر ''ظلم کی ذمہ داری کس پر؟'' کی سرخی قائم کر کے علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں:

''تاریخی شہادتوں کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ کسی بھی طرح اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس خونِ ناحق کی ذمہ داری یزید پر ڈالی جائے، یزید نے بے شک ابن زیاد کے سپرد یہ بھی کیا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے نپٹے اور کوفے میں ان کو آزادانہ داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد اگر یہ بات پیش نہ آ گئی ہوتی کہ حضرت حسینؓ نے اس مہم سے قطعی دستبرداری ظاہر کر کے جس کے لیے وہ مکے سے نکلے تھے، یزید کے پاس جانے اور اپنا فیصلہ اس کے ہاتھ میں رکھ دینے کی پیش کش کر دی، تب بے شک ابن زیاد کے حکم سے کی جانے والی جنگی کاروائی کی اصل ذمہ داری یزید ہی پر آتی، مگر اس کامل طور تبدیل شدہ صورت میں ابن زیاد نے یزید سے رجوع کیے بغیر اور کارروائی کے افسرِ اعلیٰ عمر بن سعد کے مشورے کے بھی برخلاف جو قتل و قتال کی کارروائی کرائی اس کی ذمہ داری یزید پر ڈالنا ایک زیادتی ہی کی بات ہوگی۔ ہاں اگر وہ اس کارروائی سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا تو پھر ضرور حق تھا کہ اسی کو اصل ذمہ دار قرار دیا جائے، مگر اس بارے میں ہم گذشتہ باب میں مختلف روایتوں کا جائزہ لے کر

---

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر صفحہ/۲۶۷۔۲۶۸

دیکھ چکے ہیں کہ ذمہ داری کے ساتھ ایسی بات یزید کی طرف منسوب کرنے کی گنجائش نہیں ہے بلکہ متعدد قرائن وشواہد کی روشنی میں پلڑا ان روایتوں کا بھاری نظر آتا ہے جو اس واقعہ پر یزید کی نارضامندی اور ناخوشی ظاہر کرتی ہیں۔''(۱)

عموماً امیر یزید پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے چلو مانا کہ یزید قتلِ حسینؓ سے راضی نہ تھا لیکن جو لوگ اس قتل میں یزید کی رضامندی کے بغیر شامل تھے آخر یزید نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہ کی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب رقم طراز ہیں:

یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہوتی، مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لیے کہ نارضامندی اور سزا دہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے اور اس کی کیسی قابل لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں بلکہ ان کے نہایت خاص معتمدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلان عثمانؓ کے سرکردہ شمار کیے جاتے تھے اور خود حضرت علیؓ کو اس الزام سے انکار نہ تھا، مگر اس مطالبہ کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا ورثا عثمانؓ کے سپرد کیا جائے، حضرت علیؓ کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے، اصولاً حضرت علیؓ کو مطالبہ سے اتفاق بھی تھا، پھر بھی مصالح وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپ اس پر عملدرآمد نہیں کر سکتے تھے۔ تو اب اگر ہم یزید کے لیے کوئی جداگانہ اصول نہیں بناتے ہیں، تب بڑی آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں کہ:

---

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر صفحہ ۲۷۳

جس ابن زیاد نے یزید کے ہاتھ سے نکلتے ہوئے عراق کو نہ صرف روک لیا تھا
بلکہ جو طوفان وہاں یزید کے خلاف تیار ہو رہا تھا، اس کا رخ اس نے تمام تر
حسینؓ کے خلاف موڑ کے دکھا دیا، یزید کے لیے کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر قلم
کرنے کی بات سوچے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کوئی مطالبہ کسی طرف سے
ایسا نہیں ہے؟ اور مزید برآں! ایسی حالت میں اس کے ذہن پر اس قسم کا کوئی
تقاضہ بھی بظاہر نہیں ہوسکتا تھا؟''(۱)

المختصر علامہ محمود احمد عباسیؒ کے کئی معاصر علما نے تعدیلِ یزید کا نظریہ نہ صرف پیش کیا بلکہ اس کی پُرزور تبلیغ و اشاعت بھی کی۔ ان علمائے کرام کے علاوہ اور کئی علمائے کرام جو کہ علامہ محمود احمد عباسیؒ کے معاصر رہ چکے ہیں، نے تعدیلِ یزید پر بہت کچھ لکھ رکھا ہے جس کو طوالت کے خوف سے ہم نقل نہیں کر رہے۔

ان تمام گزارشات کے ذیل میں ضرورت محسوس ہوئی کہ علامہ محمود احمد عباسی صاحب کی اس کتاب کی از سرِ نو کمپوزنگ کروا کر دوبارہ طباعت کا بندوبست کیا جائے۔ اس وقت مارکیٹ میں یہ کتاب بآسانی دستیاب نہیں اور جو تھوڑی بہت مشکل سے دستیاب ہوتی بھی ہیں تو اُن کی کتابت پرانے طرز کی ہے جس کو موجودہ زمانے میں پڑھنے والے اکثر لوگ مطالعہ کے لیے مشکل پاتے ہیں۔ اسی سوچ کے ساتھ عباسی صاحب کی اس معرکۃ الآرا کتاب کا نیا و جدید ایڈیشن تیار کر کے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ اس ایڈیشن کی تیاری میں ہم کتاب کے کاتب شاہ فیض الوقار صاحب کے خصوصی طور پر ممنون ہیں جنھوں نے وقت نکال کر کتاب ہذا کی نہ صرف بہترین انداز میں از سرِ نو کتابت کی بلکہ حوالہ جات کی تصحیح و مراجعت کا کام بھی اپنے ذمہ لے کر نہایت دقتِ نظری اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ ساتھ ہی ہم اپنے ہردلعزیز دوست محمد صہیب نذیر کے بھی شکر گزار ہیں جن کی مدد اور تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا ناممکن تھا۔

---

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر صفحہ ۲۷۵-۲۷۶

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ اگر دورانِ مطالعہ وہ کتاب میں کوئی نقص یا کتابت کی غلطی پائیں تو مطلع فرمائیں۔ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر غلطی کی تصحیح و اصلاح کی پوری کوشش کی جائے گی۔

محمد فہد حارث

۱۶-اکتوبر ۲۰۱۸ء

تبصرہ

از: محدث جلیل مولانا عبدالوھاب آروی، سابق صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس
(متوفی ۱۹۸۳ء)

ایک طرف تو وہ مکتبِ خیال تھا جو حضرت علیؓ اور ان کے محترم صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے ہمدردی اور اس میں انتہائی غلو کے پیشِ نظر جھوٹی حدیثیں اور تاریخی روایات گھڑنے سے بھی باز نہیں آیا۔ دوسری طرف اہل سنت والجماعت کے وہ اکابر علما تھے جو احقاقِ حق اور باطل کا ابطال کرتے رہے۔ اب سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے شیخ عبدالمغیث حنبلی نے امیر یزیدؒ کے حسنِ سیرت اور اوصاف کے متعلق ایک مفصل کتاب ''فضل یزید'' کے نام سے لکھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالی نے فتویٰ دیا کہ امیر یزید صحیح العقیدہ مسلمان تھے اور ان کے لیے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنا مستحب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے بھی اپنی مشہور تالیف ''منھاج السنۃ'' میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی حدیث سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزید کی منقبت ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کی معرکۃ الآرا کتاب ''ازالۃ الخفاء'' اس باب میں بہت ہی مفید اور جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے ''خلافتِ معاویہ و یزید'' کے فاضل مؤلف مولانا محمود احمد صاحب عباسی کو نوازے، جنھوں نے تاریخِ اسلامی کے ان جواہر پاروں کو تحقیق و ریسرچ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اس نادر علمی اور تاریخی کتاب کے مطالعہ سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزید کا صحیح مقام اور چوتھے خلیفہ

راشد حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور خاندانِ بنو ہاشم و بنو امیہ کے نامور افراد کے مستند حالات اور ان کے باہمی خوش گوار تعلقات اور جنگ جمل و صفین اور کربلا کے اسباب و واقعات معلوم ہوں گے اور سیاسی مناقشات و مصالح کے پیشِ نظر امیر معاویہؓ اور امیر یزید کے مخالف کیمپ سے جو مذموم اتہامات اور غلط الزامات لگائے جاتے ہیں، ان کا تشفی بخش اور مسکت جواب دیا جا سکے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ عباسی صاحب کی ہر تحقیق (ریسرچ) صحیح ہی ہو اور اس کتاب میں شروع سے آخر تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کا سب حرفِ آخر کی ہی حیثیت رکھتا ہو۔"(۱)

---

(۱) تقریظ و تبصرہ از مولانا عبدالوهاب آروی، دہلی مؤرخہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۹ء

تبصرہ از مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

مؤلفہ: جناب محمود احمد صاحب عباسی

تقطیع: ۲۰×۳۰/۱۶، صفحات ۳۸۰، قیمت مجلد مع گرد پوش: ٦ روپے

ناشر: جناب محمود احمد صاحب عباسی۔ کاشانۂ محمود، ۲٦/۱، بی ایریا لالوکھیت کراچی نمبر ۹۔

ہر قوم، جماعت اور خاندان میں نظریاتی، واقعاتی اور کچھ طبائع کے فطری تفاوت کے باعث تھوڑے بہت اختلافات ضروری ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے اختلافات اسلام سے قبل قریش کی دو شاخوں ہاشمیوں اور امویوں میں بھی تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے بھی وہ باعتبار نسب، قرشی اور بلحاظ ملت (حسب دعوائے خود) ابراہیمی تھے۔ اسلام کے بعد سارے مسلمانوں کی جب ایک برادری ـــــ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برادری ـــــ وجود میں آ گئی۔ اس وقت بھی بعض معاملات میں کبھی اسی نوع کا اختلاف رائے ہو جاتا تھا۔ ان اختلافات کے باوجود سب کلمہ واحدہ پر متفق تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، قرآن سے شغف، دشمنانِ اسلام سے مقابلہ، قرآن و حدیث کی تعلیم و اشاعت، تبلیغ اور ان کے عملی نفاذ میں سب متحد الخیال والعمل تھے۔

یہ درست ہے کہ دورِ اوّل کے آخری دنوں میں بعض نزاع خون ریزی کی حد تک پہنچ

گئے تھے، لیکن اس نزاع کا اموی، ہاشمی یا قبائلی عصبیت و چپقلش سے کچھ تعلق نہ تھا، جو درحقیقت چند یہودیوں اور ایرانیوں کی کارستانی تھی جو میدانِ جنگ میں شکست کھا کر اس کا انتقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر لینا چاہتے تھے۔

اس سازش کی ابتدا سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی۔ بعدہٗ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادتیں وقوع میں آئیں (۱) اور حادثہ کربلا پر اس سازش کا پہلا دور ختم ہو گیا۔

اب اس سازشی عنصر نے دوسرا طرز اختیار کیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور سیدنا مرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادتوں کی اہمیت کم کرنے کے لیے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حادثہ شہادت کو خوب خوب اچھالا گیا اور پروپیگنڈے کے زور سے سادہ لوحوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، اہلِ بیت و غیر اہلِ بیت یا اموی و ہاشمی دو دھڑوں میں منقسم تھے۔ اس سلسلے میں عجیب عجیب افسانہ طرازیاں کی گئیں۔ عام طور پر رائی کو پہاڑ بنا دیا گیا۔ ناگزیر اور طبعی حوادث میں رنگ آمیزیاں کر کے جذباتِ انسانی کے لیے حادثہ کربلا کو اپیلنگ بنایا گیا۔

ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ سابق الذکر تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی دردناک شہادت پر کوئی مستقل کتاب آپ کو نہیں ملے گی۔ لیکن سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت فاجعہ پر بیسیوں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ جن کا اکثر حصہ پروپیگنڈے اور بے سروپا "تاریخی" روایات پر مشتمل ہے اور بجائے اس کے کہ اس ثابت شدہ تاریخی حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا جاتا کہ اسلام کے دشمنوں کی سازش سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ شہادت وقوع میں آیا، اس کو خواہ مخواہ مسلمانوں کے داخلی جھگڑے کا نتیجہ قرار دے دیا گیا۔

اس قسم کی ایک سطحی سی کتاب، پچھلے چند سالوں میں "الحسین" کے نام سے مصر سے شائع ہوئی تھی۔ جس کا صرف تجارتی نقطۂ نظر سے ترجمہ "مکتبہ جدید لاہور" نے چھاپ دیا۔

---

(۱) دیکھیے: فتح الباری، ص ۷۴۸، ج ۶، طبع دہلی وغیرہ۔

اس کتاب پر ماہنامہ ''تذکرہ'' کراچی نے بے لاگ تبصرہ کیا جو کسی صاحب کو ناگوار گزرا۔ اس سے بات چل نکلی تو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے ماہنامہ مذکور میں ''الحسین پر تبصرہ'' کے عنوان سے ایک طویل، لیکن پرمغز اور مدلل مقالہ شائع کرا دیا۔

زیرِ نظر کتاب اسی طویل مقالے کی مزید حک و اضافہ اور نظر ثانی کے بعد کتابی صورت ہے صفحہ ۴ تا ۵ مؤلف کا پیش لفظ ہے۔ اس کے بعد مولوی علی احمد صاحب عباسی (علیگ) کا تعارف (۱) جو بجا طور پر خیر الکلام ما قل و دل کا مصداق ہے۔

باقی علمی باتوں کے علاوہ علیگ صاحب کی یہ بات حقیقت واقعیہ کی کیسی سچی ترجمانی ہے:

> ''امت پر اللہ کا دوسرا فضل یہ ہے کہ اگر ان کے مابین کوئی اختلافی مسئلہ پیدا ہو جائے اور اس میں شدت رونما ہو، حتیٰ کہ تکفیر کے تیر چلنے لگیں یا شمشیریں بے نیام ہو جائیں، تب بھی وہ اختلاف قائم نہیں رکھتے، وقت گزرنے پر وجہ تطبیق نکال لی جاتی ہے اور قضیہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اسلاف کرام کی عظمت و حرمت بحال ہو جاتی ہے۔ اور کاروانِ ملت پھر شاہراہِ ترقی پر رواں دواں ہو جاتا ہے۔ امت کا یہ شعار آج تک قائم ہے اور اسی وجہ سے اس میں شدید فرقہ بازی کے رجحانات سر نہیں اٹھا سکتے۔ اہل فکر و نظر نے ہمیشہ ان لوگوں کو دین و ملت کا بدخواہ سمجھا ہے، جو سلف صالحین کے اجتہادی یا سیاسی اختلاف کو فرقہ بازی کا ذریعہ بنا کر ان پر زبان طعن دراز کریں۔''(۲)

اس قیمتی ''تعارف'' کے بعد جناب تمنا عمادی صاحب کا آٹھ صفحہ کا سطحی سا ''مقدمہ'' ہے۔ جس کی پیش لفظ اور تعارف کے بعد کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ کتاب میں تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ''عداوت'' کا قصہ پارینہ زیادہ تر داستان سرائی کا مرہونِ منّت ہے۔ دونوں خاندانوں کے آپس میں رشتہ داریوں کے تعلق

---

(۱) صفحہ ۱۵-۲۴۔ (۲) ص ۲۱۔

ہمیشہ قائم رہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ سب قاتلین بنو امیہ کی ''تاریخ سازی'' کا کیا دھرا ہے۔

جناب مؤلف مشاجراتِ صحابہ کے تقریباً سب ہی واقعات زیر بحث لائے ہیں، بعض مندرجات سے تو اتفاق مشکل ہے، تاہم اس امر کے ثابت کرنے میں وہ کامیاب ہیں کہ حادثہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد کے حوادث ایک سازشی عنصر کے پیدا کردہ تھے۔

حادثہ کربلا کے متعلق مؤلف کی تحقیق یہ ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بلاشبہ مظلوم شہید ہوئے، لیکن تاریخی شواہد اس شہادت کے لیے ''راہِ حق کی شہادت'' کا ثبوت مہیا نہیں کرتے۔ مؤلف کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف ''امیر'' ہی نہیں، بلکہ ''خلیفہ'' تھے۔ ایسے ہی یزید کی امارت کو جائز تصور کرتے ہیں۔ تاہم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف روانگی میں معذور تصور کرتے ہوئے حضرت سید کے درجہ شہادت پر فائز ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے اس نازک اور اہم موضوع پر خوب محنت کی ہے۔ سینکڑوں کتابوں کو کھنگالا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔ واقعات کربلا اور اس کے متعلقات و پس منظر پر جو لٹریچر اردو میں اب تک شائع ہوتا رہا ہے، اس کے اکثر حصے میں ایک ہی رخ دکھایا گیا جو بنو امیہ کے مثالب و معائب اور اہلِ بیت کرام علیہم السلام کی مظلومیت کے افسانوں پر مشتمل ہے۔

کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' نے بڑی سنجیدگی اور کافی حد تک علمی طریقے سے دوسرا رخ پیش کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا بھی مطالعہ کر کے معتدل طریقے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے، تا کہ حادثہ کربلا کی آڑ میں مسلمانوں میں باہمی مناقشات کی خلیج کو وسیع کرنے جو کوششیں بعض حلقوں کی طرف سے کی جا رہی ہیں، اس کو پاٹا جا سکے۔ ''معتدل'' ہم نے اس لیے کہا ہے کہ تحقیق کی سعی محمود کے باوجود یہ کتاب غلو کے مقابلے میں غلو سے خالی نہیں بنو امیہ اور یزید کی طرف سے صفائی اور مداخلت کے جوش میں بعض جگہ مصنف تحقیقی سطح سے

نیچے اترتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

☆ ابتدائے کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی عبارتوں سے جو تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے، وہ نہ صاحب ''منہاج السنہ'' و مؤلف ''ازالۃ الخفاء'' کا منشا ہے نہ ہی اہل سنت کے پسندیدہ مسلک سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔

☆ ''ازالۃ الخفاء'' ص ۲۷۹، جلد ۲ کی عبارت کا ابتدائی حصہ ترک کر دیا گیا،(۱) ایسے ہی ''الاصابہ'' کی عبارت کے بعض ضروری حصے چھوڑ دیئے گئے۔(۲)

☆ ص ۵ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پایہ تخت منتقل کرنے سے متعلق بحث میں الجھاؤ ہے۔(۳)

☆ عربی عبارتوں اور تراجم کے بعض تشریحی توسیں شان تحقیق کے مطابق نہیں۔(۴)

☆ عمر بن سعد کو صغارِ صحابہ سے ثابت کرنے کے لیے ایک شاذ قول کی بنا پر صحیحین کی حدیث کو مسترد کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔(۵) لطف یہ کہ ''الاصابہ'' کے اسی صفحہ پر صحیحین کی حدیث کی بنا پر اس شاذ قول کو رد کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ الاصابہ کی عبارت کے اس حصے کو چھوڑ کر صحیح و ثابت شدہ حدیث کی تردید کے درپے ہو گئے۔ یہ بڑی جسارت ہے!

☆ ''الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکا'' (الحدیث) سنن اربعہ کی ایک مشہور اور قابل اعتماد حدیث ہے۔ امام ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی ہے(۶) تو امام ابن حبان نے تصحیح۔(۷) مگر مصنف خواہ مخواہ اس کو موضوع بنانے پر تل گئے

---

(۱) ص ۳۔
(۲) ص ۲۰۰، ص ۲۱۷۔
(۳) ص ۷۶۔
(۴) ۴۴ وغیرہ۔
(۵) ص ۲۱۷۔
(۶) ص ۴۵، جلد ۲۔
(۷) فتح الباری، ص ۲۲۹، جلد ۶، طبع ہند۔

جس میں کئی ٹھوکریں کھائیں۔ اس کے راوی حشرج کو سب ائمہ کے نزدیک ضعیف دکھایا گیا۔ حالانکہ اس کی توثیق کرنے والے بھی بہت سے محدثین موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا معتدل قول صدوق یھم تقریب میں ہے۔ ایسے راوی کی روایت کو کبھی بھی موضوع نہیں کہا جا سکتا۔

حشرج اس میں منفرد نہیں، دوسرے بعض قابل حجت راوی بھی روایت کرتے ہیں، مؤلف نے احتمال پیدا کیا ہے کہ سعید بن جمحان کی ملاقات حضرت سفینہ سے شاید نہ ہو سکی ہو، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کی ملاقات ثابت کرتے ہیں۔ (۱)

اس حدیث اور حدیث اثنا عشر خلیفہ میں تطبیق کا طریقہ موجود ہے، (۲) پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

مؤلف، منکرین حدیث کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے اور دھڑلے سے لکھ مارا کہ ان جریر طبری کا مسلکاً شیعہ ہونا اب مختلف فیہ نہیں رہا، (۳) حالانکہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بھی مستند عالم نے شیعہ نہیں لکھا، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے مباحث میں جو امتیاز حاصل ہے وہ مخفی نہیں، لیکن وہ امام ابن جریر کو فقہائے اہل سنت سے شمار کرتے ہیں، (۴) اسی طرح دوسرے علمائے تراجم و تواریخ بھی۔ ہر قسم کی روایات جمع کر لینے کے جرم میں انھیں شیعہ نہیں بنایا جا سکتا۔ جمع و تدوین اس دور کی تصانیف کی ایک خصوصیت ہے۔ ہم لوگوں کو امام طبری جیسے وسیع النظر متقدم مؤرخین کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کی بدولت تیار شدہ مواد مل جاتا ہے، ورنہ تحقیق کی شمع کیسے جلائی جا سکتی تھی۔

یزید کی ''مدح سرائی'' تو بہت کی گئی، مگر فتنہ حرہ کا مبحث کتاب میں بالکل تشنہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس کا حل ہے بھی مشکل۔ یزید کے بارے میں معتدل رائے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ہے:

---

(۱) تاریخ صغیر، ص ۷۹۔ (۲) فتح الباری وغیرہ

(۳) صفحہ ۳۳۳۔ (۴) منہاج، ص ۱۴۲، جلد ۳ وغیرہ

"الحق فیہ انہ کان ملکا من ملوك المسلمین لہ حسنات ولہ سیئات و القول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوك لا نحبہ ولا نسبہ۔"(۱)

اس قسم کی بعض فروگزاشتیں کتاب میں اور بھی ہیں۔

مگر متعدد مباحث بہت قیمتی ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت دین کی بڑی خدمت ہے۔ یہ چند گزارشات مؤلف کی تحقیق پسند طبیعت سے تعلق خاطر کی وجہ سے کی گئی ہیں۔ امید ہے آئندہ اشاعت میں ان کو سامنے رکھیں گے، نیز طباعت میں اب سے بہتری کا خیال رکھا جائے گا۔ واللہ الموفق وھو الھادی الی سبیل الرشاد۔(۲)

نوٹ: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تبصرہ دراصل اس کتاب کی اشاعت نو کا محرک بنا جیسا کہ تبصرہ کے آخری اقتباس میں علامہ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی اشاعت کو دین کی بڑی خدمت قرار دیا اور ساتھ ہی یہ خواہش سامنے رکھی کہ آئندہ اشاعت میں کتاب کی طباعت کو بہتر بنایا جائے۔ جیسا کہ ہم نے ''تقدیم'' میں صراحت بھی کر دی ہے کہ مارکیٹ میں اس وقت کتاب کے جو نسخے دستیاب ہیں ان کی کتابت پرانے طرز کی ہے جس کو موجودہ دور کے قارئین کے لیے پڑھنا کسی قدر دشوار ہوتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر کتاب کی اشاعت نو کی جا رہی ہے۔

یہاں ہم یہ بات واضح کر دیں کہ اس کتاب پر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) مجموعہ فتاوی مصریہ، ص ۲۰۱

(۲) رحیق: جون و جولائی ۱۹۵۹ء، آثار حنیف بھوجیانی، جلد چہارم، صفحہ ۲۵۲-۲۵۶۔

کے اس تبصرے کے بیشتر مندرجات سے ہم خود کو متفق پاتے ہیں اور ہماری طرف سے اس کتاب کی اشاعت صرف ایک علمی کتاب کی بازیافتی کے ضمن میں کی جارہی ہے۔کتاب کے تمام مندرجات سے نہ ہم متفق ہیں اور نہ ہی اس پر آنکھیں بند کر کے یقین لانے کے مدعی۔ تاہم اس کتاب میں کئی ایک اہم تاریخی حقائق کو مدلل کر کے پیش کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت کو اس قابل بنا دیا ہے کہ اس کی اشاعت نو کر کے اس کو ہدیہ قارئین کیا جائے۔ اس لیے کتاب کے مندرجات سے ناشر کا کلی طور پر متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

عرض مؤلف

(طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بینچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کردیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی۔ پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اُتروا لیے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں، کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے ''تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ''۔ مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بدمعاملگی سے وہ سب چربے ضائع ہوگئے۔ چھپائی بھی ناقص رہی، کاغذ بھی خراب لگا۔ بایں ہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔

اب اس چوتھے ایڈیشن کے لیے قدرے بڑے سائز پر کتابت از سرِ نو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے۔ شائقین کو انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد ''تحقیق مزید'' شائع ہوگئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض اُن واقعات و حالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں۔

اس کتاب میں بھی ''توضیحات'' کے عنوان سے بعض ضروری مطالب کا اضافہ ہے۔ یہ دونوں جلدیں ''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' اور ''تحقیق مزید'' مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیقی

(ریسرچ) کی ہیں۔ ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رُخ بھی پیش کر دیئے ہیں جو اب تک مخفی اور اوجھل تھے یا اوجھل رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اسی طرح کی ریسرچ ہوتی رہے گی۔ غلط تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دے گا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں اُبھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقا کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی وتحقیقات کا تقاضا ہے۔ تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزا اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قران کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جاسکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب وتردید اور صحیح وقوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے ـــــ بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سبّ وشتم ـــــ ہم اس کی قدر کریں گے۔

تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا واجبی مقام حاصل کرلیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیرِ ادارت شائع ہوتا ہے۔ اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

> "آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور اُن کی شہرہ آفاق تصنیف خلافت معاویہؓ و یزیدؒ سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی

شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہوگئی کہ اس کی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لیے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اُس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بے قدری ہے۔ پھر اس بے قدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اس کی قباحت دو چند ہو جاتی ہے۔ لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کرکے اپنا مقام اب تسلیم کرالیا ہے۔

''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ میثاق کے قارئین جانتے ہوں گے یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبان سے سنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ من وعن صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کے بیان میں بہت سی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ عباسی صاحب نے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر رکھ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح کردی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہایت وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کردیا ہے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں تھے جتنے نادر سمجھ کر ان کے مخالفین نے درجنوں کتابیں ان کے خلاف تصنیف کرڈالی ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیّہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کیے ہیں اور اُن پر دلائل کا اس قدر انبار لگا دیا ہے کہ انھیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ اُردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے

نقطہ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاک دامنی اور حضرت حسینؓ کے مؤقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کے لیے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں حتیٰ کہ اگر انھوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انھوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو اُن کے تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اُتر سکی ہو۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا اونچا معیار تحقیق ہی ہے۔ عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سُراغ لگا لیا ہے جن کے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا مؤجب بنی ہیں۔

ان کی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن سائب الکلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹّر رافضی، کذّاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت کو پہلے ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اُس کے لیے ممکن نہیں۔

زیر نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہؓ و یزیدؒ ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اُٹھائی ہیں۔ انھوں نے نبی ﷺ کی پانچ ازواج مطہرات کے علاوہ پونے تین سو صحابہؓ (جن

میں اصحاب عشرہ مبشرہ و بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے) کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولی عہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے مؤقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کے لیے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں کہ یا تو وہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اس کے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح مؤقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔

عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ (۶۶) خروج بیان کیے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اُٹھیں تو اُن کے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ اُن کے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر اُن سے متفق تھے۔

اس کتاب میں بے شمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالب علموں کے لیے یقیناً تعجب خیز ہوں گے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی کریم ﷺ نوجوان تھے۔ ابو طالب کا آپ ﷺ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت

حسینؓ کی ازواج میں شہربانو نامی کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔''

(ماہنامہ میثاق لاہور۔مئی ۱۹۶۲ء)

کاشانۂ محمود
محمود احمد عباسی
لیاقت آباد۔کراچی
۱۰رمئی ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مؤلف

(طبع سوم)

سب سے پہلے یعنی ابتدائی ایڈیشن اس کتاب کا مئی ۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا جولائی میں۔ کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا۔ پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اُموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مؤرخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں جن پر صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے تھے، اس نوعیت سے تحقیق اور ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔

بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

''کتاب مجادلہ کیا معنی مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقائد کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف

ہونے کے باعث تلخ و ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہر حال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جاسکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح ونقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنّی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر۔"(۱)

تاریخی تحقیق و ریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے بلاشبہ اُن افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور بمرور زمانہ قوم وملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور تو ہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔

مفکر اسلام ڈاکٹر اقبالؒ نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی قسم کی مخترعات کو "خرافات" سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

تمدن تصوف شریعت کلام | بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی | یہ اُمت روایات میں کھو گئی

مجاہدِ اعظم کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور پر سے خود ہی کہتے ہیں:

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقہ علما کے بڑے بڑے اراکین، مفسرین ہوں یا محدثین، مؤرخین ہوں یا دوسرے مصنفین، متقدمین ہوں یا متاخرین، ان کو یکے بعد دیگرے بلاسوچے نقل کرتے آئے ہیں اور ان کی صحت وغیر صحت کو معیار اصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل وتسامح کا نتیجہ یہ ہوا

(۱) صدق جدید، ج/۹، ص/۱۲

کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان و قلوب میں ایسے راسخ
اور استوار ہوگئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہات کا انکار ہے۔''(۱)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار دس پانچ نہیں (۲۵) مشہور قصوں پر شدومد سے جرح و نقد کرتے ہوئے متعدد کو سرے سے غلط و بے بنیاد بتایا ہے اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بُکا و ابکی کی خاطر بے سروپا قصے مشہور کرر کھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصود اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مُفتریات داھیہ کے پردے چاک کردینے کے ساتھ ساتھ انھیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے اصلی خدوخال میں پیش کرنا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا، بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دینا اور بیان کرنا تھا۔

''خلافت معاویہؓ و یزیدؒ'' کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبّہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی ازدیادِ رونق ہے مگر تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کردیا اور اصل حقیقت منکشف ہوگئی۔ تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ دُور رَس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنایا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبدالدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کی ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرنے کی جدوجہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲/اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ناظمِ امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود اختیارات کے اندر

(۱) مجاہد اعظم، ص/۱۶۲

کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کرلیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی معدلت گستری سے ہوسکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کے سپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کردینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو اُن کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا نہ تو حکم ضبطی میں شامل کیا، نہ اُس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ اُن کے وکیل ایسا کوئی مضمون وفقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ اُن کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں یہ ریمارک کیا ہے کہ ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ کہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہرحال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دلآزاری کے مسائل تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ ومضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدور حکم ضبطی کے وقت بتایا جاسکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا۔ وہ یا تو ان کا سیکریٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کرسکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت کے سامنے! اُن کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی و تہی دستی تو

اظہر من الشمّس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا تو حکم ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے، گویا وہی بات ہوئی کہ:

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لیے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور وشور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیۃ العلما کے مؤقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲/اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ''ایک علمی کتاب'' کے ذیلی عنوان سے شذرہ لکھا تھا:

''اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقہ کی دلآزاری بھی نہ کی گئی ہو، نہ اُس کے بزرگوں کو برا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گذری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے۔

مگر ہمیں یہ سُن کر تعجب ہوا کہ پاکستان نے اسے ضبط کرلیا۔ ہوسکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور اُن سے کسی کو اتفاق نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کی تحقیق کے اعلیٰ پیمانہ پر اسے زیر تنقید لایا جائے۔ اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا

بُرد کرنا پڑے گا۔ حکومتِ پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بُری مثال قائم کی ہے۔ جسے بہر حال جمہوری مُلک میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"(۱)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثناء وصفت کی ہے اسی کتاب کی مخالفت میں اور اِسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارہ کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) ہے، شدومد کے ساتھ یکا یک مخالفت شروع کردی اور وہ بھی علمی و تاریخی وتحقیقاتی مسائل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ادارہ جمعیۃ العلما اور اپنی علمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لیے۔

تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار "طوفان جدید" نے اِن دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلما اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کی تصنیف و تالیف میں شریک بتا کر وہاں کی مسلم پبلک اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم عطیات ملتے ہیں، بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۱۲ جلد نمبر ۱۱) بحرف جلی یہ لغو بیانی کی گئی:

"کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا محمد طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن و مولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔"

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے" کی ذیلی سُرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ:

"کتاب خلافت معاویہ و یزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی جا سکتی بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے —— بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دارالعلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ چھلکتا ہے۔ اور جہاں جمہوریت کی تواریخ اور منشا کا اظہار کیا گیا ہے اور اُموی سیاست پر بحث کی گئی ہے وہاں بطل

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۴۴، شمارہ نمبر ۲۸۱۔ مؤرخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

حریت ضیغم دیو بند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت چھلکتی دکھلائی دیتی ہے ____ "(وغیرہ وغیرہ من الھفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ سگِ بارگاہ چشتیہ کے الفاظ لکھے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپیگنڈا بمبئی میں کیا جارہا تھا، ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلما کو ہدف ملامت بنانے کے لیے کتاب کی تالیف وتصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ کہ ۲۷/اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی:

"خلافت معاویہ و یزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیۃ العلما کا سکریٹری ہے۔"(۱)

---

(۱) یوپی جمعیۃ العلما کے سکریٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائیکہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہوکر یہ خدمت انجام دینا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیۃ اور اسکے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اس کے متعدد زعما سے مراسم محبت و یگانگت کے بھی رہے تھے بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد ومنشا وسابقہ وطن امروہہ میں چند سال اُس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسہ جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے۔ پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا، ہمیں دونوں اُن کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے۔ مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے تعلقات محدود نہ تھے، اُس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اُس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۹، ۲۰) میں معطیان دارالعلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے:

''سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز''

''امیر المؤمنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور حق دار خلیفہ تھے۔''

''غمگساران اہل بیت و جان نثاران حسین کے لیے لمحہ فکریہ۔''

''تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سُنی جمعیۃ العلما کے مجاہد کس خیال میں ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو چندہ بند کرنے کی غرض سے لکھا گیا تھا:

''چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دارومدار ان حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔ جو

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

حیثیت سے مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں میں فرق آتا دیکھ کر نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے میرے بھانجے کو جو گڈھ مکٹیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے بعض کانگریسیوں نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کی تگ و دو کرنی پڑی تھی، نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہوگیا بلکہ کانگریس کی ممبری تک سے؛ بایں ہمہ ہمارے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں توطن کے اعتبار سے بھی جدا ہیں اور مسلک کے لحاظ سے بھی اُن کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں میں محسوس کرتا ہوں۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق او بصحرا رفت و ما درکو چہار سوا شدیم

اس یادہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم، اُس نے تو اس ذلیل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سکریٹری بتا کر اراکین جمعیۃ کو بھی اس سب وشتم میں شامل کردے جو کلکتہ سے پشاور تک مصنف کے خلاف مہینوں برپا رہا تھا۔

حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لاالہ قرار دیتے ہیں، جو بغض للّٰہی کا شکارنہیں بلکہ حُب نبی، حُب علی اور حُب اہل بیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔

ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر دلآزار اور حقائق سے بعید منظر عام پر محض اس لیے پیش کیا جارہا ہے —— (الی آخرہ)

یہ بکواس یاوہ گو اخبار نویس کی لائق اعتناء نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات اور چندہ کی رقوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ ''سگ بارگاہ چشتیہ'' کی گرفت میں اس طرح جب آگئی بے چارے بلبلا اُٹھے اور کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا مگر اپنی بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کراتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات ''مسلک اہل سُنت و الجماعت اور ہمارے جذبات اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں۔'' اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے مسلک اہل سُنت کے خلاف ہونے کی قراردادیں بھی مشتہر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل اُستاد نے ''دیوبند سے ایک عجیب بیان'' کے عنوان سے صدق جدید مؤرخہ ۱۳ رنومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب کی مخالفت میں کررہے تھے، لکھا تھا:

''کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سُنت کا اُن کا ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں ....

میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ

کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لا حاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لیے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت و الجماعت تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم بالکل خلاف عقل ہے۔..................

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (یزید قتل حسینؓ کے) جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اُس کی مذمت یا اُس سے عداوت و نفرت کے لیے کیا وجہ جواز ہوسکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل نا قابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ بھی ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں گے۔ گویا اُسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اُس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے۔ مذہب اہل سنت و الجماعت تو ہر گز اس طرزِ فکر کو جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جُرم کیا ہے؟ اور مسلک اہل سنت و الجماعت کی کون سی مخالفت کی ہے —— کتاب کے ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرزِ بیان تو شروع سے آخر تک مہذب و سنجیدہ ہے۔ کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا پھر اسے ضبط کرانا کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لیے ضبط ہوسکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجہ اولیٰ ضبط ہونا چاہیے جو عقائد و جذبات اہل سنت کے بالکل خلاف ہیں اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرم خصوصاً خلفاء ثلاثہ کی شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔

اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بُری نظیر قائم

ہو جائے گی جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت مشکل ہو جائے گی۔''

مگر وہاں تو مطلب سعدی دیگر است کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو دارالعلوم کا چندہ بند نہ ہو۔ مردو دوزخ میں جائے یا بہشت میں انھیں اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رُکن نے اُسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا:

''دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علما کی طرف سے کی گئی مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ـــــ نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پُشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی، بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے ممنون احسان ہوئے اور اُن سے قریب ہوتے گئے۔ اُنھوں نے ـــــ کو جمعیۃ علما کے لیے گرانقدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لیے ـــــ نے سفارشیں کیں ان کے لیے یہی آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغا خان اور مُلّا طاہر سیف الدین وغیرہ کے متبعین بہت ہیں ـــــ کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انھی ـــــ تاجروں سے تعلقات کو باقی رکھنے کے لیے آپ کی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے۔''

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، جب ذاتی اور دینوی مفادات کی خاطر بعض علمائے سوء ''حرب عقائد'' کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''مکرر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے۔ اس کا دائرہ بحث و نظر تمامتر تاریخی ہے اور مؤرخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔''(۱)

---

(۱) صدق جدید۔

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور شخصیت پرست جماعت نے تو ہندؤوں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انھی کے زیرِ صدارت جلسے منعقد کیے اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے مضامین لکھے گئے۔ جن میں کہا گیا کہ مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' اس گروہ سے ہے:

''جس کے بعض (۱) افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کو اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگے۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے اس ہی وہابی مقتولین کو شہید (۲) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے لباس پہن کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں۔'' (۳)

اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم، ایل، اے مہابیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا ریزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قراردادیں منظور کر کے وزیرِ اعلیٰ و گورنر یو پی کو بھیجیں گئیں۔ مگر

---

(۱) مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے

(۲) حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور اُن کی جماعت مراد ہے۔

(۳) ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء

اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اُس کی راجدھانی اور جمیعۃ العلما کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲۷ نومبر ۱۹۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے اور نہ جمیعۃ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے متبرک کام میں بہت کوشاں رہے۔ دہلی کے جس مطبع [۱] نے یہ کتاب بلا اجازت مصنف طبع کی تھی اُسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کی ہے جو زیر سماعت ہے۔ بہرحال بھارت دیش میں کتاب کے ضبط ہوجانے کے بعد بھی مفاد پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ:

> ”میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے نہ اس کے تمام مباحث پر ردوقدح۔ صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرنا ہے۔“[۲]

”شہید کربلا اور یزید“ نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کرڈالی جس کے سرورق پر بحروف جلی تحریر ہے کہ:

”ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لیے عظیم دعوتِ فکر۔“

---

(۱) کوہ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کیے یا ان کو اطلاع کیے بغیر روحانی کتب خانہ پل بنگش کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ بھارت میں اس کے پہلے ایڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ ہلال الہ آباد کو تحریراً دے دیا تھا۔

(۲) ص ۱۸/

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار ''طوفان'' کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ ''سگِ بارگاہ چشتیہ'' تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان و سرپرستان دارالعلوم دیوبند وہ لوگ ہیں:

''جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔''

''جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔''

''جو سیدنا حسین کی شہادت عظمٰی کو اساس لاالہ قرار دیتے ہیں۔''

اس کے ساتھ یہ آواز لگائی تھی۔

''تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں!''

خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی اور شہادت عظمٰی کے ثبوت میں کتاب لکھی۔ جس کے لفظ لفظ سے اور مکذوبہ روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ ''حسینیت کی گرویدگی'' کے ساتھ ساتھ ''یزید کی روسیاہی'' سے اپنے یہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر و اہل بیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تاوقتیکہ تطہیر جس کے ساتھ جو حسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواجِ مطہرات کے لیے ہے نہ آپ کے کسی اور قرابت دار کے لیے وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کر لیں۔ بقول صاحب مصباح الظلم و ایضاح الیہم، یعنی (نواب امداد امام پدر سر علی امام)

''امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہو سکتے ہیں جو آپ کو معصوم اور رسول اللہ ﷺ جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں ہو سکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے پس جناب امام حسینؓ کے ساتھ ہمدردی کے لیے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ

جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا انکار ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جناب امام حسینؓ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو جناب امام حسینؓ کی شہادت کے بھی قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہیں۔"(۱)

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی اُن کے مسلک اور عقیدہ کا جزو ہے۔ انھوں نے تو مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے منسوب کیے ہیں یعنی حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کرنے کے لیے، ان کی عمر وفات نبوی کے وقت صرف پانچ برس دکھلانا، دوسرے اُن کے ذاتی کردار اور تیسرے اُن کی اُفتادِ طبیعت کا اظہار۔ جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا "رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ اُن کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور اُن کی طہارتِ طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے صفحہ ۱۷۸ پر تحریر ہیں:

"بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا ـــــ حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔"

عُمر کا ذکر تو ضمناً آ گیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ اُحد کے بعد ہوا تھا:

"انکح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة علی بن ابی طالب بعد

---

(۱) ص/۱۳۴۔

وقعۃ احد"[1]

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب وازالۃ الخفاج ۴ ص/۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی بعد غزوہ اُحد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔غزوہ اُحد ۳/ہجری کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا۔اس حساب سے حضرت فاطمہؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کی ولادت ۴/ہجری کے آخر یا ۵/ہجری کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسینؓ کی ولادت ۶/ہجری میں۔ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالہ سے حضرت حسنؓ ہی کی ولادت سن ۶/ ہجری بتائی ہے۔[2] تو اس طرح حضرت حسینؓ کی ولادت سن ۷/ہجری میں ہوئی۔پس ان تصریحات سے جب حضرت حسینؓ کا وفات نبوی ﷺ کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علیؓ اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا اُن کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں۔مثلاً اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت اُن کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہؓ کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔[3]

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس بتائی گئی ہے۔ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔خود حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے نہ تھے۔اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول کامل المبرد وعقد الفرید وشرح

---

(۱) حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ، ج/۱، ص/۵۳۲

(۲) المعارف، ص/۶۹

(۳) البدایہ والنہایہ، ج/۸ص/۳۴۶ واکمال فی اسماء الرجال وتجرید بخاری وغیرہ

نہج البلاغۃ میں درج ہے کہ: "لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين" (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر کی لڑائی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔)

غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت صرف پانچ برس عمر تھی مگر روایتوں میں اُس وقت اُن کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک بیان کی گئی ہے۔

سن و سال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آ گیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی و مولانا عامر عثمانی نے ماہنامہ "تجلّی" دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی چابکدستیوں اور ساختگیوں کے بخیے اچھی طرح اُدھیڑے ہیں۔ یہاں اُن کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح و نقد مقصود نہیں، اس کے لیے جدا رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کے بڑھتے بڑھتے بغض معاویہؓ تک پہنچا دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رُشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسنؓ نے اسی لیے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی۔ بالفاظ دیگر حضرت معاویہؓ اُن کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رُشد خلافت اُن کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہؒ نے جزم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے متعدد ارشادات کی رُو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رُشد خلافت کیا خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اور اُمت میں خون کی ندیاں بہ گئیں اس زمانہ کو "زمان شر" کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو "زمان خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہؓ کا استقرار خلافت ہو گیا اور اُمت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا زمانہ خیر کی برکات پھر عود کر آئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"بنقل متواتر که در شرعیات نقلے معقد ترازان یافته نمی شود بثبوت
پیوسته که آنحضرت صلعم فتنه را که نزدیك مقتل حضرت عثمان
پیدا شد مطمح اشاره ساخته اند آنرا یقصیلے که زیاده ازالی در شرایع

یافته نشوو بیان فرموده اندد آنراحد فاصل نهاده اند درمیان زماں خیر د زماں شر و گواهی واده اند که دریں وقت خلافت علی منهاج النبوة منقطع شود و ملك عضوض پدید آید و معنی عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جهیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملك و لهذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثه راد ریك حکم جمع کر دند تا آنکه ظن قوی بهمر سید که هر سه بزرگ فی مرتبه من المراتب متفق اندوغیرایشان در آن مرتبه شریك نیست"[(۱)]

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے۔ خلافت کے لیے اُس زمانے میں جو جدال وقتال ہوئے اُن کی بنا پر اُس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلاثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیرؓ وطلحہؓ وعبدالرحمٰنؓ بن عوف وسعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مبداء ایں فتنه خلافت حضرت مرتضی است آنحضرت نخست از خلافت حضرت مرتضی خبر دادند که منتظم نشود"[(۲)]

وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:

"انعقاد بیعت برائے او وجوب انقیاد رعیت فی حکم الله نبسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامه مسلمین تحت حکم اوسر فروینا ور دند و جهاد در زمان دے رضی

(۱) ازالۃ الخفاء، ج/۱، ص/۱۴۲

(۲) ازالۃ الخفاء، ج/۱، ص/۱۵۲

الله عنه بالکلیه منقطع شد و افتراق کلمه مسلمین بظهور پیوست و ایتلاف ایشان رخت بعدم کشید" (۱)

پھر ایک مقام پر تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت خاصہ کے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ اُن کا حکم نافذ ہو۔

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں:

"در عنایت ازلی مقرر بود که هیچگاه حضرت مرتضیٰ و اولاد و تادامان قیامت منصور نشوند هیچگاه خلافت ایشان علیٰ وجهها صورت نگیرد بلکه از میان ایشان هر که دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکه مقتول گردد" (۲)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے۔ واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ اُن کی اولاد۔ برخلاف اُن کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے لاثانی تدبر و فراست و حلم و کرم سے ملّت کی بگڑی حالت سنوار دی۔ حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"ذُم معاوية عند عمر يوماً فقال دعونا من ذمّ فتى قريش مَن يضحك في الغضب ولا يُنالُ ما عنده الاعلى الرضى ولا يوخذ ما فوق راسه الامن تحت قدميه" (۳)

"ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جوان مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے

---

(۱) ج/۱، ص/۱۳۲ (۲) ج/۱، ص/۲۸۴

(۳) ج/۲، ص/۷۵

حاصل ہوسکتا ہے یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔“

طیب صاحب نے رُشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے، تاریخی واقعات اُن کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی۔ اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے۔ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں ہیں، سیاسی معاملات میں اُن سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں اُن سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اُس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمتَ بأنّی یا مُبغض مُبغضٌ عَلیًا فما فخری اِذاً فی المحافل
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

أاکل من لحمی وأشرب من دمی کذبتَ لَحَاكَ الله یا شرّ واغِل
علیؓ کی بُرائی کرکے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیوں اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علیٌّ و عباسٌ یدان کلاهما یَمینٌ سواءٌ فی العُلَی والفضائل
علیؓ و عباسؓ دونوں یکساں ہیں فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں

فهذا ابو هذا وهذا کُم ابن ذا فهل بین هذین اتساعٌ لداخل
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں وہ (علیؓ) اُن کے بیٹے ہیں۔ سو ان دونوں کے درمیان تیسرے کا کیا دخل

سَتسمَع ما یخزیك فی کُل محفل وتسخُ راس العارف المُتَغافِل
سوائے مخاطب تو جو ہر محفل میں ہمیں بدنام اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے

کرتا ہے عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہوگئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ:

”ان الاصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشیعة فانهم وضعوا فی مبداء الامر احادیث مختلفة فی صاحبهم حملهم علی وضعها عداوة خصومهم“ (۱)

فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی ابتدا شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انھوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں گھڑ ڈالیں جن کے گھڑنے پر انکو اس عداوت نے ابھارا جو ان کو ان کے دشمنوں سے ہے۔

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قران حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورہ احزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے: ”اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہد یجیے۔“ اور آخر رکوع تک یا نساء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعد و وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (۲)

---

(۱) شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۵۸۳۔ (۲) احزاب: ۳۳۔

''اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور اچھی طرح تمھیں پاک کردے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کے ان ہی اہل خانہ (اہل بیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کے آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ (۱)

''اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمھارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔''

اس آیت میں ازواج نبی کے جن ''بیوت'' یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم ﷺ کے سکونہ گھر تھے وہ ہی تو مہبط وحی تھی۔ وہیں تو آیات قرانی کا نزول ہوتا تھا، وہی تو فرشتوں کے اُترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو ''اہل البیت'' کہہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد۔ صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:

''البیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی ''بیت النبی'' اور اس سے مُراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی ﷺ کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی۔ پس اس بنا پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے ماقبل و مابعد کی ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی

(۱) احزاب:۳۴۔

سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازدواج کے گھروں کے۔

سیاسی اغراض کی خاطر نبی کریم ﷺ کے نسبی قرابت داروں کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کے لیے حدیثیں وضع ہوئیں۔ ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے۔ حضرت حسینؓ کو "رجس" سے پاک ہونے کو ھولاء اہل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری طرف حضرت عباسؓ اور اُن کی اولاد کے لیے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ وحسن وحسین کے چاڈر میں لے کر ھولاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کیے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے لیے بھی ہیں یعنی:

انه صلي الله عليه وسلم اشتمل على العباس و بنيه بملاء ة ثم قال يارب هذا عمى و صنوابى هولاء اهل بيتى فاسترهم من النار كسترى اياهم بملاء تى هذه فامنت اسكفه الباب و حوائط البيت فقال آمين"(۱)

آنحضرت ﷺ نے (حضرت) عباسؓ اور اُن کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچائیو جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندانِ نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولادِ علیؓ) نے جن کے بارے میں یہ مکذوبہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں ان کی حاجت تھی۔ کسی دوسری شاخ یعنی عقیلیوں،

(۱) ص/۸۳

جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کے لیے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انھوں نے طلب خلافت اور سیاسیات ملی میں کوئی حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی ضرورت تھی۔ مفسرین ومحدثین نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم و یطھر کم میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کے لیے ہوتی تو ضمیر جمع مؤنث آتی۔ مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے۔ اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لیے آئے یا تثنیہ کے لیے یا جمع کے لیے۔ مذکر کے لیے یا مؤنث کے لیے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اس طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ کے لیے ہی آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے آکر فرزند ہونے کی بشارت دی تو اُن کی زوجہ سارہ یہ سُن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ اس پر فرشتوں نے کہا:

﴿ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ (۱)

''(فرشتوں نے) کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)۔''

اس آیت میں بھی وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قران شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کے لیے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ نہر زبیدہ کے بننے کے بعد ایک عرب شاعر نے سیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا:

یا اهل بیت خلیفه الغنی　　　بالله انتم زبدة النسوان

غرضیکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور جس سے پاکی کا وعدہ ان ہی اُمہات المؤمنین سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کسی دوسرے نسبی

---

(۱) ھود: ۷۳

قرابت دار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے، رِجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور نہ اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ طیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اُسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور ﷺ کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لے جانا۔ مفتی محمد عبدہ وعلامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”و مصادر هذه الروايات الشيعة و مقصدهم منها معروف وقد اجتهدوا في ترويجها ما استطاعوا حتى راجت على كثير من اهل السنة ولكن واضعيها لم يحسنوا تطبيقها على الآيةفان كلمة نساء نا لا يقولها العربي و يريدها بنته لاسيّما كان له ازواج ولا يفهم هذا من لغتهم و ابعد من ذلك ان يراد بانفسنا على ثم ان وفد نجران الذين قالوا ان الآية نزلت فيهم لم يكن معهم نساؤهم و اولادهم“

”ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے ان روایتوں کی اشاعت کرنے میں کچھ جدوجہد حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان روایتوں کو وضع کرنے والوں نے اس آیت پر ان کی تطبیق عمدگی کے ساتھ نہیں کی کیونکہ عرب نساء کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان پر اس طرح نہیں لاسکتا کہ مراد اس کی اس لفظ سے بیٹی ہو خاص کر جب اسی بیٹی کا شوہر بھی موجود ہو اور نہ ان کی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہوسکتا ہے اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علیؓ کی ذات سے لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات یہی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی نہ اُن کی بیویاں تھیں اور نہ اُن کے بیٹے اور اولاد ساتھ تھے۔“

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کی شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ بلا لیتے پوری ہوئیں۔ اگر شرائط پوری ہوتیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ کہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت کے الفاظ ''نساء'' اور ''ابن'' کا اطلاق ہی نہیں ہوسکتا۔ جیسا مفتی محمد عبدہ و علامہ رشید رضا نے فرمایا ہے کہ ''نساء'' کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کرسکتا اور ''ابن'' کا لفظ نواسہ کے لیے نہیں ہوسکتا۔ ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾[1] فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کے لیے ہی اور بیٹی کے بیٹوں کے لیے ''سبط''۔ عرب کا قول ہے:

بنونا بنوا بنائنانا و بناتنا　　　بنوهن ابناء الرجال الا باعد

طیب صاحب کو شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح متعدد حضرات نے تردید مضامین میں بیشتر اسی قسم کی وضعی روایتوں سے استدلال کیا ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے۔ کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہوگئی تھیں، نظر ثانی میں اُن کی تصحیح کردی گئی ہے۔

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ایل ایل بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنی ہیں۔ انھی کی نیک دلی اور حساس طبعیت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈالوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈوکیٹ کی نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق تشکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محبّ قوم کی یاد آرہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

---

(۱) احزاب: ۵

مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور واں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہشمند ہیں شکریہ واجب ہے۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ایل ایل بی کے عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز ان کے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خودستائی کے مترادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم۔ صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب و شتم کی موضوعات کا پردہ چاک کرنے جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے۔

گرچہ خور دیم نسبتے است بزرگ

محمود احمد عباسی

۲۱ر دسمبر ۱۹۶۰ء کاشانہ محمود۔ لالوکھیت، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرضِ مؤلف

طبع دوم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اُس وقت ناشر کا حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کی دو ڈھائی ماہ کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہوجائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی۔ حتیٰ کے بعض شائقین ٹیلیگرام بھیج کر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے اور جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاط ثانیہ (renaissance) کے موجودہ دور میں روایت پرستی، توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں اُن سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے بعض مستور گوشوں کے بے نقاب ہوکر حقیقت حال کا انکشاف ہوجانے کا ملّت کے ہوش مند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لیے بھیجے گئے تھے اُن پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ ''تجلّی'' کے فاضل مدیر

مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیرِ نظر کتاب ان کتابوں میں ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جا سکتی ہے۔ فاضل مصنف جناب محمود احمد عبّاسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد ''خلافتِ معاویہ و یزید'' کے بارے میں وہ فرید و حید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔''

''لامتناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک، حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصّب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا۔ روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنّف نے مضبوط دلائل پیش کیے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذباتیت کی گرد میں اَٹی ہوئی ''تاریخ کربلا'' کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔ جزاهم الله خير الجزاء

''حاصلِ تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آئے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو غالی تصوّرات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو اُن کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ آخرت میں انھیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان

اللہ علیہم کے دامنِ کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ و افترا کی گرد سے پاک و صاف دکھاتی ہے اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو وقیع معلومات انھوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچا لے جاتی ہیں کہ انھوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ وللّٰہِ درُّ المصنّف۔"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان وقلم سے کبھی نہ کبھی دوہرایا جاتا ہے اور اُموی خلافت کے ان بہترین اور منوّر ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سُنّی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی اُمت تیس چالیس برس بھی آپ ﷺ کا برپا کردہ نظام آپ ﷺ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں اُنھوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے اُن کو ہدیہ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

اُموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی۔ اُن کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (؟) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)۔"

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اوّلین علمبردار ہیں۔ انھوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لیے تباہ کردیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس ذاتِ گرامی کو کرامٍ بَرَرَةٍ میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ ہیں) اور جن کے لیے حتماً فرمایا ﴿وَكُلًّا وعدالله

الْحُسْنىٰ ﴾[1] (ان سب سے اللہ نے حسنِ سلوک کا وعدہ کیا ہے۔) نبی کریم ﷺ نے جن کے بارے میں دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنھیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور اُن پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ و حسینؓ اور دوسرے اکابر اہل بیتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم نے جن کی بیعت کی، وہ اِن صاحب کے نزدیک جمہوریت کُش، ظالم اور مبتدع تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انھوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگواروں نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انھیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ اور جمہور کے نزدیک اُن کا کیا درجہ ہے۔ اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر دس برس بعد اُن کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا جابر بن عبداللہؓ، سیدنا انس بن مالکؓ اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انھوں نے خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اُن حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور اُن کے اقدامات کو درست نہ سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کرلیا ہوتا کہ فرانس، امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دُنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاس داری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہوسکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہوسکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ پہلے خلیفہ رسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر

(۱) الحدید: ۱۵

حضرت علی مُرتضیٰؓ تک خلیفہ کے برسرِ اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انھیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر سربرآرائے خلافت ہوتے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اُس کے مطابق اُن میں سے کسی ایک کے لیے استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی لیکن صرف اہلِ مدینہ کی، باقی عالمِ اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار اُمّت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المؤمنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔

اب دیکھنا چاہیے کہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے جب امیر یزیدؒ کو ولی عہد مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے۔ پھر اس مشورہ کو جب آپ نے قبول فرما لیا تو دوبارہ اسے عالمِ اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہلِ مدینہ اربابِ حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیر المؤمنین یزیدؒ کا تقرر، صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیّہ قرار دیا جائے، محض اس لیے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب ہے کہ ''الحمد'' سے لے کر ''والناس'' تک اور مؤطا سے لے کر ابن ماجہ تک وہ کون سی آیت اور کون سی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ثابت کیا جا سکے۔

آیت مبارکہ ﴿ وَاَمرهُمْ شوری بَيْنَهُم ﴾ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے

ہوتے ہیں) کو بڑے اہتمام سے موقع بے موقع پیش کیا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے انجینئر سے، آبپاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے، صحتِ عامہ کے بارے میں کماندارِ فوج سے، اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر ﴿وَاَمرھُمْ شوریٰ بَیْنَھُمْ﴾ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ امورِ سیاسی میں اصحابِ سیاست اور اربابِ حل وعقد ہی سے مشورہ لیا جائے گا اور اُنھیں کی بات سُنی اور مانی جائے گی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جاسکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب فلاح ہوگی وہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے مہاجر و انصار اصحابؓ کی راہ ہے جنھوں نے جان و مال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں اور کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے۔ یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم اللہ اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوتِ محمدیہ ﷺ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انھی پر کُھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انھی کے قلوب پر ہوا۔ انھی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رُشد و ہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کُن پروپیگنڈہ کرنے والے، دروغ گو، باطل پرست، ہوا وَ ہوس کے بندے اور ناقابل اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے۔ بے وجہ صلحا کی عزّت و حُرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا وآخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول ﷺ ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ ﷺ بعض اُمتیوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ اُمّت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہوجاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس اُمّت کو عطا فرمایا ہوتا تو اُس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرِمُو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کی دعوت متحرک و فعال

اور ترقی کناں ہے اور آپ ﷺ کی اُمت قید زمانی و مکانی سے آزاد ہے۔ نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اُتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس لیے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری و وابستگی کی مکلّف ہے اور نہ کسی ذات سے، اسے چند لچکدار موزوں اور اصل اصول عطا ہوئے ہیں جنھیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت، اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے۔ جس عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عنداللہ والناس مقبول ہوگا۔ بشرطیکہ تقاضہائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں۔ (۱) اقامت صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (۱)

’’ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے قلوب کو آزمالیا، مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے بھر دیئے اور اُن کا طرزِ عمل ہمیشہ کے لیے اُمت کے واسطے مشعلِ راہ بنا دیا۔ یہ ہے اُمت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے جس اُمت کی تشکیل کی اس کے اوّلین علم برداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کردی ہیں، اور سب کے

(۱) الحج: ۴۱

سامنے تجربہ کرکے کامیابی کی راہیں دکھادیں۔ خلاف اور جنگ کے مسائل بھی بتادیئے، آپسی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتادیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین و انصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہوجائیں وہی حق وصواب ہے۔ اولئك هم الراشدون۔

اور سب کا ایمان ظنی و اعتباری ہے۔ صرف قوی آثار سے اسے مؤمن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواجِ مطہرات، مہاجرین و انصار، خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحین ہند، قاتلین مرتدین، مقاتلین روم و شام و فارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ ''میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں'' کذب محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے، اُس کی اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی ''عن شیخ من المدینة'' (۱)

اُموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرامؓ کا دور تھا۔ امیر المؤمنین عبدالملکؒ اور اُن کے بعد اگرچہ اُموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب سے سب تابعی ہیں اور امیر المؤمنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلارہے تھے۔ والیوں میں، اُمراء عساکر میں، قضاۃ میں، ارباب شوریٰ میں اور اصحاب تبلیغ و اشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرامؓ نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انھی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام اُنھی کے ہاتھ میں تھا۔

> چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفر و نفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کرکے غیظ و غضب سے بھر جاتے تھے اس لیے انھوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ثابت ہوگیا

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ج/۲، ص/۱۳۵

﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ ’تا کہ ان کے سبب کافروں میں غیظ و غضب پیدا کردے۔‘(۱)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ط وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾(۲)

”اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انھیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا۔ ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کے لیے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انھیں امن عطا فرمائے گا وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔“

اس آیت نے فیصلہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر صلحائے اُمت ہی کو حکومت عطا فرمائی اور ان کے تحت جو نظام بپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ ان کی ہر مصیبت کے بعد اُس نے انھیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انھیں قابو کردیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے مطابق دینِ حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنھوں نے اس الٰہی وعدہ کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں۔

---

(۱) الفتح: ۲۹۔

(۲) النور: ۵۵۔

اس لیے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علمِ تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرواز ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سُنت کے مقرر کردہ آداب پر پابندی کریں۔ دُشمنانِ دعوت کی مفتریات وتلبیسات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل وتقویٰ وتحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ روایات سے قطع نظر کر کے صرف واقعات کا احصاء کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتاً یا پھر عہد حاضر میں درایت کی جو لچک ہے اُس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشا روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی اور سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قران مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا۔ اور واقعات بھی جو اخلاف کے لیے موجب عبرت ہوں تا کہ حق کے ساتھ بزرگانِ پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مؤرخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا چاہیے۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (۱)

”ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کے لیے موجب

(۱) یوسف: ۱۱۱۔

عبرت ہے۔ یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق مبرہن
محسوس واقعات سے ہوئی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لیے
ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔"

یہی صحابہؓ و تابعینؒ تھے جنھوں نے اپنی مرضی سے اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیر المؤمنین یزیدؒ سے بیعتِ خلافت کی اور اُس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا اوپر ذکر ہوا کہا ہے کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اوّل الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ اِن صاحب نے صریحاً واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور اُمت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکتِ اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب آرا امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامّہ کا کوئی قابل ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ (۱۵) بھائیوں میں سے صرف چار نے اُن کا ساتھ دیا۔ اُن کے گیارہ بھائیوں نے اقدامِ خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح اُن کا ساتھ نہ دیا۔

صحابہؓ و تابعین کے بارے میں اِن صاحب کی سُوءِ ظنی حد درجہ قابل ملامت ہے کہ ان صحابہؓ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و اکراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعت خلافت کی۔ سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مؤرخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہؓ و تابعین کے طرزِ عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہدِ اُموی کے واقعات اور سیرتِ معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لیے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افترا پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے۔ مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے:

عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
بُری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افترا و تلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا جی چاہتا ہے کہ آخری مصرع میں شاعر کی بجائے راوی کر دے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اُس کا بیٹا ھشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذّاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذّابوں کا تمام سرمایہ زور اُمّت کو گمراہ کرنے کے لیے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح ''حاطب اللیل'' ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے، کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی، انھوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑ گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سئیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل

لہٗ ومن یضله فلا ھادی لہٗ و صلّی اللّٰه تعالی علیٰ خیر خلقه و نور عرشه محمد و صحبه و خلفائه اجمعین۔

محمود احمد عباسی
کاشانۂ محمود لالوکھیت بی ایریا۔ کراچی
۲۰ جولائی ۱۹۵۹ء

عرضِ مؤلف

اُموی خلافت اپنے وقت (۴۰-۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور اُمت کے لیے موجب فوز وفلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی اُمیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گزرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو اُمت مسلمہ کو اُس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اُموی حکمت عملی کا ثمر نہ کہا جا سکے۔ ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اُموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا۔ خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابہ کرامؓ کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاء سے لے کر ادنیٰ اُمراء تک کو کہ ان ہی متعدد صحابہؓ و تابعینؒ بھی شامل تھے جو کاروبارِ خلافت چلا رہے تھے فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا۔ جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم ﷺ موجود تھے جن سے استناءت پر یہ اُمت حریص تھی اور کتاب اللہ وسُنّت رسول اللہ ﷺ پر ہی سب کا مدار کار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ اُموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں اُن کے مؤلفین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت کے حامل تھے۔ نیز مؤرخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلم بند کرنے میں نہ صرف بخل ناانصافی سے کام

لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بنا پر اس درجہ مسخ کر کے پیش کیا کہ:

De Large جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ:

’’تہمت تراشی و افترا پردازی کا جو منظّم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اُس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔ ہر قسم کی بُرائی اور معصیت کو جو تصور کی جاسکتی ہے بنی اُمّیہ سے منسوب کی گئی۔ ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لیے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دُنیا سے انھیں نیست و نابود کر دیا جائے ـــــ اس عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔‘‘(۱)

کذب بیانیوں کی یہی حالت اِلّا ماشاء اللہ برابر قائم رہی۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی گئیں، نامور سے نامور مؤرخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے، مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدوّن کر کے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر دے خوئے ’’سچ کو جھوٹ سے تمیز‘‘ کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مؤرخ نے نہیں کی۔ خصوصاً ابتدائے دور اُموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق و مبالغت کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کی متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مؤرخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنھیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ:

”وَلَوْلَاأن ابن جریر وغیرہ من الحفاظ و الأئمة ذَكَرُوهُ مَا سُقْتُهُ“(۲)

---

(۱) مقالہ بعنوان خلافت (ملخصاً) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن

(۲) البدایۃ والنہایۃ، ج/۸، ص/۲۰۲، ط دارالفکر

''اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔''

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مؤرخ ہیں جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی کہ جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے ایڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیے پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچ سو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مؤرخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے۔ اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مؤرخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے۔ پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن بقول امام غزالیؒ تعصّبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی۔ اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خان (سر سلطان بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مؤرخین کو بار بار متوجہ کیا

تھا۔ ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا:

''دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لیے موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی اُمیہ کے درخشان دورِ صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر وتبصرے کی شدید حاجت ہے۔

مصر وشمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیل دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے۔ لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق ''ہند'' تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے رہ جانا کلیتاً خاندان بن اُمیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہینِ منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومۃ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوجاتے اگر تباہ کُن عباسی [1] فتح نے اسلام کی ایکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس

---

(۱) راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں ''انتزاع اموی خلافت وقیام خلافت عباسیہ'' کے تحت بتایا ہے کہ مضر و ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اُموی خلافت کی افادیت ختم کردی تھی۔ اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ ہوکر تباہ ہوجاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورتِ حال نازک کردی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیے تا کہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفریں اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی جامد صدیوں سے۔"(۱)

"یقین جانیے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اُسکی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مؤرخین سے مطالبہ کیجیے اور اپنے مفکرین سے کہیے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اُموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادھے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔"

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ: "آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ اقتصادی، فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے۔ لیکن آپ ملّت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح وضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں۔"

پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر سے بنواُمیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اُموی خلافت تھی۔ ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اُس طبقے کے روحانی پیشوا اور "امام حاضر" کے ہیں جس کے یہاں امامت

(۱) پیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ اُمّید" مولفہ محمد اے حارث

اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ اگر ترکی زعمائے وقت اُن کی تجویز دوبارہ احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی۔

مسلمانانِ ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے جس کی داغ بیل سر سید علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی، ہز ہائی نس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں۔ لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تروتازگی کے لیے پہلی صدی ہجری کے عہد بنو اُمیّہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اُس عہد کی سچی تاریخ مرتب و مدون کرنے کا ہے۔ کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں۔

راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے۔ مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمت مصروف رہی۔ محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ، بابائے اُردو کی فرمائش سے کتاب ''الحسین'' پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو سہ ماہی رسالہ اُردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ ''تذکرہ'' کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں۔ چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزاء اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مُدیر ''صدق جدید'' نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ ''تذکرہ'' فرمایا تھا کہ ''آپ کے ہاں ''الحسین'' پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع، بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔''

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری رہا اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں

دے دی گئی برابر جاری ہے۔ بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سیّد حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے۔ غرض یہ کہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اُموی عہد کے حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں، صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔

حالات نامساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کے لیے ترتیب از سرِ نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اُموی کے حالات کو اُجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملّت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کے بنا پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دُور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت و اُلفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے۔ اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سبّ و شتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بیّن طور سے انکشاف ہو گیا، ختم کر دیا جائے۔

اس خصوص میں بھی محترم امام [1] شیعہ اسماعیلہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنھوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا، حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ خلافت کا کوئی سوال نہ اُٹھایا، جب اُنھوں نے ہی نہ اُٹھایا تو ہم بھی کیوں اُٹھائیں۔ جب وہ اُن کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔

---

(۱) حاشیہ فرمان سر آغا خان بعنوان ''اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفاء'' بحوالہ اسلامک ریویو وکنگ ''دی گریٹ اُمید''، مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس۔ کراچی

اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہی کیفیت ہو:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

محمود احمد عباسی
کاشانۂ محمود
لالوکھیت۔ بی ایریا۔ کراچی

اموی خلافت کا پس منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت:

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم خلیفہ راشد کو بحالتِ تلاوتِ قران مجید ظلماً شہید کردینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور اُس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو اُن کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی جاگیر ینبوع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا تھا:

"فَاِنَّكَ وَاللّٰهِ لَئِنْ نَهَضْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ الْيَوْمَ لَيُحَمِّلَنَّكَ النَّاسُ دَمَ عُثْمَانَ غَدًا" (۱)

واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ (بیعت خلافت کے لیے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خونِ عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔"

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (فابٰی علی) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کرکے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی

(۱) تاریخ طبری، ج/۵، ص/۱۶۰ (۲) ایضاً، ص/۱۵٦

اور الاشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے بیعت کی تھی انَّ اَوَّلَ مَنْ بَایَعَہُ الْاَشْتَرُ(۱) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب تھا اور نہ قصاص لیے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا مبایعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاستِ وقت پر اثر انداز رہے۔ اکابر صحابہؓ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی بیعت کرنے سے گریز کیا۔ یعنی عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حب رسول اللہ، حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابوسعید الخذریؓ، محمد بن مسلمہؓ، نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ، صہیب رومیؓ، سلمہ بن وقشؓ، قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملّت و اربابِ حلّ وعقد نے بیعت نہیں کی۔ (۲)

حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتر اُن پر حملہ آور ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں اِس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیثِ متواترہ مرویہ بطریق متعددہ بیان فرمودند کہ اُمّت بر حضرت مرتضیٰ جمع نہ شود" (۳)

طالبینِ قصاص حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وحضرت اُمّ المؤمنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شُد زیرا کہ اھلِ حلّ و عقد عن اجتہاد و نصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ" (۴)

"خلافت حضرت مرتضیٰ کے لیے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حلّ وعقد نے اپنے

---

(۱) ایضاً، ص/۱۵۶ (۲) طبری ومحاضرات الخضری

(۳) ج/۲، ص/۲۷۵ (۴) ازالۃ الخفاء ج/۲ ص/۲۷۹

اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت اُن سے نہیں کی۔''

ان اکابر صحابہ و اہلِ حل و عقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ اُن کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب و بیعت خلافت میں سبائی گروہ و قاتلینِ عثمانؓ کی در اندازیوں کو مصالح ملّیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''فَاِنَّ كَثِيراً مِنَ الْمُسْلِمِينَ : إِمَّا النِّصْفُ و اما أقل أَو أَكثَرُ لَمْ يُبَايِعُوهُ وَلَمْ يُبَايِعْهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَلَا ابْنُ عُمَرَ وَلَا غيرهما''(۱)

''پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملّت) نے یا اُس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے اُن کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی۔ نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبداللہ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے (صحابہ) نے۔''

حضرت عبداللہ بن عُمرؓ نے طلبِ بیعت پر اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کردینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انھیں چھوڑ دو۔ وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہوکر مکہ چلے گئے۔ مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ اُن کی سوتیلی ماں اُمّ کلثوم بنت علیؓ بیوہ حضرت عُمرؓ یہ خبر سُن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عُمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں، اِس پر اُن کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکات شنیعہ سے اُمت میں جو انتشار پیدا ہوگیا تھا تمام عالمِ اسلام میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اِک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدّث دہلویؒ نے طالبینِ قصاص کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا

(۱) منہاج السنۃ، ج ر۱، ص ر۲۳۷۔

ہے کہ:

''دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورینؓ و اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔''(۱)

''دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمانؓ) ذی النورین کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے تھے مگر انھوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔''

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی یا مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام اُمّت مجتمع تھی، اتحاد و اتفاق تھا، کفّار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہوکر مسلمانوں کے زیرِ تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملّت ان کی بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی، آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"فان الثلاثة اجتمعت الامة عليهم' فحصل بهم مقصود الامامة' وقوتل بهم الكفار وفتحت بهم الامصار' وخلافة علي لم يقاتل فيها كافر۔ ولا فتح مصر وانما كان السيف بين اهل القبلة" (۲)

''تینوں خلفاء ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے پوری اُمت کو اپنی خلافت پر مجتمع کرلیا تھا اور اس طرح انھیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہوگیا تھا۔ (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہوجائے کی وجہ سے) انھوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ میں چلتی رہی۔''

---

(۱) ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۲۷۹ (۲) منہاج السنۃ ج ۱، ص ۱۴۵

دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اُٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام''(۱)

''علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادت عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لیے تھیں نہ باغراضِ اسلام۔''

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان ''خلافت'' میں یہ لکھتے ہوئے کہ: ''بلوائیوں کے جمّ غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لیے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ کو اُن کی بیعت کے لیے مجبور کیا۔'' کہا ہے کہ:

''حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو خلیفہ شہید کی جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے (طلبِ خلافت میں) اندر کارفرما نہ تھا بلکہ حصول اقتدار و حب جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لیے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کی طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے، علیؓ کو اُن کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔''(۲)

غرض یہ کہ شہادتِ عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کرلی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہوگیا۔ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح وتلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منظّم نہ خواہد شد۔''(۳)

---

(۱) ازالۃ الخفاء، ج/۱، ص/۲۷۷، سطر/۲۰

(۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، گیارھواں ایڈیشن ج/۵ ص/۲۰

(۳) ازالۃ الخفاء، ج/۲، ص/۲۴۹

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔''

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ اُن کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مرتضٰی باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت او در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند۔''(۱)

''حضرت مرتضٰیؓ باوجود یکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکنہ ہو سکے اور نہ اُن کا حکم اقطاء ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز اُن کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخری ایام میں سوائے کوفہ اور اُس کے آس پاس اُن کی حکومت کا ٹھکانہ نہ رہا۔''

یہ افسوس ناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنان اسلام نے اس حالت سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔

"لم يظهر فی خلافته دين الاسلام بل وقعت الفتنة بين اهله و طمع فيهم عدوهم من الكفار و النصارى و المجوس بالشام والمشرق"(۲)

''یعنی اُن کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام ومشرق (یعنی ایران وغیرہ) کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو (مسلمانوں کے) دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی۔''

---

(۱) ازالۃ الخفاء، ج/۲، ص/۲۴۹

(۲) منہاج السنۃ، ج/۲، ص/۱۳۸

سبائیوں کا مقصود اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے۔ مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السودا بھی کہتے ہیں بذاتِ خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتلِ عثمانؓ کا سارا پلان اُسی نے بنایا تھا۔ طالبین قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سُن کر حضرت علیؓ نے اُن کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابن سبا اور اُس کی پارٹی اُن کے ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہؓ نے اس اقدام کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

"یا امیر المؤمنین' لا تخرج منها' فو الله لَئِنْ خرجت منها لا ترجع اليها وَلا يعود اليها سلطان المُسلِمِينَ أبدا فسبوه' فَقَالَ: دعوا الرجل' فنعم الرجل من اصحاب مُحَمَّد صلى الله عليه وسلم ! وسار حَتَّى انتهى الَى الرَّبْذَة " (۱)

''اے امیر المؤمنین آپ (مدینۃ الرسول کو) چھوڑ کر مت جائیں۔ اللہ کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) اِدھر کبھی پلٹے گی (یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا) (ان کی گفتگو پر سبائیوں نے) ان پر سبّ وشتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے) کہا ان کو چھوڑ و الگ رہو یہ اصحاب محمد ﷺ میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقامِ ربذہ میں پہنچ گئے۔''

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقر خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اُس وقت تو وہ اُن کے ساتھ نہ گئے، بعد میں اسی مقام ربذہ میں آکر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آجائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کرلیں اپنی بیعت نہ لیجیے۔

(۱) تاریخ طبری، ج/۵، ص/۱۷۰۔

حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخاب خلیفہ کا حق اہل مدینہ کا ہے (فان الامر اهل المدینة طبری) ان کا اوران کے ساتھیوں کا یہی مؤقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعت خلافت ہوچکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہو جانا چاہیے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سدّ باب ہوسکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں پر ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے، ظلم و تعدی سے اُن کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرلیں گے بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرا کریں اور ہمارے ساتھ ہوکر قصاص لیں۔ نظام خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لیے چھوڑ دیا جائے۔

حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا:

"وَاِنْ تَرَكْتُمْ لَمْ يَقُمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نِظَامٌ" (۱)

''اگر قصاص لینا تم نے ترک کردیا تو پھر نہ تمھارے لیے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔''

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں اِس وقت اُن کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہؓ کی مساعی سے طالبین قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہوگئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ:

"الا ولا یرتحلن غدا احداً اعان علی عثمان رضی الله عنه"(۲)

''جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو، وہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔''

یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص ایجنٹ مالک الاشتر نیز

---

(۱) تاریخ طبری ج/۵ص/۱۷۵، جمہرۃ خطب العرب ص/۱۲۷۔

(۲) تاریخ طبری، ج/۵، ص/۱۹۴۔

دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرادی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کے لیے قران شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمھارے درمیان ہے، اسی کے مطابق فیصلہ ہو۔ (۱) لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں، اُن کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دور بین نگاہوں نے اس ساری صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کیے بغیر نہ رہیں گے۔ اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر اُن کے مد مقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے۔ صفین کے میدان میں وہ اُن کے کیمپ میں موجود رہے۔ انھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ اُن کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدان جنگ میں اُن کے ساتھ ہونے کو شیعہ مؤرخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

"وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافة و ھرب الی

---

(۱) طبری، ج/۵، ص/۴۰۲

معاويه و شهد صفين معه" (۱)

''اور (عقیل) اپنے بھائی امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہؓ کے پاس بھاگ گئے اور اُن ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔''

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب واقعہ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بيعة اهل البصرة علياً و قسمه ما فی بيت المال فيه" لکھا ہے کہ ساتھ لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کردی گئی۔ ہر ایک کے حصہ میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر اُن سے کہا گیا کہ:

"لكم ان اظفركم الله عزو جل بالشام مثلها"

''اگر خدائے عزوجل اہل شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمھیں اور ملے گا۔''

مالک الاشتر وغیرہ تقریر کرکے لوگوں کو اہل شام کے مقابلے میں چلنے کی ترغیب و تحریص کررہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا:

"اتريد ان تسيربنا الى اخواننا من اهل الشام ثقتلهم كلا كما سرت بنا الى اخواننا من اهل البصرة نقتلهم كلا والله اذا لا نفعل ذالك"

''کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور اُنھیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔''

الاشتر نے یہ سُن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی آپ تشریف لائے اور پوچھا کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے، اس پر فرمایا: قتيل عمية لا يدرى من قتله و ديته من بيت المال المسلمين یعنی یہ جاہلیت کے زمانے

(۱) عمدۃ المطالب، ص/۱۵، مطبع لکھنؤ۔

کا قتیل ہے معلوم نہیں قاتل کون ہے اس کی دیت بیت المال مسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مؤرخین نے زید بن عتاہیہ تمیمی کا یہ مضحکہ خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

"وكان زيدا المذكور لما عظم البلاء بصفين قدا نهزم و لحق بالكوفة فلما قدم زيد على اهله قالت له بنة اين خمس المائة؟"(۱)

''زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آ گیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔''

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا ہے اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور مالک الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کون پارٹی فتح مند ہو اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں ہیں تو انھوں نے عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

"يا اهل العراق لما ذا انزلتم بعجاج من الارض؟ لا خمس الاجندل احرين و الخمس قد يحمل الامرين جمزا الى الكوفه من قنسرين"(۲)

''اہلِ عراق! تم اس زمین میں ایسے چھچھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ، تمھارے لیے سوائے پتھروں سے وہ پانسو نہیں ہو سکتے تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔''

---

(۱) حاشیہ ص/۱۸۸، واقعہ صفین، نصر بن مزاحم۔

(۲) ص/۱۸۷، واقعہ صفین، نصر بن مزاحم۔

یہ موقع جنگ جمل وصفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لیے صورت حال حددرجہ مسخ کرکے پیش کی ہے۔ اس لیے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ اُن خطبوں کے اقتباسات پیش کیے جائیں جو اُنھوں نے اپنے نام نہاد پیروؤں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔

جمل اور صفین کے موقعوں پر باہمی گفت وشنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہوگئی تھی وہ محض غیر جانب دار عناصر ہی کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملت اسلام کی بہتری مقصود تھی اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعی جمیلہ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہوگیا اور دُشمنان اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انھوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سبّ وشتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف اُن کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خون عثمانؓ کے مسئلے میں تھا ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیروکار ہیں۔

اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شامل کتاب کیا ہے جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے۔

”من کتاب له علیه السلام الی الا مصار یقتص فیه ما جری بینه و بین اهل صفین و کان بدا امرنا التقینا و القوم من اهل الشام و الظاهر انّ ربّنا واحد و نبیّنا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله و التصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر

واحد الا ما اختلفنافیہ من دم عثمان و نحن منہ برا" (۱)

سبائیوں کی ساری کوشش یہی تھی کہ خانہ جنگی جاری رہے کیوں کہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے اُن کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا سیاست ملیہ پر ایک لمحہ کے لیے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت:

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہوگیا تھا کہ اب وہ منصب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثانؓ سے جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور اُن میں سے بعض کو عہدے بھی دے دیئے تھے۔ جس سے انھوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کرلیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سُنے تھے وہ تاسف سے فرماتے تھے۔

"لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت اذھب ابا موسیٰ فاحکم ولو بجز عنقی" (۲)

''اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خُروج نہ کرتا اے ابو موسیٰ! لوتم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اُڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔''

ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کرکے نئے

---

(۱) ص/۱۵۹، الجزء الثانی نہج البلاغۃ، مطبوعہ دارالکتب الکبریٰ، بمصر۔

(۲) ازالۃ الخفاء، ج/۲، ص/۲۸۳، طبع اول۔

خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ارباب حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ کب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں۔ لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں اُلجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کردیا۔ اُس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پاگئے۔ خوارج سے اُن کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا تو اُمت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا اور تاریخی واقعات کا رُخ ہی دوسرا ہوجاتا، بہرحال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں۔ آیہ شریفہ ﴿واعتصموا بحبل الله جمعياً ولا تفرقوا﴾ تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاق امت کی ضرورت پر متوجہ کیا (۱) اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کرلینا۔ اُن کے امیر المؤمنین ہوجانے سے کراہت مت کرنا۔ کیوں کہ اُن کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار اُمت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ (۲)

حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعات میں اس بات کا احساس تھا کہ اُن کی پارٹی بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ وہ بھی تقریروں میں اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کہ کاش میں تمھارا منہ نہ دیکھتا، تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا، اے کاش میں اب سے بیس پچیس برس پہلے مرگیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ اُن کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے اُن کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

---

(۱) ص/۳۲۷ ج/۷۔ البدایہ والنہایہ، ص/۸۵ ج/۶۔ تاریخ طبری۔

(۲) ص/۳۱ ج/۸۔ البدایہ والنہایہ۔

"وکان علیؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکریین ولم تکن اعوانه
یوافقونه علیٰ مایا مربه و اعوان معاویهؓ یوافقونه" (۱)

''اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی عالموں کے قہر سے عاجز تھے اُن کے اعوان و انصار اُن کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف اُن کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار اُن کی موافقت کرتے تھے۔''

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہوچکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد بقید حیات تھی۔ لیکن اُمت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمن اسلام قوتوں کو کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مُراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجہ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لیے مفادِ اُمت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی ان کے امیر المؤمنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اُس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اُس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:

"وان علیاً ابی کان یقول لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فارقتموه
لرائیتم الرؤس کندر عن کو اهلها کالحنظل" (۲)

''اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیر المؤمنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا۔ کیونکہ تم نے اگر اُن کو بھی گنوادیا تو تم دیکھو گے

---

(۱) ص/۲۰۲ ج/۲۔ البدایہ والنہایہ۔

(۲) ج/۳، ص/۳۲، شرح نہج البلاغۃ، ابن ابی الحدید و ازالۃ الخفاء، ج/۲، ص/۲۸۳، و البدایہ و النہایہ، ج/۸، ص/۱۳۱

کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر (کٹ کٹ کر) گریں گے۔''

امامۃ و السیاسۃ جیسی کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ ھ سے محض غلط منسوب کردی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے جو انھوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔

"ان ابی کان یحدثنی ان معاویہ سیلی الامر، فواللہ لو سرنا الیہ بالجبال و الشجر ما شککت انہ سیظھر ان اللہ لا معقب لحکمہ ولا رادّ لقضائہٖ" (۱)

''اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہوجائیں گے اللہ کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ اللہ کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جاسکتا ہے۔''

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی ان بدبختوں نے نواسہ رسول ﷺ پر بھی حملہ کرکے زخمی کردیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کرکے یہ کہا کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لیے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کردیا۔ اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ وغضب اس لیے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ اُنھوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعت خلافت:

زخم کے مندمل ہوجانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجر بن

---

(۱) ص ۱۴۷، ج ۱، طبع اوّل ۱۹۳۷ء۔

عدی نے پہلے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انھوں نے سختی سے ڈانٹ دیا پھر اُن کے چھوٹے بھائی حسینؓ بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے، اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمھارے لیے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کردوں گا۔ مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کرلی ہے، معاہدہ ہوگیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

"فقال الحسين انا قد با يعناو عاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا"(۱)

''پس حسینؓ نے کہا ہم نے بیعت کرلی ہے عہد کرلیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔''

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انھوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا:

"اسكت فانا اعلم باالامر منك" (۲)

''تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔''

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف ''علیؓ و بنوہ'' میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:

"ان الحسين بن عليؓ لم يكن يرى رائ اخيه ولا ليقر ميله الى السّلم و انه الحّ علىٰ اخيه فى ان يستسمك و يمضى فى الحرب ولكن اخاه امتنع و انذره بوضعه فى الحديد ان لم يطعه"(۳)

''حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح و امن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انھوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے پر زور

(۱) اخبار الطوال الدینوری، ص ۲۳۴، مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء

(۲) طبری، ج ۶، ص ۶۲

(۳) ص ۲۰۳

دیا۔لیکن ان کے بھائی نے منع کیا اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی۔"

بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعہ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی۔عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو یعنی:

"فاختار و الدخول فی طاعة معاویه" (۱)

"لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت و بیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔"

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے۔حضرت حسنؓ سے گفتگو کی: "السلام علیك یا مذل المؤمنین" کہہ کر سلام پیش کیا۔حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ: "وعلیك السلام" بیٹھو! میں مذل المؤمنین نہیں بلکہ معزهم ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال و جدال کو دفع کیا۔ واللہ اگر پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے تب بھی کوئی قوت خلافت و امارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (۲)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اُٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب اُن کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:

"ابو محمد (حسنؓ کی کنیت) نے سچ کہا۔تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں۔"(۳)

---

(۱) اخبار الطّوال، ص ۲۳۳ (۲) اخبار الطّوال

(۳) اخبار الطّوال

الامامة و السیاسة کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:

”لکن کل رجل منکم حلساً من اجلاس بیته ما دام معاویه حیا فانها بیعة کنت والله لها کارهاً فان هلك معاویه نظرنا و نظرتم و رأینا و رأیتم“ (۱)

”لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اُس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی ہے، پس اگر معاویہؓ وفات پا گئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی، ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی۔“

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری و بہ کراہت کی تھی۔ حصول خلافت و حکومت کے لیے مناسب موقع کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد اُن کا لامحالہ اپنے مقصد کے لیے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ابومخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لینا اُن کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا۔ میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعتہ کرھاً) اسی کے ساتھ بقول ابومخنف اُنھوں نے شیعان کوفہ سے کہا:

”والان کان صلحاً و کانت بیعةً و لتنتظر مادام هذا الرجل حیاً فاذا مات نظرنا و نظرتم“ (۲)

”اب اس وقت تو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ) زندہ ہے انتظار کرو جب مر جائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔“

---

(۱) اخبار الطوال، ص ۲۳۱/۱ (۲) مقتل ابی مخنف، ص ۴، مطبوعہ نجف

حضرت معاویہؓ کا سلوک:

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ وحسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلا ناغہ امیر المؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں اُن کے پاس رہتے۔

"فَلَمَّا اسْتَقَرَّتِ الْخِلَافَةُ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ الْحُسَيْنُ يَتَرَدَّدُ اِلَيْهِ مَعَ أَخِيهِ الْحَسَنِ فَكَانَ مُعَاوِيَةُ يُكْرِمُهُمَا اِكْرَاماً زَائِدًا وَيَقُولُ لَهُمَا : مَرْحَبًا وَ أَهْلًا وَ يُعْطِيهِمَا عَطَاءً جَزِيلًا وَقَدْ أَطْلَقَ لَهُمَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ مِائَتَيْ أَلْفٍ" (۱)

''جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہوگئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے، (ایک مرتبہ) ایک ہی دن اُن کو بیس لاکھ درہم عطا کیے۔''

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف و عطیات کا ذکر کیا ہے۔ جو امیر المؤمنین معاویہؓ حضرات حسنؓ وحسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:

"قَدِمَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَقَالَ لَه: لأجيزنك بجائزة لم يجزها أَحَدٌ كَانَ قَبْلِي فَأَعْطَاهُ أَرْبَعَمِائَةِ أَلْفِ أَلْفٍ وَوَفَدَ اِلَيْهِ مَرَّةً الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ فَأَجَازَهُمَا عَلَى الْفَوْرِ بِمِائَتَيْ أَلْفٍ" (۲)

''حسنؓ بن علیؓ (ایک مرتبہ) معاویہؓ کے پاس آئے تو اُنھوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے قبل کسی نے بھی نہ دیا ہوگا

(۱) البدایہ والنہایہ، جلد/۸، ص/۱۵۰، مطبوعہ دارالفکر، مصر۔

(۲) البدایہ والنہایہ، جلد/۸، ص/۱۳۷۔

چنانچہ انھوں نے چالیس لاکھ کی رقم اُن کی دی پھر ایک دفعہ حسنؓ و حسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے ان حضرات کو انھوں نے فی الفور بیس بیس لاکھ دیے۔''

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ و حسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المؤمنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے:

"و معاوية اول رجل في الارض وهب الف الف و ابنه (يزيد) اول من ضاعف ذالك كان يجيز الحسن و الحسين ابن علي في كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم و كذلك كان يجيز عبدالله بن عباس و عبدالله بن جعفر" (۱و۲)

''اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنھوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کیے اور ان کے فرزند (یزیدؒ) پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کو دوگنا کیا اور یہ عطیات علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسنؓ و حسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے ہوتے اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیے جاتے۔''

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المؤمنین معاویہؓ کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

"وَلَمَّا تُوُفِّيَ الْحَسَنُ كَانَ الْحُسَيْنُ يَفِدُ إِلَى مُعَاوِيَةَ فِي كُلِّ عَامٍ فَيُعْطِيهِ وَ يُكْرِمُهُ" (۳)

---

(۱) یہ وظائف و عطیات یا تو خمس اور فے میں سے ہوتے تھے یا اُس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا۔ بعض اوقات خلفا اپنے ذاتی حصہ میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے۔ لامنؔ نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گراں بہا عطیات دے کر اُن کے ہاتھوں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔

(۲) شرح ابن ابی الحدید۔ جلد/۲، ص/۸۲۳ (۳) البدایہ والنہایہ۔ ج/۸، ص/۱۵۱

''جب حسنؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔''

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''و کان (معاویہ) یبعث الیہ (الحسین) فی کل سنۃ الف الف دینار سویٰ الھدایا من کل صنف'' (۱)

''اور (معاویہؓ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔''

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سُن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی۔ اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا:

''فان کنت تحب ان تطلب ھٰذا الامر فا قدم علینا فقد وطننا انفسنا علی الموت معك'' (۲)

''پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آجاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمھارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر اُن کا وقت آگیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

''فان جاء اللہ بہ حدثا و انا حی کتبت الیکم برائی'' (۳)

''پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں

---

(۱) مقتل ابی مخنف، ص/۷ (۲) اخبار الطّوال، ص/۲۳۵

(۳) اخبار الطّوال، ص/۲۳۵

کو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔"

جہادِ قسطنطنیہ و بشارت مغفرت:

مجوسی و ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی۔ امام اول و خلیفہ رسول ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ و حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح و سیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر اُمرا کو جہاد شام پر متعین کیا تھا۔ انھوں نے شام و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو اُن کے بھائی کی جگہ مقرر کیا۔ انھوں نے خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں رومیوں کو برّی و بحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ شجاعان عرب ملک شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

"ان العرب منذ فتحو الشام فکر وافی فتح القسطنطنیه لانها کانت لذالك العهد عاصمة النصرانية و کان الاسلام لو فتحها غلب علی شمالی اوربا بلا نزاع" (۱)

"ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اُس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔"

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لیے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف اُنھوں نے شروع کی تھیں۔ ۴۱ھ میں زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال متواتر جدوجہد سے انھوں نے جہازوں کا عظیم

(۱) ص ۲۱۴، حاضر العالم الاسلامی، تالیف پروفیسر لوتروپ ستودارو مع تعلیقات امیر شکیب ارسلان

الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لیے برّی اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ برّی فوج میں شامی عرب تھے خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننہیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب ما قیل فی قتال الروم یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کی حدیث یہ ہے:

"ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ" (۱)

"پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی اُن کے لیے مغفرت ہے۔"

شارح صحیح البخاری علامہ قسطلانیؒ نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مُراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویہ و معه جماعة من سادات الصحابه کابن عمرو بن عباس و ابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری" (۲)

"مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزیدؒ بن معاویہؓ نے کیا اور اُن کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمرؓ، ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ و ابو ایوب انصاریؓ اور ایک جماعت تھی۔"

---

(۱) صحیح بخاری، باب ما قیل فی قتال الروم۔ حدیث ۲۹۲۴

(۲) حاشیہ ص ۴۱۰، جلد ۱، صحیح بخاری، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی محدّث المہلبؒ کا یہ قول ہے:

"قال المهلب فی هذا الحديث منقبةٌ لمعاوية لانه اول من غزا البحر و منقبةٌ لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر" (۱)

''اس حدیث کے بارے میں (محدث) مہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔''

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی بحری و بری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت اُم حرامؓ زوجہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرت معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

"اول جيش من امتی يغزون البحر قد اوجبوا" (۲)

''میری اُمت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اُس پر جنت واجب ہوگی۔''

علامہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ای: وجبت لهم به الجنة (یعنی ان (سب غازیوں) کے لیے جنت واجب ہوگئی۔" (۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) حاشیہ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۰۰ (۲) صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۱۰
(۳) فتح الباری شرح بخاری

"وَ أَوَّلُ جَيْشٍ غَزَاهَا كَانَ أَمِيرُهُمْ يَزِيدَ وَالْجَيْشُ عَدَدٌمُعَيَّنٌ لَا مُطْلَقٌ وَشُمُولُ الْمَغْفِرَةِ لِآحَادِ هَذَا الْجَيْشِ أَقْوَى وَيُقَالُ: إِنَّ يَزِيدَ إِنَّمَا غَزَا الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ لِاجْلِ هَذَا الْحَدِيثِ" (۱)

"اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اُم حرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ سُن کر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لیے جنت واجب ہوگئی، عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اُن میں شامل ہوگی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں اور وہیں فوت ہوئیں۔ لیکن جب دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سُن کر جب یہی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم ان میں نہیں ہوگی"۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذکرنا هٰذا مقررا فی دلائل النبوة (۲)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کی غازیوں کے لیے وجوب جنت ومغفرت کی پیشین گوئی لسان نبوی ﷺ سے ہوئی، اُن میں پہلا جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا اُن کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔ (۳)

امیر یزیدؒ کی اس فوج میں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابہ کرامؓ یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ (میزبان رسول ﷺ) نیز عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ

---

(۱) ص/۲۵۲، ج/۲، منہاج السنۃ (۲) ص/۸۱، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۳) کتاب الجہاد، صحیح بخاری، کتاب الامارۃ صحیح مسلم

ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اُس فوج میں ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"کان الحسین یفدالی معاویه فی کل عام فیعطیه و یکرمه و کان فی الجیش الذین غزو القسطنطنیه مع ابن معاویه یزید" (۱)

"حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ اُن کو عطیہ دیتے اور اُن کا اکرام کرتے وہ (حسینؓ) اس فوج میں شامل تھے جس نے (امیر) معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

شیعی مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی "تاریخ عرب" ہسٹری آف سیریز ص/۸۴ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔ مؤرخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابن عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسین علی معاوية و غزا القسطنطينية مع يزيد (یعنی حسینؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور امیر یزیدؒ کے ساتھ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہوئے۔)(۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اُس وقت آپ کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبرسنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی ﷺ کی بشارت مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آپہنچا تو آپ نے امیر عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جا سکو لے جا کر دفن کرنا۔(۳) مسلمانوں کو میرا سلام پہنچانا اور یہ حدیث سُنانا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سُنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے: من مات ولا يشرك بالله شئياً جعله الله في الجنة (یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا اللہ اُسے جنت نصیب کریں گے)۔ امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابیؓ (میزبان رسول ﷺ) کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسبِ وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا

---

(۱) البدایہ والنہایہ، جلد/۸، ص/۵۱
(۲) ص/۱۱، ج/۲
(۳) ص/۵۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ
(۴) البدایہ والنہایہ۔ ج/۸، ص/۵۸

جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اُس کے متصل مسجد واقع ہے۔

"وکان (ابو ایوب انصاری) فی جیش یزید بن معاویہ و الیہ اوصیٰ وھو الذی صلی علیہ" (۱)

"(اور ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انھی یزیدؒ کو کی تھی۔ (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔"

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبان رسول ﷺ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:

"ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"(۲)

ایک دوسرے شیعی مؤرخ (مؤلف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے اُن کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے ہوئے کہ "چوں ابو ایوبؓ در گذشت یزید سوار شد و جیش با او سوار شد و نعش او را مشایعت نمودند" وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"یا اھل القسطنطینیة ھذا رجلٌ من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد دفنا حیث ترون و واللہ لئن تعرضتم لہ لاھد من کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً" (۳)

"اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی ﷺ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم

---

(۱) البدایہ والنہایہ۔ ج/۸، ص/۵۸ (۲) ج/۱۳، ص/۱۶

(۳) ج/۲، کتاب دوم، ص/۶۶۔ ناسخ التواریخ

نے یہاں دفن کیا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سُنائی نہ دے گی۔"

امیر شکیب ارسلان نے کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کے تعلیقات زیر عنوان "محاصرات العرب القسطنطینیة" میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:

"ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاه یزید بن معاویه یعوده فقال: حاجتك، قال: نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض عدو ما وجدت مساغاً فا ذا لم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب به ثم ساریه فی ارض العدو ما وجد مساغاً ثم دفنه ثم رجع ان ابو ایوبؓ قال لیزید بن معاویه حین دخل علیه اقرئ الناس منّی السلام و ساحدثکم بحدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من مات لا یشرك بالله شئیاً دخل الجنة فحدث یزید الناس بما قال ابو ایوبؓ و توفی ابوایوبؓ عام غزا یزید بن معاویه القسطنطنیه فی خلافة ابیه سنه ۵۲ صلی علیه یزید بن معاویه و قبره باصل حصن القسطنطنیه بارض الروم ان الروم یتعاهدون قبره و یزورونه و یستقون به اذا قحطوا" (۱)

"جب ابو ایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزیدؒ بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمھیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے (امیر یزیدؒ) اُن کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں گئے جب آگے راہ نہ

(۱) ص/۲۱۵، بحوالہ طبقات ابن سعد

پائی تو اُن کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے۔ ابو ایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مر جاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔ اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا'' پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو ابو ایوبؓ نے فرمائیں۔ ان کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؒ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزیدؒ بن معاویہؒ ہی نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی ان کی قبر پر جا کر عہد کرتے، ان کی زیارت کرتے اور زمانہ قحط میں ان کے وسیلہ سے بارش کی دعائیں مانگتے ہیں۔''(۱)

جہادِ قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حُسن انتظام اور ذاتی شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملت کی طرف سے ''فتی العرب'' (عرب کا سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب ''فتی العرب'' کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (۲)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ

---

(۱) یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلہ سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے اُن کی دعائیں سُنیں۔

(۲) ص ر ۲۰۱، ہسٹری آف دی عربس

کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمیہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"(۱)

امارتِ حج:

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں۔

"حج بالناس یزید بن معاویہ فی سنة احدی و خمسین و ثنتین و خمسین و ثلاث خمسین" (۲)

''یزید بن معاویہ نے ۵۱ھ، ۵۲ھ و ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کیے۔''

مؤرخ اسلام علامہ ذہبی ''تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر و الاعلام'' میں لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کیے۔(۳)

شیعی مؤرخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے: وحج بالناس فی هذا لسنة یزید بن معاویه۔(۴)

مذہبی و سیاسی حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ ۸ھ کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا۔ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپ ﷺ ہی امیر حج تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفا

---

(۱) مکتوبات، جلد اول، ص ۲۴۳-۲۵۲
(۲) ج ۸، ص ۲۲۹۔ البدایہ النہایہ
(۳) ص ۹۱، ج ۳
(۴) جلد ۲، ص ۱۶۱، طبری طبع مصر

نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم و تقویٰ اور فن خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہد خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، امیر حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف و اکناف عالم اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطبات اُمرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبۂ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملّیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر یہ حضرات حاجیوں سے ملاقات کرتے۔ ان کی حاجتیں و شکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لیے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کیے اور نہ اُن کی اولاد و اخلاف نے، اِلاّ یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بویہ کے زمانہ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے بروایتِ مختلفہ دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کیے۔ حج معاویہ بالناس فی ایام خلافتہ مرتین[1] پھر ان کے نائبین میں سے اُن کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے۔ ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نور دیدہ سیدہ اُم محمدؓ سے نکاح کیا۔[2]

اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیج داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے اُن کے بہنوئی تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اولیٰ سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن حسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابو سفیانؓ کی دختر تھیں۔[3] ان دونوں سالا بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوش گوار اور

---

(۱) ص/۱۳۲، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) ص/۶۲، جمہرۃ الانساب ابن حزم

(۳) ص/۲۵۵، جمہرۃ الانساب وطبری، ص/۱۹، ج/۱۳

اُنس ومحبت کے رہے۔

دیگر صحابہؓ واکابرین ومجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران اُن کی امارت حج میں مناسکِ حج ادا کیے۔ اُن کے خطبات سُنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ اُن کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف وعطایہ کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولی عہدی:

اُسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المؤمنین اپنی زندگی میں ولی عہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کے لیے انھوں نے امیر المؤمنین کے لائق فرزند یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے اُن کے عہد میں سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ مسئلے کی پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہورہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہوجائے اور جو کام مصلحت ملّیہ کے تحت کیا جارہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے۔ اس لیے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبان اُمت یہ کیسے گوارہ کرسکتے تھے کہ اس بارے میں پوری اُمت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لیے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنھوں نے ولایت عہد کے لیے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ اُن میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔

کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو

کتاب غلط منسوب ہے یعنی ''الامامۃ والسیاسۃ'' اُس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولی عہد المسلمین بنایا جائے۔''الامامۃ والسیاسۃ'' جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت و قابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اس فیصلہ کُن اجتماع کے باوجود امیر المؤمنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگر چہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہوجانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حل و عقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا جو حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں تھا۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لیے اختیار کیا تھا کہ حج و زیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کرلیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور اُمت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی۔ امیر المؤمنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب اُن کے لیے ہوا، اس سے پہلے کسی کے لیے نہیں ہوا تھا۔ اور اُن کی سعادت ہے کہ جمہور اُمت نے نہایت خوش دلی سے اُن کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔

لوگ چونکہ اس اجتماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لیے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اُمت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب۔ گویا اُمت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی۔ اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لیے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، وہ سب باطل پرست ہوگئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر و اُحد و خندق کے غزوں نے اُنھیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللّٰہ من سوء الظن فی اصحاب محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سروپا باتیں کی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے اُن کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا، حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی تو تمھاری خیر نہیں، سر اُڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آ کر بیٹھے تو ایک ایک فوجی تلوار لیے اُن کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولی عہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:

"والقوم سكت لم يتكلموا شيئا حذر القتل" (۱)

"یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے۔"

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے وہاں حضرت حسینؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے "رج نخلہ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نامعلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اُس کا نام طبری نے "ابوعون" لکھا ہے۔ ذہبی نے

(۱) ج ۱، ص ۲۰۰

''میزان الاعتدال'' میں اس کو ''مجہول'' بتایا ہے۔[1] اس ابن عون یا ابوعون نے اسمٰعیل بن ابراہیم سے اور اُس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف وکثیر الغلط ہیں۔ غرضیکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی [2] ہے۔ ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بے قیمت قرار پاتی ہے کیونکہ:

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق ومخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے، موافق ہو یا مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عمل متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگر چہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ ﷺ نے متعدد امور میں اپنی رائے کے خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی۔ مثلاً غزوہ اُحد میں آپ ﷺ کی رائے تھی مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوق جہاد وشہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحب وحی نبی ﷺ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اکثریت کی رائے کی پیروی کی۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جا سکتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتب تاریخ وسیر ورجال کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حضرت حسینؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

---

(۱) ج ۱، ص ۲۰۰ (۲) ج ۲، ص ۲۷۴

بدستور سابق ہر سال امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں کی طرح اُن کے پاس مقیم رہتے اور وظائف و عطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا مؤقف ظاہر ہے حتی کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسینؓ بن علیؓ تو انھوں نے بھی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ اُن کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلاف رائے کی حد تک تھا یا بعد میں اُن کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرامؓ میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ، ان کے علاوہ باقی سب اُمت عوام الناس پر مشتمل تھی۔ حالانکہ اُس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب بیعت عقبہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانہ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد تک بقید حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی

---

(۱) اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر اُن میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیے جاتے تو اس سے رائے عامہ استوار ہوتی یا کیے کرائے پر پانی پھر جاتا اور پھر وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا اسلئے انہوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ اُنھوں نے مول لیا۔ افسوس کہ گمراہ لوگ خاصانِ خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جاسکتا ہے۔عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعت خلافت سے سات سال پہلے وفات پاچکے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ وعبداللہ بن عباسؓ نے بطیّب خاطر بیعت کی تھی اور اس پر مستقیم رہے تھے۔باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا ان حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہوسکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرامؓ کے مؤقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی ﷺ کے وقت پانچ برس کے قریب تھی۔اور ابن الزبیرؓ کی نو دس برس کی۔اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کرلیا ہے مگر اُن کبار صحابہؓ کے مقابلے میں اِن حضرات کو نہیں رکھا جاسکتا جنھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ برسہا برس گزار دیئے اور دین قائم کرنے میں آپ ﷺ کے زیر تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہ خداوندی سے اُنھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصہ کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق ''مقدمہ'' میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''تمام صحابہ کرامؓ ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے کہ حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہوسکتا۔اگر چہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔اس لیے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے۔بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولی عہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر

جہاں ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو۔ تب تو کسی طرح کے سوءِظن کی کوئی وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔ اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اُمت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اہل حل وعقد صرف یزیدؒ ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہوسکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی اُمیہ اُس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ کو ولی عہدی کے لیے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تا کہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بے حد اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر سکونت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرامؓ کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی بھی طرح روادار نہیں ہوسکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ اُن کے آڑے آجاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"(۱)

(۱) مقدمہ ابن خلدون ص/۱۷۵۔۱۷۶، مطبوعہ مصر

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مؤرخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر و الاعلام ص/۹۲ و دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی:

"اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي وَلَّيْتُهُ لِأَنَّهُ فِيمَاأَرَاهُ أَهْلٌ لِذٰلِكَ فأتمم له ما وليته وأن كنت وَلَّيْتُهُ لِأَنِّي أُحِبُّهُ فَلَا تُتْمِمْ لَهُ مَا وَلَّيْتُهُ" (۱)

"یا الٰہی تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس کو (یزید) اس لیے ولی عہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولی عہدی کو پورا کر اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولی عہد کیا ہو تو اس کی ولی عہدی کو پورا نہ ہونے دے۔"

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا، پوری اُمت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملیہ کے تقاضہ کی بنا پر تھی نہ کہ کسی خوف کے تحت اور لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلہ صحابہ کرامؓ کی تحریک و تائید سے ہوا تھا اور نبی کریم ﷺ کے رُفقا اور آپ ﷺ کے آل بیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تاکید بیعت کے لیے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

"فاتسقت البيعة ليزيد في سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الاقاليم الیٰ يزيد" (۲)

امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لیے وفود آتے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیّب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور

---

(۱) ص/۸۰، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۲) ص/۸۰، ج/۸، البدایہ والنہایہ

خدماتِ ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ:

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ کی شامل تھی، امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و مخالفت کا جواز نکالا جا سکے۔

رجب ۶۰ھ میں جس وقت امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ معظّمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مؤرخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سن کر ہم لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اُس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"یا ابا العباس، جاء البرید بموت معاویہ فوجم طویلاً ثم قال: اللھم اوسع لمعاویۃ، اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم و بیعتکم، قال: فبینا نحن کذلک اذ جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکۃ یدعوہ للبیعۃ فمضی فبایع" (۱)

''پھر ہم نے اُن سے کہا کہ اے ابو العباس! قاصد موت معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سن کر) وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کر، واللہ وہ ان کے لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو اُن سے پہلے گزر گئے لیکن اُن کے بعد کوئی اُن کے مثل آنے والا نہیں اور اُن کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا اسی طرح ہم ان کے (ابن عباسؓ) کے پاس تھے کہ

(۱) ص ۴، الجزء الرابع قسم ثانی۔ الانساب والاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم

خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان (ابن عباسؓ) کو
بیعت کے لیے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔''

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلا ناغہ دمشق جاتے۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس ذاتی واقفیت سے انھوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکوکار بتایا۔ بلا تامل و بطیّب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شان امتیاز رکھتے تھے۔ انھوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سُنت نبوی ﷺ کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

''وقد حضرته واقمت عنده فرايته مواظبا على الصلاة متحريا للخير
يسال عن الفقه ملازما للسنة'' (۱)

''میں ان (یزید) کے پاس گیا ہوں، ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کی
پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور
سنت نبوی کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔''

مجالسِ علمی:

اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ و عیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کیا کرتے۔ فقہ و احادیث کے علاوہ علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی۔ ایک مرتبہ بنو قضاعۃ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ

(۱) ص/۲۴۳، ج/۸، البدایہ والنہایہ

سے اختلاف تھا اس لیے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لیے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے یہ وفد وہیں پہنچا۔صاحب فتحات تاریخ الیمن نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فلما بلغ ذلك قضاعة غضبوا شديداً وانكر وا ذالك اشد الانكار فخرجوا و اجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق يوم الجمعة علىٰ يزيد"(۱)

"جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا۔ پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس پہنچے۔"

روایت حدیث:

امیر یزید کبار تابعین میں تھے۔اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہؓ سے فیض صحبت اُٹھایا۔حضرت دحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر بھی رہے تھے، اُن کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداؓ اور حب رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا۔حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیر المؤمنین عبدالملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

"وقد ذكره ابوزرعة الدمشقي في الطبقه التي تلي الصحابة وهي العليا وقال له احاديث" (۲)

"اور ان کا (یزید) تذکرہ (محدث) ابو زرعہ دمشقی نے اس طبقہ (راویانِ

(۱) ص ۸۷، مطبوعۃ بریل لیڈن (۲) ص ۲۲۷، ج ۸، البدایہ والنہایہ

حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی) مرویات سے احادیث ہیں۔''

تہذیب التہذیب میں امام حجر بن عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ احد الثقات یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان ثقہ راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں، اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے:

"وقال ابن شوزب سمعت ابراهيم بن ابى عبد يقول سمعت عمر بن عبدالعزيز يترحم على يزيد بن معاويه"(۱)

''اور ابن شوزب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سُنا ہے۔''

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب الخراسانی (متوفی ۱۵۶ھ) جو عام طور سے ابن شوزب کہلاتے تھے بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایات کے راویوں یحیٰ بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص/۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ:

---

(۱) لسان المیزان، ج ۶، ص ۲۹۴

''میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی، خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔''

بات کیا تھی کذابین نے کیا سے کیا بنا دی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو ''فی الثقات'' یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجرؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ و عبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے۔ محدث معصب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے: کان رجلا صالحاً (تہذیب ج ۶/ ص/ ۳۰۰)۔ اسی طرح محدث ابو زرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: کانوا فی صالحی القوم (یعنی یہ لوگ امت کے صالحین میں سے تھے) (تہذیب التہذیب)

امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبوی ﷺ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مؤرخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''وفی روایة ان یزید لما قال له ابوه سلنی حاجتك قال له یزید؟ اعتقنی من النار اعتق الله رقبتك منها، قال و کیف ؟ قال: لانی وجدت فی الاثار انه من تقلد امر الامة ثلاثه ایام حرمه الله علی النار'' (۱)

(۱) ص ۲۲۷، ج ۸، البدایة والنہایة

''اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان کے والد نے کہا کہ جو بات و خواہش تمھاری ہو، مجھ سے کہو،تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار(دوزخ) سے بچالیں اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کواس سے آزادرکھے۔(معاویہؓ) نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزیدنے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کوتین دن کے لیے بھی امت کا امر(خلافت) سونپا جائے اللہ تعالیٰ اُس پر نار(دوزخ) کو حرام فرمائے گا۔''

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین''

''یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔''

خود ان کوعلوم دین میں یہ سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اورقرأۃ قران کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید و فضله و قراء ته القران۔

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری و مادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمھاری والدہ تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، ان کی فضیلت کا کیا کہنا یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔البتہ تمھارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کردیا تھا۔اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا اُمتِ محمدیہ ﷺ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کے لیے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انك خیر من یزید نفساً فیزید واللہ حیر لامة محمد منك)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبار سلطنت و خلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

خطبات جمعہ وعیدین:

امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ (متوفی ۳۲۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ص/ ۳۱۵-۳۵۶، ج/۲) میں نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمرفاروقؓ وعلی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کیے ہیں۔ ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کیے ہیں جو امیر المؤمنین کی حیثیت سے دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قران حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"الحمدلله أحمده وأستعينه ' وأومن به أتوكل عليه ' ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ' ومن سيئات أعمالنا ' من يهد الله فلا مضلّ له ' ومن يضلل هادي له' وأشهد أن لااله الا الله وحده لا شريك له' وأن محمدا عبده و رسوله ' اصطفاه لوحيه' واختاره لرسالته' بكتاب فصّله و فضّله ' وأعزّه وأكرمه' ونصره و حفظه ' ضرب فيه الأمثال ' وحلّل فيه الحلال وحرّم فيه الحرام وشرع فيه الدين اعذارا و انذارا: لئلا يكون للناس على الله حجّة بعد الرسل ' ويكون بلاغا لقوم عابدين.

أوصيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذي ابتدأ الأمور بعلمه واليه

يصير معادها' وانقطاع مدتها ' وتصرم دارها. ثم اني أحذّركم الدنيا. فانها حلوة خضرة ' حفّت بالشهوات' وراقت بالقليل' وأينعت بالفاني' وتحببت بالعاجل. لايدوم نعيمها' ولا تؤمن فجيعتها' أكّالة عوّالة غرّارة. لا تبقي على حال. ولا يبقى لها حال. لن تعدو الدنيا ' اذا تناهت الى أمنّية أهل الرغبة فيها. والرضا بها ' أن تكون كما قال الله عزوجل: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ ...(الى قوله مُقْتَدِراً) . نسأل الله ربّنا والهنا و خالقنا ومولانا أن يجعلنا وایاکم من فزع يومئذ آمنين.

ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به' واذا قرى القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون. اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم : لقد جاء كم رسول من انفسكم ......الى آخر السورة" (۱)

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لیے اللہ نے اُنھیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لیے انھیں اختیار کیا۔ انھیں معزز و مکرم کیا ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی۔ اس کتاب (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں حلال و حرام کو واضح کیا۔ دین کے

(۱) العقد الفرید۔ ج/۲،ص/۳۷۸،طبع مصر ۱۳۵۳ھ

شرائع بیان کیے۔ اعذار و انذار کیے تا کہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہنچے۔ اے اللہ کے بندو! میں تمھیں خدائے بزرگ و برتر سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدا فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمھیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے مملو ہے۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے اُنس رکھتی ہے اور جلد بازی سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں۔ دنیا موذی، ڈائن، فریب دینے والی کو ایک حال پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ اُن سے راضی رہتی ہے۔

اللہ عز و جل نے فرمایا ہے: اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرمادیں کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اُڑائے لیے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولیٰ ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دے۔ (اے لوگو!) بہترین کتاب اور اعلیٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قران پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

[(اس کے بعد) أعوذ بالله من الشيطن الرجيم اور بسم الله الرحمن الرحيم پڑھنے کے بعد سورۃ انفال کی آیات تلاوت کر کے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔]

لقب الخطیب الاشدق:

امیر یزیدؒ خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے ''الخطیب الاشدق'' لقب پڑ گیا تھا یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے۔ کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتائیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا معاویہؓ وابنہ (۱) یعنی حضرت معاویہؓ نے اور ان کے فرزند یزیدؒ نیز دو نام اور بھی لیے۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:

"کان یزید بن معاویه خطیباً شاعراً وکان اعرابی اللسان بدوی اللهجة "(۲)

''یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔''

۴۹ھ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ دمشق میں امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ کی وفات کی خبر پہنچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی۔ جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کرکے لکھا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ تعزیت کے لیے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کیے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا۔ جب امیر یزیدؒ ان کے پاس سے اُٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا، علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیے:

"فلما نهض یزید من عنده قال ابن عباس اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس" (۳)

''جب یزید ان کے پاس سے اُٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا: بنو حرب (یزید

---

(۱) ص/۲۰۶، ج/۷، البیان والتبیین للجاحظ (۲) ص/۸۲۴ و ۸۲۵، ج/۲

(۳) ص/۲۲۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ

کے دادا پر، دادا کا نام حرب تھا) اُٹھ گئے تو علمائے الناس (لوگوں کے عالم) اُٹھ جائیں گے۔"

خصائل محمودہ:

علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ امیر یزیدؒ حددرجہ کریم النفس سلیم الطبع سنجیدہ و متین تھے۔ایک عیسائی رومی مؤرخ نے اُن کی سیرت کے بارے میں اُن کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے:

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حددرجہ سلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرّا، اپنی زیردست رعایا کے محبوب، تزک و احتشامِ شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"(۱)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وقد كان يزيد فيه خصال محمودہ من الكرم و الحلم والفصاحة و الشجاعة و حسن الرائ فى الملك و كان ذا جمال حسن المعاشرہ"(۲)

"اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعرگوئی اور شجاعت و بہادری تھی نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ص ۱۱۶۳/

(۲) (حاشیہ: اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لیے حذف کر دیئے گئے ہیں کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انھوں نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادرِ حسینؓ محمد بن الحنفیہ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے۔ نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے۔)
ص ۲۲۰/، ج ۸/۔ البدایہ والنہایہ و تاریخ الاسلام ذہبی، ص ۹۳/، ج ۳/

خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔‘‘

حکمرانی کا مطمح نظر:

حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمت خلق تھا۔ اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل و مطمح نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی عادلانہ صالح حکومت و سیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کرو گے اگر تمھیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے معہ حضرت معاویہؓ کے کلمات کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

”قال (يزيد) كنت والله يا ابت عاملاً فيهم عمل عمرؓ بن الخطاب فقال معاويه: سبحان الله يا بنّي والله لقد جهدتُ على سيرة عثمانؓ بن عفان فما اطقتها فكيف بك و سيرة عمرؓ“

’’یزید نے کہا واللہ اے ابا جان عمر بن خطابؓ نے جو عمل (اُمت کے ساتھ) کیا، میں بھی اُن کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر کر نہ سکا۔ پھر کہاں تم اور سیرت عمرؓ کی پیروی؟‘‘

امیر یزیدؒ کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرزِ معاشرت میں بھی اُن کی پیروی کرتے۔ زندگی حددرجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا۔ حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد و عبادت امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابو الدرداءؓ جیسے صحابی سے بہت مانوس تھے۔ انھی کی صاحبزادی کی نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لیے خادمہ موجود ہو۔ پھر انھوں

نے اپنی بیٹی یزیدؒ ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دے دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انھوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو انکار ہو گیا اب میں پیام دوں؟(۱)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد و عباد اُمت تھے۔ علما و فضلا تھے، طلاب و شیدائیان علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں مدون ہو چکے تھے، کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے۔ خاص کر علامہ خالد بن یزید جو مسلمانوں میں علم کیمیا کے موجد ہیں۔ جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کیے، دارالترجمہ قائم کیا، خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌّ لابیہ۔ اولاد میں علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی آوازیں آتیں اور بقول کذابین فنار موسیقی کی۔

سیرتِ یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ:

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص/۲۳۳) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے کہ جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کیے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:

”وهذا يدل على عظيم منزله (اى يزيد) عنده حتى يدخله فى جمله الزهاد من الصحابة والتابعين الذين يقتدى لقولهم ويرعوى من وعظهم ونعم وما ادخله الى فى جملة الصحابة قبل ان يخرج الىٰ ذكر

---

(۱) کتاب الزہد۔ ص/۱۴۲، امام احمد بن حنبل

التابعين فاين هذا من ذكر المورخين له فى الخمر و انواع الفجور الا تستحيون؟"(۱)

''اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ) کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ) کی عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو زہادِ صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انھوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔ پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جس کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔''

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابو الحسن علی الکیا الھراسی متوفی ۵۰۳ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ويزيد صح اسلامه' وما صح قتله الحسين' رضي الله عنه' ولا أمره لا رضاه بذلك' ومهما لم يصح ذلك منه لا يجوز أن يظن ذلك به فان اساء ة الظن بالمسلم أيضاً حرام' وقد قال تعالي: اجتنبوا كثيراً من الظن ان بعد الظن' وقال النبي' صلى الله عليه وسلم: ان الله حرم من المسلم دمه وماله و عرضه وأن يظن به ظن السوء' ومن زعم أن يزيد أمر بقتل الحسين' رضي الله عنه' أو رضي به فينبغي أن يعلم به غاية حماقة' فان من قتل من الأكابر والوزراء والسلاطين في عصره

(۱) حاشیہ: کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابوبکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا۔ مسند احمد بن حنبل تک میں منقصت یزیدؒ کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۳۴۳)

لو أراد أن يعلم حقيقة من أمر بقتله ومن الذي كرهه لم يقدر على ذلك' وان كان قد قتل في جواره و زمانه وهو يشاهده' فكيف لو كان في بلد بعيد و زمن قديم قد انقضى' فكيف يعلم ذلك فيما انقضى عليه قريب من أربعمائة سنة في كان بعيد وقد تطرق التعصب في الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب فهذا أمرٌ لا تعرف حقيقة أصلاً واذا لم يعرف وجب احسان الظن بكل مسلم يمكن احسان الظن به' وأما الترحم عليه جائز' بل هو مستحب' بل هو داخل في قولنا في كل صلاة (اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات) ' فانه كان مؤمناً والله أعلم " كتبه الغزالي " (۱)

''اور یزید صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسین کو قتل کرایا یا اُس کا حکم دیا یا اُس پر راضی ہوئے۔ پس جب کہ یہ قتل اُن (یزید) سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر اُن کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''بدگمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''مسلم کا مال، اس کی جان، اس کی عزت اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے''۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے، اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں ہی

(۱) وفیات الاعیان لابن خلکان، ج ۱، ص ۴۶۵، مطبوعہ مصر

کیوں نہ ہوا ہو تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے جو دُور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہے۔ پس کیونکہ اس واقعہ کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو، جس کی وجہ سے متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہوں پس ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں۔ رہا ان پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہر نماز کے اس قول اللھم اغفرلنا للمومنین و المومنات میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہہ الکیا الھر اسی کے استفتا اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے راضی تھے۔

"ومنع من شتمه ولعنه' لأنه مسلم' ولم يثبت بأنه رضي بقتل الحسين' وأما الترحم عليه فجائز' بل مستحب' بل نحن نترحم عليه في جملة المسلمين والمؤمنين' عموما في الصلوات"[1]

"اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ) پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے، رہا اُن پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین ومومنین کے شمول میں مانگا کرتے ہیں۔"

---

(۱) ص/۱۷۳ ج/۱۲ البداية والنهاية

کتاب فضل یزیدؒ:

پانچویں و چھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی اُمیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کر لی تھی۔ کذب و افترا سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے۔ بعض صلحائے اُمت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے۔ منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: کان من سخاء الحنابلة و کان یزار (یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجع عوام تھے) (ص/۳۲۸ ج/۱۲، البدایہ و النہایہ)۔ انھوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی:

"وله مصنف فی فضل یزید بن معاویه اتی فیه بالغرائب والعجائب"(۱)

''اور ان کی (شیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کیے ہیں۔''

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب ''فضل یزید'' کی شہرت ہوئی تو خلیفہ وقت الناصر الدین اللہ عباسی شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے بہ تبدیل ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصر نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب اُنھوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

"فسأله الخليفة عن يزيد أيلعن أم لا؟ فقال لا أسوغ لعنه لأني لو فتحت هذا الباب لأفضى الناس الى لعن خليفتنا. فقال الخليفة: ولم؟ قال: لأنه يفعل أشياء منكرة كثيرة' منها كذا وكذا ' ثم شرع يعدد

(۱) ص/۳۲۸، ج/۱۲، البدایہ والنہایہ

على الخليفة أفعاله القبيحة ' وما يقع منه من المنكر لينزجر عنها ' فتركه الخليفة و خرج من عنده وقد أثر كلامه فيه' وانتفع به"(۱)

"خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ لعن ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انھوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنانے شروع کر دیئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کردی۔ اور ان کے پاس سے اُٹھ آئے لیکن ان کے کلام کا اثر اُن کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔"

امیر المؤمنین الناصر الدین اللہ عباسی متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے، یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں اُن کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذات خود بلند پایہ عالم تھے اور علما و فضلا کے قدر دان۔ علم حدیث سے شغف تھا اور متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فن حدیث میں اُن کی کتاب روح العارفین کے نام سے ہے۔ (الاعلام زرکلی)۔ ۵۸۹ھ میں دارالعلوم نظامیہ بغداد میں دارالکتب بصرف کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (۲)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریا دل تھے۔ صاحب مرأۃ الزماں لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی و افطار اور مسکینوں وفقرا کے کھانے کے لیے شہر کے مختلف حصوں میں دس مکانوں میں طعام کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں، اُن کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا۔ جس طرح اُن کے جدّ اعلیٰ حضرت عباسؓ زمانہ حج میں حاجیوں کے لیے اپنے مال سے رفادہ (سقایہ) کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم و فاضل اور ان صفات کے عامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بہ تبدیل

(۱) البدایۃ النہایۃ، ج/۱۲، ص/۳۲۸ (۲) مرأۃ الزماں ج/۸، ص/۴۲۱

ہئیت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزیدؒ پر لعن کیا جائے یا نہیں، محض لغو ہے۔

صاحب کتاب الذیل علیٰ طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انھوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی وہ حنبلی ہو جنھوں نے ''مناقب یزید'' پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ اُن پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی اُن کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سن کر امیر المؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا: احسنت یا حنبلی، شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ و بحث و مباحثہ ہوتا تھا جو اُن کی وفات تک جاری رہا۔

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا ردعمل لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علیٰ الطبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت وحمید الاخلاق تھے، خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ اُن کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمتِ یزید کا مانع ہے)۔

شیخ عبدالمغیثؒ نے آنحضرت ﷺ کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی، ابن الجوزی نے اُس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا آفۃ الحدیث للرد علی عبدالمغیث۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سبّ و شتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ساتھ اُن کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ پر سبّ و شتم کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینۃ النبی سے اُنس:

امیر یزیدؒ کو مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جوار رسول ﷺ کے رہنے والوں سے بڑا اُنس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو ''دار یزید'' کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اہل مدینہ کو وظائف و عطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مؤرخ کی یہ روایت نقل کی ہے:

"دخل عبدالله بن جعفر علی یزید فقال کم کان ابی یعطیك فی کل سنة ؟ قال الف الف، قال فانی قد اضعفتها لك، فقال ابن جعفر فداك ابی و امی والله ما قلتها لاحد قبلگ فقال فقد اضعفتها لك فقیل اتعطیه اربعة آلاف الف، فقال نعم، انه یفرق ماله فی عطائی ایّاهُ اعطائی اهل المدینة"(۱)

''عبداللہ بن جعفرؓ (طیّار) یزیدؒ کے پاس آئے تو اُنھوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے۔ (ابن جعفرؓ) نے کہا دس لاکھ۔ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا۔ (یہ سن کر ابن جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لیے نہیں بھی کہا۔ (امیر یزیدؒ نے) فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سن کر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیر یزیدؒ نے) فرمایا: ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کردیتے ہیں۔ ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔''

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو

(۱) ص ۳، قسم ثانی جزء رابع من الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم

خواتین کو اپنے حبالہ عقد میں لائے۔ایک سیدہ اُم محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیّارؓ ہاشمیہ خاتون، جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ دوسری خاتون حضرت عمر فاروقؓ کی حقیقی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطاب تھیں۔ بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:

"فتزوج (يزيد) في حجةٍ حجها ام مسكين بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب" (۱)

''ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ نے) عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی اُم مسکین سے شادی کی۔''

یہ اُم مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں۔ بلاذری سے قدیم تر مؤرخ و نساب ابن قتیبہ نے سیدہ اُم مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے اُن سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کی سگی خالہ تھیں۔ (۲)

یہ خاتون عابدہ و زاہدہ تھیں۔ حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج/۳) میں بذیل الکنیٰ للنسوۃ سیدہ اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"ام مسكين بنت عاصم بن عمرؓ خالة عمر عبدالعزيز و زوجة يزيد بن معاويةؒ لها رواية عن ابي هريرة تفرد عنها ابو عبدالله" (۳)

''اُم مسکین جو عاصم بن عمرؓ کی دختر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہؒ کی زوجہ تھیں وہ ابو ہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابوعبداللہ تنہا راوی ہیں۔''

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت عمر فاروقؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس

---

(۱) کتاب الانساب الاشراف (۲) کتاب المعارف، ص/۸۰

(۳) ص/۲۰۰

اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولیٰ اُم خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے، فرماتے ہیں:

أراك أم خالد تضجين	باعت على بيعك أم مسكين
ميمونة من نسوةٍ ميامين	زارتك من طيبة فِي حوّارين
فِي بلدة كنت بها تكونين	فالصبر أم خالد من الدين
ان الذي كنت به تدلين	ليس كما كنت به تظنين

ترجمہ: اُم خالد میں دیکھتا ہوں، تمھیں یہ شکوہ ہے کہ تمھاری جگہ اُم مسکین نے لے لی ہے۔ یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں۔ اور حوارین میں تمھارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں۔ اب یہ اس شہر میں آئی ہیں جہاں تمھارا طوطی بولتا تھا۔ اُم خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔ وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔ (۱)

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیاض اور بخشش و عطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوار رسول اللہ ﷺ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہل مدینہ کے اُن اشخاص کو جو اپنے مال و زر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے۔ بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے، ایک مرتبہ جب امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیّارؓ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیر المؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔ (۲)

سیرت امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ اُن کے کردار میں کوئی

---

(۱) انساب الاشراف للبلاذری، طبع مصر

(۲) ص ۷ر، کتاب انساب الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم

خامی ایسی نہ تھی کہ اُن کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر وممانعت خروج:

نبی کریم ﷺ نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امت مسلمہ) کی بنیاد ڈالی، اُس کی تعمیر میں اخوت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کش مکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہوگیا۔ نسلی و خاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افراد اُمت جنس واحد بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکت اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمان ایزدی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ"(۱)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمھارا امیر (اولی الامر) ہو اُس کی۔"

اولی الامر (امیر) کے لیے نسل و رنگ، قبیلہ و خاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فرد ملت پر اہل حل وعقد کا اتفاق رائے ہوکر بیعت عامہ ہوجائے، خواہ نسل و رنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام، بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے:

"عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ: "اسْمَعُوا وَ أَطِيعُوا ، وَ ان اسْتُعمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ، كَأَنَّ

---

(۱) سورۃ النساء:۵۹

رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ "(۱)

''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہو جائے۔''

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابو ذر غفاریؓ سے یہی ارشاد منقول ہے:

"انَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسمَعَ وأُطِيعَ ' وَانْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ"(۲)

''میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کی حکم مانوں اور اطاعت کروں اگر چہ وہ (امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں۔''

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اُس وقت بیان کیا تھا جب مفسدین نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش و فتنہ بپا کرنے کی ابتدا کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفہ وقت کی اطاعت اور اُن کے احکام و ارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے، معصیت میں نہیں۔ **لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف۔**

شارع علیہ السلام نے اُمت کو فتنہ و فساد سے محفوظ اور اُمت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال و انتشار سے مصون و مامون رکھنے کے لیے امیر المؤمنین و حاکم وقت کے خلاف خروج و مخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشاداتِ نبوی ﷺ جن کی اسناد صحیح و جیّد ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے:

"عن ابن عباس يرويه، قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم: " من

---

(۱) صحیح البخاری باب سمع والطاعۃ للامام، حدیث رقم: ۷۱۴۲

(۲) صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء: ح/۳۶

رای من امیرہ شیئاً فکرھه فلیصبر، فانه لیس احد یفارق الجماعة شبرا فیموته الا مات میتة جاھلیة"(۱)

''حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیے، کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مرگیا، جاہلیت کی موت مرا۔''

"عن زیاد بن علاقة، قال: سمعت عرفجة، قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم، یقول: " انه ستکون هنات و هنات، فمن اراد ان یفرق امر هذہ الامة وهی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان"(۲)

''زیاد بن علاقہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عرفجہؓ سے سُنا کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہوچکی ہو تو تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کرکے احکامِ شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:

''جب کسی شخص کے لیے بیعت منعقد ہو جائے اور اُس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے اور اس پر قتال کرے تو چاہیے کہ اس دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر۔''(۳)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث میں بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

---

(۱) صحیح البخاری باب سمع والطاعۃ للامام، ح: ۱۴۳۷
(۲) صحیح مسلم باب حکم من فرق امر، ح: ۵۹
(۳) ص/۱۳۸ جلد اوّل: ازالۃ الخفاء، طبع اوّل

نے نقل کی ہے:

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم : اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منهما" (۱)

''حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لیے بیعت ہو جائے تو اُن میں سے آخر شخص کو قتل کر دو۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اول بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کے لیے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاس داری کی جائے۔ الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو اُمت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کر لے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اُسے حاصل ہو جائے تو اُس کے حقوق کی پاس داری اور اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

"عن جنادة بن ابي امية' قال: دخلنا على عبادة بن الصامت وهو مريض ' فقلنا: حدثنا اصلحك الله ' بحديث ينفع الله به سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم ' فقال : دعانا رسول الله ﷺ فبايعناه ' فكان فيما اخذ علينا: ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا ' وعسرنا ويسرنا ' واثرةٍ علينا' وان لا نُنازع الامر اهله' قال : الا ان تروا كفرا بواحاً عندكم من الله برهان"(۲)

---

(۱) اخرج البغوی

(۲) صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء: ح/۴۲

''حضرت جنادہ بن اُمیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے۔ ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی کوئی حدیث ایسی بیان فرمائیے جو آپ کے لیے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا ہمیں آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سُننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا۔ اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لیے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں برسرِ اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب کہ اُس کے کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو جب اس کے خلاف خروج کو جائز کردے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔''

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع رہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ **لانری الخروج علی الائمة ولو جاروا**۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگر وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علیٰ ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

كان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا يرون الخروج على الائمة و قتالهم السيف وان كان فيهم كما دلت دلت على ذالك الاحاديث الصحيحة المستفيضة عن النبى ﷺ لان الفساد فى القتال و الفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال۔ (۱)

(۱) ص/۸۷، ج/۳، منہاج السنة النبوية

''اہلِ سُنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی ﷺ سے صحیح احادیث مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدال کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔''

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے اور اس طرح جملہ ائمہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفا کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیز گار واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس پر راضی ہوں یا بزور شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفا پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے۔ جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ، تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اثار کے خلاف کیا اورخروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔''(۱)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے آپ کو بچا لیا۔

(۱) حیات احمد بن حنبل، ص/۲۴۶، بحوالہ المناقب لابن الجوزی، ص/۱۷۶

خلافت کے اُمیدوار:

مؤرخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلے میں گنائے ہیں جو امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچواں نام حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ہے بایں تفصیل۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ
۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذوالنورینؓ
۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ
۵۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ان حضرات میں سے اول الذکر (حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ) تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے وفات پاچکے تھے۔ ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کا ذکر زمرہ اُمیدواران میں محض عبث ہے۔(۱)

دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ

(۱) حاشیہ: صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؒ نے صحابہؓ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھ کر سُنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیر المومنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اُٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں بس یہی ایک آواز اُٹھی تھی اس پر مروانؒ نے انہیں تنبیہ کی اور اُنھیں پکڑ لینے کا حکم دیا۔ وہ بھاگ کر اُم المومنین (سیدہ عائشہؓ) کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہوگیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کرلیا۔ لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیر المومنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہوکر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہوگیا کہ بعض مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری ان لغو تفصیلات سے خالی ہے۔

رہے۔ خلیفہ مظلوم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنہ عظمیٰ اُمت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے۔ تحکیم کے وقت اُن کا نام بے شک لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمامِ خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لے لیں لیکن یہ تجویز بروئے کار نہ آئی اور نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور خلافت کی بیعت انھوں نے بطیّب خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے، اُمیدواران خلافت کے ضمن میں اُن کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔

تیسرے صاحب حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے صاحبزادے سعید ہیں۔ جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری نے اور امامہ والسیاسہ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ انھوں نے امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود یزید سے افضل ہوں۔ تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگزار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے اُمیدوار تھے اور نہ اس اُمیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا اُن کی جانب سے ظہور ہوا۔ مؤخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصول خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ

بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔صحابہ کرامؓ نے جو اُن سے ملے اُنھیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا:

"اتقیا الله ولا تفرقا جماعة المسلمین"(۱)

''تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آرہے تھے۔ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو ''**عائد البیت**'' (بیت اللہ کا پناہ گزین) کہا اور حضرت حسینؓ مکہ آ کر اپنے دادا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مکان پر اُترے۔فنزل الحسین دارالعباسؓ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اُن کے چچا اُس وقت مکہ میں موجود تھے۔ان ہی کے پاس مقیم ہوئے۔امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرت حسینؓ کو طلب خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اُس وقت خاندان بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے، تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

"و کتب یزید بن معاویة الی ابن عباس یخبره بخروج الحسین الی مکة ' وأحسبه قد جاءه رجال من اهل المشرق فمنوه الخلافة ' وعندك منهم خبر و تجربة ' فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابة' وأنت کبیر أهل بیتك والمنظور الیه ' فاکففه عن السعي في الفرقة"(۳)

''اور یزید بن معاویہؒ نے ابن عباسؓ کو مکہ خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں۔اہل مشرق (یعنی عراقیوں)

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۱۹۱ (۲) ص/۱۶۲، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۳) ص/۱۶۴، ج/۸، البدایة والنهایة

میں سے چند آدمی اُن کے پاس آئے ہیں اور اُنھیں حصول خلافت پر آمادہ کیا
ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو
انھوں نے (حسینؓ نے) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے۔ آپ اہل
بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں۔ اس لیے آپ اُنھیں
تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔''

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی، جسے شیعہ مؤرخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے، اس میں لکھا تھا:

"اني لأرجو أن لا يكون خروج الحسين لأمر تكرهه ' ولست أدع النصيحة له في كل ما تجتمع به الألفة وتطفي به الثائرة" (۱)

''مجھے اُمید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور
میں اُنھیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے اُلفت قائم
رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔''

دیگر مؤرخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزیدؒ بعبد اللہ بن عباس اور امر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو جو مکتوب امیر المومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مؤرخین نے لکھی ہے یعنی:

"واما الحسين فقد احببت الاعذار اليكم اهل البيت مما كان منه وقد
بلغني ان رجالاً من شيعة من اهل العراق يكاتبونه و يكاتبهم و
يمنونه الخلافة و يمنيهم الامرة وقد تعلمون ما بيني و بينكم من
الوصلة و عظيم الحرمة و نتائج الارحام وقد قطع ذلك الحسين وبتّهُ

(۱) ص/۱۶۴، ج/۸، البدایة والنہایة (۲) ج/۲، از کتاب دوم، ص/۱۷۱

وانت زعیم اهل بیتك و سید اهل بلادك فالقه، فاردده عن السعی فی الفرقة و رد هذا الامة عن الفتنة" (۱)

''لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل بیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہنچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں، اور حسینؓ بھی اپنی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنواُمیہ اور بنوہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں۔ آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھیے۔''

مکتوبات کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کیے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے۔ اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب سے جوابی خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطور میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمھارے ہیں انھوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے: "وعجلوا علیه بالکلام الفاحش فاقبل الیٰ حرم الله مستجیراً به"، اس لیے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے:

"وسالقاه فیما اشرت الیه ولن ادع النصیحة فیما یجمع الله به الکلمة و یطفی به الثائرة و یخمد به الفتنة و یحصن به دماء الامة"(۲)

''تم نے جو چاہا اس کے پورا کرنے کے لیے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور اُنھیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو جائیں اور اُمت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے۔''

(۱) ج۲/۲، از کتاب دوم، ص۲/۱۷۱ (۲) ج۲/۲، از کتاب دوم، ص۲/۱۷۲

یہ مکاتیب بیّن ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انھوں نے حضرت حسینؓ کو حصول خلافت پر آمادہ کرنے کے لیے شروع کیں اور یہ خطوط جو شیعہ مؤرخین نے درج کیے ہیں مسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسینؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے تھا۔

حضرت حسینؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہؓ و تابعینؒ کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کوئی اقدام ایسا نہ اُٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ اُمت میں پڑے۔

ثقہ مؤرخین نے صحابہ کرامؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کیے ہیں جو انھوں نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج پر اُن کو کیں۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے فرمایا تھا:

"غلبنی الحسین علی الخروج وقلت له: اتق الله فی نفسك والزم بیتك ولا تخرج علیٰ امامك"(۱)

"حسینؓ نے مجھ پر خروج کرنے کے لیے زور دیا تو میں نے کہا: اپنے دل میں اللہ سے ڈرو اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) کے خلاف خروج نہ کرو"

حضرت ابو واقد اللیثیؓ نے اُن کو روانگی کے بعد راستہ میں جا کر اُن کو روکا اور فرمایا:

"فناشدته الله ان لا تخرج فانه من یخرج غیر وجه خروج انما خرج یقتل نفسه"(۲)

"میں نے اُنھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے۔"

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

"کلمتُ حسیناً فقلت له : اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض"(۳)

(۱) ص/۱۶۳، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) ص/۱۶۳، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۳) ص/۱۶۳، ج/۸، البدایہ والنہایہ

''میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے نہ مرواؤ۔''

اسی طرح دیگر صحابہ کرامؓ کی گفتگوؤں کے کلمات مؤرخین نے نقل کیے ہیں۔ خود اُن کے سوتیلے بھائی محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) اور اُن کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خُسر بھی تھے۔

یمن سے ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین امیر یزیدؒ کی خدمت میں یمن کے محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اُسے گرفتار کرلیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ اُنھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ مگر حضرت حسینؓ نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا رہا۔

پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے بھی بالآخر اُن سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے اُن کے عزیز و ہمدردان اُن سے کہتے رہے۔

"یا حسین الا تتقی الله ! تخرج من الجماعة و تفرق بین الامة بعد اجتماع الکلمة"(۱)

''اے حسینؓ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو، اور اُمت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔''

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ" (۲)

''میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا۔ تم میرے عمل سے بری ہو

(۱) ص/۱٦٦، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) سورۃ یونس:۴۱

اور میں تمھارے اعمال سے۔"

حکومت کا نرم رویہ:

مکہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اوراس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور اُن کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ نہ اُن کی نگرانی ہوئی نہ عراقیوں کو اُن کے پاس آنے جانے سے روکا۔ حتیٰ کہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر بھی کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ قوی آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے اُن کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعہ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لیے لکھ کر بھیجے تھے۔ اس قطعہ اشعار کو شیعہ مؤرخ طبری نے بھی (جلد/ ٦ ص/ ٢١٩) درج کیا ہے اور دیگر مؤرخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ نے بھی (ص/ ١٩٤ ج/ ٨) اور ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے (ص/ ١٧٢ ج/ ٦ کتاب دوم) درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے (کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں):

يا أيها الراكب العادی مطيته[١]   علی غذافرةٍ في سيرها فحم[٢]

"اے سوار جو طیبہ (مدینہ) کی طرف ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے جس کی چال میں
بانکپن ہے کہ تھکاوٹ کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے"

أَبْلِغْ قُرَيْشًا عَلَى نَأْيِ الْمَزَارِبِهَا   بَيْنِي وَ بَيْنَ حُسَيْنِ اللّٰهُ وَالرَّحِمُ

"میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے کہ میرے
اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے"

وَمَوْقِفٌ بِفِنَاءِ الْبَيْتِ أَنْشُدُهُ   عَهْدَ الْإِلٰهِ وَمَا تُوفَى بِهِ الذِّمَمُ

---

(١) تاریخ دمشق ابن عساکر میں "الغادی لطيته" ہے۔

(٢) تاریخ دمشق ابن عساکر میں "عذافرة فی سيرة قحم" ہے۔

اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے میں اُنھیں اللہ کا عہد اور ہر اُس
چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہے

عَنَيْتُمُ قَوْمَكُمْ فَخْرًا بِأُمِّكُمُ　　أُمٌّ لَعَمْرِي حَصَانٌ بَرَّةٌ كَرَمُ

تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو ہاں وہ ماں ایسی
ہی ہیں پاک دامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔''

هِيَ الَّتِي لَا يُدَانِي فَضْلَهَا أحدٌ　　بِنْتُ الرَّسُولِ وَخَيْرُ النَّاسِ قَدْ عَلِمُوا

''وہ ایسی ہیں کہ اُن کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور
دنیا جانتی ہے سب سے اچھی۔''

وَفَضْلُهَا لَكُمُ فَضْلٌ وَغَيْرُكُم　　مِنْ قَوْمِكُمْ(۱) لَهُمْ فِي فَضْلِهَا قِسَمُ

''ان کی فضیلت میں تمھاری (حسین کی) فضیلت ضرور ہے مگر تمھارے علاوہ
بھی تمھاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو اُن کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔''

اِنِّي لَأَعْلَمُ أَوْ ظَنًّا كَعَالِمِه(۲)　　وَالظَّنُّ يَصْدُقُ أَحْيَانًا فَيَنْتَظِمُ

''میں جانتا ہوں یا جاننے والوں کی طرح گمان کرتا ہوں کیونکہ بسا اوقات گمان
سچ نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آجاتی ہے''

أَن سَوْفَ يَتْرُكُكُمْ مَا تَدَّعُونَ بِهَا　　قَتْلَى تَهَادَاكُمُ الْعِقْبَانُ وَالرَّخَمُ

''کہ عنقریب تم پر (اے باغیان مدینہ) وہی چیز نازل ہوگی جو اس بغاوت سے
تم حاصل کرنا چاہتے ہو یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمھاری طرف سے عقابوں اور
کرگسوں کے لیے سامان ضیافت ہوں گی۔''

يَا قَوْمَنَا لَا تُشِبُّوا الْحَرْبَ اذْ مسكت　　ومسكوا بحبال السلم واعتصموا

''اے میری قوم جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ اور صلح کی رسی کو مظبوط
پکڑو اور اسی پر قائم رہو۔''

---

(۱) ابن الاعثم میں ''من یومکم'' مرقوم ہے۔

(۲) ابن الاعثم میں ''انی لا علم حقا غیر ما کذب و الظن ـــ ویقتصم'' ہے۔

لا ترکبوا البغي ان البغي مصرعة　　وان شارب كأس البغي يتخم[1]

''بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کرسکتا۔''

قد جرب الْحَرْبُ مَنْ قَدْ كَانَ قَبْلَكُم　　مِنَ الْقُرُونِ وَقَدْ بَادَتْ بِهَا الْأُمَمُ

لڑائی کا تجربہ انھیں ہو چکا جو تم سے پہلے گزر چکے۔ اقوام عالم کے لیے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں۔

فَأَنْصِفُوا قَوْمَكُمْ لَا تهلكوا برحا　　فَرب ذي برحٍ زَلَّتْ بِهِ الْقَدَمُ

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بے جا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ کیونکہ اکثر بے جا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعہ اشعار سے اُس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے: اور صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے، میں اُنھیں اللہ کا عہد اور اُس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔

آزاد اور بے لاگ مؤرخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مؤرخ رینہارٹ دوزی (Reinhart Dozy) کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ

(۱) یہ شعر صرف تاریخ الطبری میں ہے۔

روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ شدید ایرانی تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حبِ جاہ کے سبب ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لیے کہ انھوں نے معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔''(۱)

برادرانِ حسینؓ کا موقف:

قطع نظر اس امر کے حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں، یہ حقیقت ثابت ہے کہ اُن کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے اُن کے چند نوجوان عزیزوں کے اُن کے ساتھ نہ ہوا۔ اور اُن کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم و فضل ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے، اس مہم میں اُن کا ساتھ دینے کے لیے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو

(۱) ص ۴۷، تاریخ مسلمانان اسپین مؤلفہ رینہارٹ دوزی، ترجمہ: فرانسس گریفن اسٹوکس۔ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں، مگر اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔ (۱)

حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتدا میں امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالف کی۔

بلاذری نے اپنی مشہور تالیف ''انساب الاشراف'' (جلد۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے اُن کا ہوا تھا، ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ نے کہا: ''یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لیے توڑوں؟''

ارکان وفد: ''اس لیے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے۔ فاجر ہے۔ شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہؒ: اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمھارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنفیہؒ: تو کیا تم کو اُس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمھارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمھارے سامنے نہیں کی تھیں تو تم ایسی بات کر رہے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے

---

(۱) ص۱۶۵ ج۸، البدایہ والنہایہ

خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کردیں۔ اس لیے اُنھوں نے کہا: اچھا ہم تمھاری بیعت کرتے ہیں اور تمھیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن زبیرؓ کی بیعت کے لیے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ : میں تو لڑوں گا نہیں، نہ اپنی خلافت کے لیے اور نہ کسی اور کی۔ لست اقاتل تابعاً ولا متبوعاً۔ (۱)

اس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ/۲۳۳ جلد/ ۸، البدایہ والنہایہ)۔ جیسا ابھی ذکر ہوا کہ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلت علمی، اتقا و پرہیزگاری، شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے غض بصر کر کے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندانِ علیؓ میں اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ ونسابہ مؤلف عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"کان محمد بن الحنیفه احد رجال الدهر فی العلم و الزهد و العبادة و الشجاعة وهو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن و الحسین"(۲)

"محمد بن حنفیہؒ علم وزہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علی بن ابی طالب کی اولاد میں حسن اور حسین کے بعد سب سے افضل تھے۔"

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف اعلام (قانوس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنفیہؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) جلد۳، انساب الاشراف للبلاذری

(۲) ص/۳۴۷، عمدة الطالب فی النساب آل ابی طالب، طبع اوّل، مطبوعہ لکھنو

"الحسن و الحسین افضل منی و انا أعلم منهما"(۱)

''حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندان بنت نبی ﷺ ہونے کی وجہ سے)
مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔''

"کان واسع العلم» و اخبار قوته و شجاعته کثیرة(۲)"

''وہ وسیع العلم تھے۔ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں۔''

بہ ایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے۔اپنے والد ماجد کے معرکہ ہائے جمل وصفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجاع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا، اُس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا، اُن کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا، آخر کس بات کا ثبوت ہے۔صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابہ کرامؓ کی طرح اس خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علی بن طالب تھے۔جن سے نسل چلی اور اُن کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ اقتدار بھی رکھتے تھے۔وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے مخالف تھے۔شیعہ مؤرخ نساب مؤلف ''عمدة الطالب فی النساب آل ابی طالب'' اُن کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وتخلف عمر بن اخیه الحسین ولم یسار معه الیٰ الکوفة و کان قد
دعاه الیٰ الخروج معه فلم یخرج یقال: انه لما بلغه قتل اخیه الحسین
خرج فی معصفات له وجلس بفناء داره وقال انا الغلام الحازم ولو

(۱) ج/۷،ص/۱۸۲ (۲) ایضاً

اخرج معهم للذهبت فی المعرکة وقتلت" (۱)

"اورعمر نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور اُن کے ساتھ کوفہ کوخروج نہ کیا حالانکہ انھوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ اُن کے ساتھ نہ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقل مند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان (حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔"

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے یہ بھائی بھی اُن کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

مؤقف صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت حسینؓ کے اس اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی وہ بزرگ ومقدس ہستیاں موجود وضوفشاں تھیں۔ جنھوں نے سالہا سال شمع نبوت ﷺ سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ ﷺ کے بعد جہادوں میں شریک ہوکر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہ دیا۔ مؤلف (محمد الخضری) "اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں:

"وقد کان فی ذالك العصر کثیر من الصحابة بالحجاز والشام

(۱) ص/ ۳۵۷، عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب، مطبوعہ لکھنؤ

والبصرة والكوفة ومصر و كلهم لم يخرج على يزيد لا وحده ولا مع الحسين"(۱)

''اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ ﷺ) کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از خود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حسینؓ کے ساتھ ہو کر۔''

صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظام خلافت:

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزیدؒ سے پہلے خلفا کے زمانے میں رہا۔ خلفا کے عمال میں متعدد صحابہؓ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور اُن کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی، کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امرا ولایت، امرا عساکر اور قضات میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسما کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات و تراجمے راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کیے ہیں جو امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت نیز اُن کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے۔ اُن میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظام ملّیہ:

عرب کی زندگی ہمیشہ قبائلی رہی ہے۔ اُس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک واحدہ تھا اور اپنے سیاسی معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر

(۱) اتمام الوفاء فی سیرة الخلفاء، ص ۱۴۷

اُموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خودمختار نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظامِ عسکری:

(۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضا کارانہ تھی۔ اُموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہنچ جائے۔

(۲) عالمِ اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب و ضرب۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو۔ یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مفلوج کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے اُمت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہوسکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور اُن کے مخالف یہ حمایت کسی طرح نہ حاصل کر سکے۔

اُمت کی حرارت دینیہ:

اُمت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم و تقویٰ، قوت ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں اُنھیں سلف صالحین سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے

مسلمانوں کومحکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجودنہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اوراس کے لیے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابراہل البیتؓ کی موجودگی میں قرن اول کے وہ مسلمان جنھوں نے قیصر وکسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کافروں اور باطل قوتوں سے جاٹکرائے، اُس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملّیہ سے اتنے بے پرواہ ہوگئے تھے کہ انھوں نے ایک فاسق اور جابر شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا، اُس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم ﷺ کے نواسے کو بے یارومددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ اُمت تھی جس نے اُس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اُس کے بعد۔ پھر اُس وقت اس اُمت کو کیا ہوگیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظام خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندانِ خلافت یعنی بنی اُمیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردار خلیفہ میں کوئی خرابی۔ زمام خلافت اسی امیر المجاہدین کے ہاتھ میں تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور اُن کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہاد قسطنطنیہ میں شریک تھے۔ اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسک حج بھی ادا کیے تھے اور اُن کی امامت میں نمازیں پڑھیں تھیں۔

بنی ہاشم اور اُموی خلافت:

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنو العم (بنو امیہ) کی خلافت کی بالفاظ دیگر اُن کی سیاسی قیادت کی خوشدلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی و خاندانی مخالفت و مغائرت ان دونوں خانوادوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے، ہرگز نہ تھی۔

جمل وصفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ سبائی لیڈر الاشترنخعی اور اُس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش

رہے۔ یہی لوگ "المحرصین علی القتال" تھے۔ (۱)

ان لوگوں کی تحریصوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) ہمیشہ اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال و قتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح و مصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

"وَكَذٰلِكَ الْحَسَنُ كَانَ دَائِمًا يُشِيرُ عَلَى أَبِيهِ وَأَخِيهِ بِتَرْكِ الْقِتَالِ، وَلَمَّا صَارَ الْأَمْرُ إِلَيْهِ تَرَكَ الْقِتَالَ، وَأَصْلَحَ اللّٰهُ بِهِ بَيْنَ الطَّائِفَتَيْنِ الْمُقْتَتِلَتَيْنِ. وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي آخِرِ الْأَمْرِ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّ الْمَصْلَحَةَ فِي تَرْكِ الْقِتَالِ أَعْظَمُ مِنْهَا فِي فِعْلِهِ" (۲)

"اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ و جدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انھوں نے جنگ ترک کردی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح اُن کے ذریعہ کرادی۔ (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہوگئی تھی کہ جنگ ترک کر دینے میں مصلحت (مفاد اُمت کی خاطر) اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال و قتال جاری رہے۔"

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح و مصالحت کے حامی تھے۔ لسان نبوی ﷺ سے اُن کے اقدامِ صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک اُمت کے متحارب گروہوں میں صلح و مصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

"وَهٰذَا يُبَيِّنُ أَنَّ الْإِصْلَاحَ بَيْنَ الطَّائِفَتَيْنِ كَانَ مَمْدُوحًا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ مَا فَعَلَهُ الْحَسَنُ مِنْ ذٰلِكَ كَانَ مِنْ أَعْظَمِ فَضَائِلِهِ وَمَنَاقِبِهِ الَّتِي أَثْنَى بِهَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ. وَلَوْ كَانَ الْقِتَالُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا لَمْ

(۱) ص/۲۲۴، ج/۲، منہاج السنہ (۲) ص/۲۴۳، ج/۲، منہاج السنۃ ابن تیمیہ

يُثْنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أَحَدٍ بِتَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ مُسْتَحَبٍّ"۔(۱)

''اور اس (اظہار پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (اُمت محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح و مصالحت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابل مدح ہے۔ چنانچہ حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ اُن کے فضائل و مناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے ستائش کی ہے اور اگر قتال و جدال واجب اور مستحب ہوتا تو نبی ﷺ واجب و مستحب فعل کے ترک کر دینے کی تعریف نہ فرماتے۔''

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے، ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ اُن کے یہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابر بنی ہاشم کے لیے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ و عمل حسنہ کی مثالیں بھی اس خصوص میں شمع ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی و سیاسی امور کی انجام دہی کے لیے آپ ﷺ نے بنی اُمیہ کے افراد کو زیادہ منتخب و متعین فرمایا۔

عمّال نبوی ﷺ میں بھاری اکثریت اُموی بزرگوں ہی کی تھی۔ اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت ﷺ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیمار کا۔ دیگر اُموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمالِ نبوی ﷺ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابو ذر غفاریؓ نے تقرری کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"وَكَانَ بَنُو أُمَيَّةَ أَكْثَرَ القَبَائِلِ عمَّالا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَإِنَّهُ لما فتح مكة استعمل عليها عتّاب ابن أسيد بن أبي العاصي بن أُمَيَّةَ وَاستَعمَلَ

(۱) ص/۱۴۲، ج/۲، منہاج السنۃ ابن تیمیہ

خَالِدُ بنُ سَعِيدِ بنِ العَاصِ بنِ أُمَيَّةَ ، وَأَخَوَيهِ أَبَان بن سَعِيدٍ وَسَعِيد بن سَعِيدٍ عَلَى أَعمَالٍ أُخر ، وَاستَعمَلَ أَبا سفيان بن حَرب بنِ أُمَيَّةَ عَلَى نَجرَانَ أَو ابنَهُ يَزِيدَ ، وَمَاتَ وَهُوَ عَلَيهَا ، عَلَيهَا ، وَصَاهَرَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ ببناته الثلاث لِبَنِي أُمَيَّةَ"، (۱)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں دوسرے قبیلوں و خاندانوں کی بہ نسبت بنی اُمیہ کے افراد اکثر و بیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتابؓ بن اسید بن ابی العاص بن اُمیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالدؓ بن سعید بن ابی العاص بن اُمیہ اور اُن کے دونوں بھائیوں ابانؓ و سعیدؓ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز ابوسفیانؓ اور اُن کے صاحبزادے یزیدؓ کو بھی عامل مقرر کیا۔ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے۔ نیز نبی ﷺ نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہا۔''

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اُموی خلافت کی تائید و حمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے والیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندہی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پُر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں، جعفریوں، عقیلیوں علویوں نے بشمول اولادِ حسنؓ و حسینؓ نہ صرف اس بغاوت سے قطعاً علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزیدؒ کی بیعت پر مستقیم رہے۔ اور جو اتہامات امیر یزیدؒ پر شراب نوشی اور ترکِ صلوٰۃ کے لگائے گئے، اُس کی تردید و تکذیب کی بلکہ بعض افراد نے بنو اُمیہ کے اہل و عیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طرزِ عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت

(۱) ص/۱۴۵، ج/۲، منہاج السنۃ

موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندان نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے مؤقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"و کذلك لم یخلع یزید احد من بنی عبدالمطلب وقد سئل محمد بن الحنفیه فی ذالك فامتنع من ذالك اشد الامتناع و ناظرھم و جادلھم فی یزید و رد علیھم ما اتصموۃ من شرب الخمر و ترکه بعض الصلوٰۃ" (۱)

''اور اسی طرح بنو عبدالمطلب کے کسی ایک فرد نے بھی یزیدؒ کی بیعت نہ توڑی اور جب محمد بن علیؓ (الحنفیہ) سے اس بارے میں کہا گیا تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یزیدؒ کی موافقت میں اُن سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ کے لوگ لگاتے تھے ان کی تردید و تکذیب کی۔''

غرض یہ کہ خاندان نبوت کے یہ سب افراد خلیفہ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے۔ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے۔ باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزیدؒ کی بیعت کی مخالفت میں ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج و بغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا، حضرت ابن عباسؓ مع اپنے بھتیجے محمد بن علیؓ (الحنفیہ) مکہ سے طائف چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد جب اُن کا آخری وقت آپہنچا تو اپنے صاحبزادے (علی السجاد بن عبداللہ بن عباس) کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنوالعم (بنو اُمیہ) کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے

(۱) ص/۲۱۸، ج/۸، البدایہ والنہایہ

گئے جو ملک شام و حجاز کا سرحدی مقام ہے۔

اسی طرح حضرت محمد بن علیؒ (الحنفیہ) بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اُموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸/ص ۲۶۴-۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔

غرض یہ کہ خاندان نبوت (بنی ہاشم) اور خاندان خلافت (بنو اُمیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۸/ص ۲۶۵) محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اُمیہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں، ان کی اطاعت اس لیے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔

حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پرخروج کا اقدام اُن کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی۔ دونوں کے نقطہ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات (حاشیہ) برس کی تھی۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح و مصالحت کرا دیں گے۔ اس حدیث کے الفاظ انَّ ابنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَن يُصلِحَ بِهِ بينَ فِئَتَينِ عَظِيمَتَينِ مِنَ المُسلِمِينَ (صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی، ح:۲۷۰۴) کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ (۱)

---

(۱) کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص/۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۶ھ میں بعد غزوہ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ اُحد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حسنؓ و حسینؓ بالترتیب ۴ اور ۳ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے بعد کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے اُن کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود اُن ہی کی زبانی اصحاب سیر تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ خلافت میں جب مسجدِ نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں، میں نے اُن سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اُتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جائیے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے اُن کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"فَقُلتُ: انزِل عَن مِنبَرِ أَبي وَاذهَب اِلَى مِنبَرِ أَبِيكَ' فَقَالَ: اِنَّ أَبي لَم يَكُن لَهُ مِنبَرٌ" فَأَقعَدَنِي مَعَهُ' فَلَمَّا نَزَلَ ذَهَبَ بِي اِلَى مَنزِلِهِ ' فَقَالَ: أَي بُنَيَّ ' مَن عَلَّمَكَ هَذَا ؟ قُلتُ : مَا عَلَّمَنِيهِ أَحَدٌ" (۱)

''میں نے اُن سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے) کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اُتر جاؤ اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ۔ (یہ سن کر) انھوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے۔ پھر انھوں نے مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ اور خطبہ تمام کرنے کے بعد جب منبر سے اُتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمھیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے بھی نہیں سکھائی۔''

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المومنین موصوف کے پاس آ کر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اُسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی ۵۴ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص/۸۲ ج

(۱) ج/۳، ص/۹، تاریخ الاسلام مؤلفہ شمس الدین ذہبی

از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلة الریاسة سعة الصدر یعنی سرداری و حکمرانی کا آلہ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے، حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ و کان معاویه واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذالك بلغ ما بلغ۔ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بُردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہنچے جو ان کو حاصل تھا۔ پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کان مالا حمل من الیمن الیٰ معاویة فلما مرّ بالمدینة وثب علیه الحسین بن علیؓ فاخذه وقسمه فی اهل بیته و موالیه و کتب الی معاویة''۔(۱)

''صوبہ یمن سے (جو مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا) معاویہؓ کے پاس جارہا تھا۔ جب (قافلہ) مدینہ سے گزرا، حسین بن علیؓ نے اُس پر قبضہ کرلیا اور اپنے عزیزوں اور موالیوں میں تقسیم کردیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کردی۔''

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مؤرخین و مؤلفین نے بتام و کمال نقل بھی کردیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً تحریر بھیجی، اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا:

''لان الوالی احق بالمال ثم علیه المخرج منه و ایم الله لو ترکت ذالك حتی صار الی لم ابخسك حصتك منه ولکنی قد طننتُ یا ابن اخی ان فی راسك نزوة و بودی ان یکون ذالك فی زمانی فاعرف لك قدرك و اتجاوز عن ذالك ولکنی والله اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرك فواق ناقه''۔(۲)

''کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ)

---

(۱) شرح ابن ابی الحدید ج ۲/ص ۲۸۱/ مطبوعہ ایران

(۲) ص/۹۸۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ، ج/۲، ص/۱۸۲ از کتاب دوم، مطبوعہ ایران

کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمھارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمھارے دماغ میں حدّت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گزرو کہ میں تمھاری قدر کرتا ہوں اور تمھاری ان باتوں سے درگزر کر سکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمھارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمھارا مطلق پاس ولحاظ نہ کرے۔"

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مؤرخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کیے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کردی ہے، نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مؤرخ مؤلف "اخبار الطّوال" نیز شیعہ مؤرخین طبری، ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابومخنف کی روایت سے بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

"حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں اعمالِ (مال قافلہ) را ماخوذ داشت"(۱)

"حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص اُن کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو ماخوذ کر لیا تھا)۔"

شیعہ مؤرخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابومخنف کی سند سے بیان ہوا ہے، راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ وحکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہو جانے سے قبل کسی فرد اُمت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو، پبلک مال کی تقسیم کرنے کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصود اعلیٰ اس واقعہ

(۱) ص/۲۰۹، ج/۲، از کتاب دوم، ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران

کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اُموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا۔ کسی کچھ ملاطفت و درگزر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے اُن کے ساتھ کیا جاتا رہا۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ (بعد وفات حضرت حسنؓ) حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگزر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم و کریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اُن کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے:

"ثُمَّ مِنَ المَعلُومِ مِن سِيرَةِ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ مِن أَحلَمِ النَّاسِ ' وَأَصبَرِهِم عَلَى مَن يُؤذِيهِ ' وَأَعظَمِ النَّاسِ تَألِيفًا لِمَن يُعَادِيهِ" (۱)

"(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی اُن کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی اُن کی مخالفت اور دُشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔"

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو اُن کی قرابت قریب تھی۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ وہ اُن کو بہت عزیز رکھتے، حُسنِ سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔

غالی مؤرخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی اُمیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اُموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا، قطعاً بے بنیاد اور پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے بھائی خلافت کے

(۱) ج/۲، ص/۲۱۹، منہاج السنۃ

بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کرلیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو اُن کے اتباع میں بیعت کی اور اُس پر مستقیم رہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا آلَتِ الخلافة الى أخيه وأراد أن يصالح شقَّ ذَلِكَ عَلَيهِ وَلَم يُسَدِّد رَأيَ أَخِيهِ في ذلك ' بل حثّه على قتل أهل الشّام ' فَقَالَ لَهُ أَخُوهُ: وَاللَّهِ لَقَد هَمَمتُ أَن أَسجُنَكَ فِي بيتٍ وأُطبِقَ عَلَيكَ بَابَهُ حَتَّى أَفرُغَ مِن هَذَا الشَّأنِ ثُمَّ أُخرِجَكَ. فَلَمَّا رَأَى الحُسَينُ ذَلِكَ سَكَتَ وَسَلَّمَ"(۱)

''جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انھوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گزری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ اللہ کی قسم تم کو میں گھر میں قید کردوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کردوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمھیں نکلنے دوں گا۔ جب حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھی تو خاموش رہے اور اُن کی پیروی کی۔''

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اُموی خلافت کے نہ صرف موید تھے بلکہ اُموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام اُموی خلافت یا بنی اُمیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص وترغیب اور اُن کی دراندازیوں کی بنا پر تھا۔

---

(۱) ص/۱۵۰، ج/۵، البدایہ والنہایہ

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں:

مؤرخین نے ابومخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کر کے **فرار من بیعة یزید** (ص/۱۵۱، البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

"وَقَدْ كَثُرَ وُرُودُ الْكُتُبِ عَلَيْهِ مِن بِلَادِ الْعِرَاقِ يَدْعُونَهُ إِلَيْهِمْ ' وَجَعَلُوا يَسْتَحِثُّونَهُ وَيَسْتَقْدِمُونَهُ عَلَيْهِمْ ' لِيُبَايِعُوهُ عِوَضًا عَنْ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ : وَيَذْكُرُونَ فِي كُتُبِهِمْ أَنَّهُمْ فَرِحُوا بِمَوْتِ مُعَاوِيَةَ" (۱)

''اُن کے (حسینؓ) پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آگئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں اُن کو تحریص بلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ اُن سے بیعت کرلیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔''

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا۔ بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے، یہ تھا:

"أما بعد فقد أخضرت الجنان وأينعت الثمار ولطمت الجِمَامُ ' فَإِذَا شِئتَ فَاقْدَمْ عَلَى جُندٍ لَكَ مجندة وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ" (۲)

''امابعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہوگئے ہیں۔ میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اُگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی خدمت کے لیے موجود و مستعد ہے۔''

---

(۱) ص/۱۵۱، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۲) ص/۱۵۱، ج/۸، البدایہ والنہایہ، درج/۶، ص/۱۷۴، ناسخ التواریخ

اسی مؤرخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے، سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب وخطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت لینے کی دعوت دی گئی تھی۔ (۱)

اقدام خروج میں غلطی:

کردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ زمانہ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثہ کربلا کے بارے میں اظہار تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اما الحسين فانه خالف على يزيد وقد بايعه الناس ولم يظهر منه ذالك الجور ولا الحسف عند اظهار هذا الخلاف"(۲)

''لیکن (حضرت) حسینؓ نے یزیدؒ کے خلاف قدم اُٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہوگئے تھے اوران سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا (جو خروج کو جائز کر دیتا)۔''

اسی مؤرخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"فان الحسين احطاء خطا عظيما فى خروجه هذا الذى جر على الامة وبال الفرقه والاختلاف و زعزع عما دالفتها الىٰ يومنا هذا"(۳)

''اور (حضرت) حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا وغلطی کی جس سے اُمت میں اختلاف وافتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت والفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔''

---

(۱) ص/۱۷۵، ج/۶، ناسخ التواریخ (۲) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، ص/۲۳۵

(۳) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، ص/۲۴۵

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لیے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہوجاتے۔ فان الجماعة خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا۔ (۱)

بزرگوں سے ردّ و قدح:

۴۸ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی۔ آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خوانی سے جو محض غلط مشہور ہے۔ (حاشیہ) اس وقت حضرت حسنؓ کے قریب ترین بزرگوں میں دو ہم نام حضرات زندہ تھے یعنی عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفر الطیّارؓ۔ اول الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے اُن کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا۔ قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔ (۲)

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر الطیّارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن وصال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بدو شعور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیماتِ اسلامی و تزکیہ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلتِ صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ اُم

---

(۱) ص/۱۶۳ ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۲) مرض الحسن اربعین یوماً (تاریخ الخمیس ج/۶، ص/۳۲۶) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے، زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے، راتوں کو اُٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے، وضو کا پانی لا کر رکھتے، خدمتیں کرتے اور ازدیاد علم کی دعائیں لیتے۔ اسی کی برکت تھی کہ حبرِ اُمت (اُمت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، فکان ابن عباسؓ من کبار اهل البیت واعلمهم بتفاسیر القرآن۔ (۱)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی ﷺ کے اکابر میں سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قران کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفہ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیّب خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے، اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکامِ شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتائے اور سمجھائے جس طرح دوسروں کو بتاتے اور سمجھاتے تھے۔ کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن (۲) اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادیٔ برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سُنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو گفتگو اُن سے کی، جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں اُن کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں، بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (۳)

---

(۱) ص/۱۱۸، ج/۲، منہاج السنۃ

(۲) حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی غزوہ احد کے بعد اور حضرت حسنؓ کی ولادت ۶ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، حضرت حسینؓ کی عمر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

(۳) ص/۲۰۲، ج/۸، البدایہ والنہایہ

اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ عندہ من هذه الاشياء ما ليس عند غيره[1] یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔

طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں۔ مثال کے طور پر ابومخنف کی اس غلط روایت کو لیجیے۔ معلوم ہے کہ حضرت حسینؓ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر ''دارالعباس'' میں مقیم ہیں۔ مگر ابومخنف لکھتا ہے:

> ''عبداللہ بن عباسؓ نے حسینؓ کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سُنا تو اُن کے پاس آئے اور کہا: اے ابن عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو۔ ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو ''خبرني ما تريد ان تصنع''[2]

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے جو یزیدؒ سے بیعت خلافت کر چکے ہیں اور دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں؛ یہ کلمات منسوب کیے ہیں جو بقول ابومخنف انھوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسینؓ سے کہتے تھے:

> ''اگر تم کو اہل عراق بلاتے ہیں تو انھیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑا لیں (فلينفوا اعدوهم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔''[3]

یا اس غالی راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انھوں نے اہل عراق کو اس اولوالامر خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت پر اُبھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت

---

(۱) ص/۲۰۲، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) طبری، ص/۲۱۶، ج/۶
(۳) ص/۲۱۷، ج/۶، طبری

میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسب احکام شریعت اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے حبر الامۃ (اُمت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ بھی بیان کروادیا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت وخلافت قائم کرنے کے لیے مشورہ دیا۔

> ''اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض وطویل ملک ہے۔ تمھارے والد کے طرف دار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط وکتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے اُمید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمھیں امن وعافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔''(۱)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور آپ کے اہل بیت کے مؤقف وطرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحہ کربلا کے بعد بھی باغیان مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود اُن میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ نے اپنی بیعت کے لیے زور دیا، دباؤ ڈالا، دھمکیاں دیں، ہاشمی خاندان نے اپنے بنوالعم (بنو اُمیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ اُمت واتحاد ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا اور کوئی قدم اُن کے خلاف نہ اُٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت

---

(۱) ص ر ۲۱۷، ج ر ۶، طبری

عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''نصرت تو بر ذمت ایں امت چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ۔ سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم''(۱)

''اس اُمت پر تمھاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ۔۔۔۔قسم بخدا اگر تمھاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی اس حق کو پورا ادا نہ کرسکوں گا جو تمھارا میرے ذمہ ہے۔''

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے:

"ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضة اظھر منه فی سائر طوائف اھل القبلة" (۲)

''تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر و نمایاں ہے۔''

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ انھی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے۔ اُن کا بس چلتا تو حسینؓ کو بہ جبر روک لیتے۔ خود ابومخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ اُنھوں نے اپنے بھتیجے سے فرمایا:

"والله الذی لااله الا ھو لو اعلم انك اذا اخذت بشعرك و ناحیتك حتی یجتمع علی و علیك الناس اطعتنی لفعلت ذالك"(۳)

''قسم ہے وحدہ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمھارے مال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ لوگ میرا تمھارا تماشہ

---

(۱) ص/۱۷۰، ج/۶، از کتاب دوم، ناسخ التواریخ

(۲) ص/۱۵، منہاج السنہ (۳) ص/۲۱۷، ج/۶، طبری

دیکھنے جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لو گے تو میں ایسا ہی کر گزرتا۔"

طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ مثلاً علامہ ابن کثیرؒ نشب يدى في راسك لکھتے ہیں۔ جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بہ جبر روک لوں۔ غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث و مباحثہ اور ردّ وقدح اسی بنا پر ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی ردّ وقدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں، گویا سٹھیا گئے ہیں انك شيخ قد كبرت (۱) مگر مفادِ اُمت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، اُن کی اور اُن کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کیے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

"فان كنت سائرا فلا تسر بنسائك و صبيتك فو الله انى الخائف ان تقتل كما قتل عثمانؓ و نساؤه و ولده ينظرون اليه"(۲)

"پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہو (تو اتنی بات مان لو) کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ۔ اللہ کی قسم مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ اُن کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔"

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی۔ حالانکہ ان ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اُن کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے: انی واللّٰہ لا علم انك ناصح مشفق۔(۳)

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کیے ہیں:

"تو پسر عم پدر منی و ہموار پدر مرا برای امر زرین و اندیشہ متین در کارہا متفق بودہ و

---

(۱) ص/۱۶۴، ج/۹، البدایہ والنہایہ

(۲) ص/۲۱۷، ج/۶ طبری، ص/۱۶۰، ج/۸، البدایہ والنہایہ، ص/۱۱۰، مقاتل الطالبین

(۳) ص/۲۱۷، ج/۶، طبری

ناصحی مشفق گشتہ"(۱)

"آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی وقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔"

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ اُن کو اُس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کی گریہ کی آوازیں آئیں:

"قال الحسين لا يبعد الله ابن عباس فظننا انه انما قالها حين سمع بكاء هن لانه قد كان نها ان يخرج بهن" (۲)

"(حسینؓ) نے کہا۔ اللہ کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی۔ یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ و بکا سُنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے اُن کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں"

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر الطیّار تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بنا پر نہ تھی کہ امیر المومنین یزیدؒ اُن کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں اُن کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرف دار تھیں اور اُن کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ اُن کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ اُم کلثومؓ سے جو اُس وقت بیوہ تھیں نکاح کرلیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اُم کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب و بنت فاطمہؓ عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔

---

(۱) ص۱۷۱ / ج۶ / از کتاب دوم

(۲) ص۲۴۲، ج۶، طبری۔ ص۱۷۱، ج۸، البدایہ والنہایہ

ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ اُن کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پاگئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا۔ اُن کے فوت ہو جانے کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔"

"ثم خلف عليها بعده عبدالله بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقه لاختها زینب"۔(۱)

"ان کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں اُن کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں"

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی دو اولادیں تھیں ایک فرزند علی جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری صاحبزادی اُم کلثوم جن کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ اُن کے فوت ہو جانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔(۲)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادے علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؓ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے جو دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے، ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے۔ غالی راویوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کے لیے روائتیں وضع کی ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیق مزید:

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادرِ بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور

---

(۱) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۲۲ (۲) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۶۱

کوفیوں کے قول و قرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ اُن سے دُور ہی رہیں۔ مرة یرید ان یسیر الیهم و مرة یجمع الاقامة عنهم (۱)

اطمینان مزید کے لیے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے، تحقیق حال کے لیے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول و قرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تکن الاخری فعجل الانصراف (۲)۔ مسلم بن عقیلؓ کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین تھا۔ قدیم راوی ابومخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اُس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کرلیا، اُنھوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائے گا۔ فقال مسلم یقتل عدونا ان شاء الله (۳)

مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ پہنچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لیے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لیے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

"فبایعوه علیٰ امرة الحسین و حلفوا لینصرنه بانفسهم و اموالهم "(۴)

طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہل کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسینؓ کو حسبِ ذیل تحریر ارسال کی۔

"اما بعد فان الرائدلا یکذب اهله وقد بایعنی من اهل الکوفة ثمانیة عشر الفا، فعجل الاقبال حین یاتیك کتابی، فان الناس کلهم معك لیس لهم فی آل معاویه رای ولا هوی، والسلام" (۵)

---

(۱) ص/۱۶۱، البدایہ والنہایہ
(۲) ص/۲۴۴، اخبار الطوال
(۳) ص/۱۹۹، طبری
(۴) ص/۱۵۲، ج/۸، البدایہ والنہایہ
(۵) ص/۲۱۱، ج/۶، طبری

''امابعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لیے اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کرلی ہے۔ میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ آل معاویہ (یعنی امیر یزید سے) ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔''

اُس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ اُن کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ وفساد سے باز رکھنے کے لیے فہمائش کی۔

''أَمِيرَ الكُوفَةِ النُّعمَانَ بنَ بشير خَطَبَ النَّاس وَنَهَاهُم عَن الِاختِلَافِ وَالفِتنَةِ' وَأَمَرَهُم بِالِائتِلَافِ وَالسُّنَّةِ ' وَقَالَ: إِنِّي لَا أُقَاتِلُ مَن لَا يُقَاتِلُنِي ' وَلَا أَثِبُ عَلَى مَن لَا يَثِبُ عَلَيَّ ' وَلَا آخُذُكُم بِالظِّنَّةِ ' وَلَكِن وَاللّٰهِ الَّذِي لَا الَّا هَو لَئِن فَارَقتُم وَنَكَثتُم بَيعَتَهُ لَأُقَاتِلَنَّكُم مَا دَامَ فِي يَدِي مِن سَيفِي قَائِمَتُهُ'' (۱)

''امیر کوفہ نعمان بن بشیرؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور اُن کو اختلاف وفتنہ و فساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سُنت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اُس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اُس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا۔ لیکن قسم وحدہ لاشریک کی اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہوگئے اور بیعت ان کی فسخ کرو گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم رہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔''

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورتِ حال پر پوری طرح قابو نہ پا سکے۔ خلیفہ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لیے امور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر

(۱) ص/۱۵۲، ت/۸، البدایۃ والنہایۃ

سپرد کردی۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد نے بہ عجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہنچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کرلیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی:

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ کا قلع قمع کرنے لیے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے، مجتمع کیا "یا منصور امت" شعار (Watch Word) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے اُنھیں مرتب کیا۔

"فعقد لعبد الرحمن بن كريز الكندى على كنده وربيعه' وعقد لمسلم بن عوسجة على مذحج واسد' وعقد لأبي ثمامة الصيداوى على تميم وهمدان' وعقد للعباس بن جعدة بن هبيرة على قريش والانصار' فتقدموا جميعا حتى أحاطوا بالقصر ' واتبعهم هو في بقية الناس. وتحصن عبيدالله بن زياد في القصر مع من حضر مجلسه في ذلك اليوم من اشراف اهل الكوفة والأعوان والشرط ' وكانوا مقدار مائتي رجل"(۱)

"پس (مسلم نے) عبدالرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابوثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر متعین کیا۔ اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا اور ان کے بقیہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دوسو اشخاص سے زیادہ نہ تھی، محصور ہوگئے۔"

---

(۱) ص/۳۵۲، اخبار الطّوال

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہوکر قصر کا احاطہ کیے ہوئے تھے، فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:

"یا اھل الکوفة اتقوا الله ولا تتعجلوا الفتنة ولا تشقوا عصا ھذہ الامة ولا توردوا علیٰ انفسکم خیول الشام فقد ذقتموھم و جربتم شوکتھم"(۱)

''اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ و فساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس اُمت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے کے لیے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔''

ان باتوں کو سُن کر اور قوی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سن کر جس میں اطاعت امیر کے وجوب اور خروج و بغاوت کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کیے گئے تھے، لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جو لوگ قصر امارت کو گھیرے ہوئے تھے اُن کے اعزہ و اقربا آن آن کر اُن کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ:

"وتجیء المراء ة الی ابنھا و زوجھا و اخیھا فتعلق به حتی یرجع"(۲)

''عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہنچیں اور ہٹ جانے کے لیے منتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں۔''

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہوکر بغاوت کی پاداش نیز قصر امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی، تلوار چلانے کی سزا میں قتل

---

(۱) ص/۳۵۲، اخبار الطّوال (۲) ص/۳۵۲، اخبار الطّوال

کیے گئے۔ اُن کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی تو کوئی حکومت یا اُس کا عامل ملک کے نظم ونسق کو ہرگز قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کیے جانے سے پہلے اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند عمر بن سعدؒ امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا، میری لاش کی تدفین کرنا، اور حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں راستہ ہی سے لوٹ جائیں کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مؤرخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

”وابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصدا من قبلك' يعلمه حالي' وما صرت اليه من غدر هؤلاء الذين يزعمون انهم شيعته' واخبره بما كان من نكثهم بعد ان بايعني منهم ثمانية عشر الف رجل' لينصرف الی حرم الله' فيقيم به' ولا يغتر باهل الكوفة“ (۱)

”حسین بن علیؓ کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو اُن سے میرا یہ سب حال بتائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے تھے۔ وہ ان کو یہ بھی اطلاع دیدے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر اُن کے لیے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہذا وہ حرم اللہ (مکہ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرّہ نہ کریں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔“

عمر بن سعدؒ نے مسلم بن عقیلؓ کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مؤرخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو مسلم بن عقیلؓ کا پیغام قاصد کے ذریعے پہنچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کی بجائے عمر بن سعدؒ کو اجازت دی۔ فاجاز ذالك كله (۲) اور کہا اگر حسینؓ یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔

(۱) ص/۲۵۴، اخبار الطوال (۲) ص/۱۵۷، ج/۸، البدایہ والنہایہ

کوفہ کو روانگی:

اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیلؒ کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں، حضرت حسینؓ کو کوفیوں کی وفاداری و جاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ و تذبذب باقی نہ رہا، عزم سفر مصمم ہوگیا۔ دار العباس سے اُٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ سامان سفر اور اسلحہ کی درستگی ہونے لگی۔ ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو اُن ہی ایّام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ پہنچا تھا:

"دخلت الحرم فِي أيام الحج ' وَذَلِكَ فِي سنة ستين ' اذ لقيت الحُسَين بن علي خارجا مِن مَكَّةَ مَعَهُ أسيافه وتراسه' فقلت: لمن هَذَا القطار؟ فقيل: للحسين بن علي" (۱)

"میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علیؓ کو مکہ کے باہر پایا۔ تلواریں اور ڈھالیں اُن کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار (اونٹوں کی) کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علیؓ کے ساتھ ہے۔"

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مؤرخین نے نقل کر دیا ہے۔ برخلاف ان کے علامہ ابن کثیرؒ نے ۱۰/ ذی الحجہ بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"فَخَرَجَ مُتَوَجِّهًا اِلى العِرَاقِ في أَهلِ بَيتِهِ وَسِتِّينَ شَيخًا مِن أَهل الكُوفَةِ وَذَلِكَ يَومَ الِاثنَينِ في عَشرِ ذِي الحِجَّةِ سَنَةَ سِتِّينَ" (۲)

---

(۱) ص/۲۱۸، ج/۶، تاریخ الطبری (۲) البدایۃ والنہایۃ

''پس (حسینؓ) اپنے اہل خاندان اور ساٹھ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہنچ جانے کے لیے روانہ ہوگئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ کی دسویں تھی اور دن پیر کا تھا۔''

معمولی حالات میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابل لحاظ نہ ہوتا۔ لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور اُن کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد ۱۰۰ نفوس کے لگ بھگ تھی، فریضہ حج ترک کرکے مسافت بعیدہ پر یکا یک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہوسکتا ہے کہ فرزوق شاعر سے ایک سوال منسوب کرکے غالی راویوں کی حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرانا مقصود ہو:

مَا أَعجَلَكَ عَنِ الحَجِّ ؟

فَقَالَ: لَو لَم أَعجَل لَأُخِذتُ. (۱)

(سوال فرزدق): ایسی کیا جلدی ہے کہ آپ فریضہ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

(جواب حسینؓ): میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابل قیاس ہے یا نہیں۔ اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:

اولاً: حضرت حسینؓ اور اُن کے اعزا و اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پر روشن ہے۔ ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزت نفس کی خاطر قربان کردینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضہ حج بھی ترک کردیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا، صرف ایک رات ہی تو درمیان میں تھی۔

ثانیاً: جملہ مؤرخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ

---

(۱) ص/۱٦٧، ج/۸، البدایۃ والنہایۃ

معظّمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہ شعبان، رمضان، شوال وذی قعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے اُن کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کے حلف اُٹھاتے رہے۔ ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں اُن کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی بایں ہمہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو اُن کے پاس آنے جانے سے روکا گیا۔ نہ خط وکتابت پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً: حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظّمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدہام نہ ہوا تھا، شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی، عامل مکہ کو بھیج کر باآسانی اُن کے خلاف کارروائی کی جاسکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراق تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر وتشدد کے بجائے اُن کے ساتھ نرمی اور ملاطفت ومفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہوچکا۔ خود امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آجارہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کررہے ہیں۔

خامساً: جب اس چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی اُن کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ ایام حج خصوصاً ایام ترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہوجاتے ہیں، حدودِ حرم کے اندر جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو، حضرت حسینؓ جیسی ممتاز ومحبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت قدرتاً وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جان ممکن ہو سکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعت ثانیہ تھا۔

زمانہ اسلام میں تو حدود حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اُس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت کر بھی بیٹھتا تو یقیناً وحتماً اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی۔ اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لیے یہ کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کررہے تھے وہ مقصد دشوار گزار اور طویل سفر کی صعوبتیں اُٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بہ سہولت اور بآسانی حاصل ہوجاتا۔ اور اگر کردار خلیفہ میں ایسی کوئی بُرائی تھی کہ اُس کو معزول کرنا یا اُس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظّمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیاباں کی تیس منزلیں طے کرکے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ اُن کے والد اور دادا بزرگ کو پہلے ہی ہوچکا تھا۔

غرضیکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے، کسی طرح بھی قابل پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب ''مقتل حسین بن علیؓ'' یعنی ابومخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۵۷ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے، روانگی کوفہ کی صحیح تاریخ کے تعین کا مزید ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت:

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لیے حضرت علیؓ کو صحابہؓ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا۔ کارمفوضہ کی انجام دہی کے

بعد وہ مع قافلہ اموال حج کے ایام میں مکہ معظّمہ پہنچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری۔ نیز اسد الغابہ جز اوّل ص/٦٧ و مسند احمد بن حنبل جز/٥ ص/ ٣٥٨۔٣٥١) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقر خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظّمہ پہنچ جاتا اور اہل قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر (دمشق) جا کر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال و خلیفہ وقت کو پیش کر دیتے۔ محاصل و اموال میں یمنی چادریں، حلّے و پوشاکیں و دیگر اشیائے نفیسہ ہوتیں۔ علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبوی ﷺ میں کیا تھا اُس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلّے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی۔

دیگر کتب تاریخ و سیر علاوہ مؤرخ مسعودی نے بھی لکھا ہے:

"وصار اليه في هذه السنة السيد والعاقب وافدا اهل نجران يسالانه الصلح، فصالحهما عن اهل نجران على الفى حلة في السنة وغير ذلك"(1)

''اس سنہ (یعنی ۹ ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سرداروں نے جو) السید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں۔ پس آپ ﷺ نے اُن کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلّے سالانہ کی ادائیگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ بلافصل اور امام اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا: وعليهم

(1) ص/٢٧٥، التنبیہ والاشراف، مطبوعہ بریل ١٨٩٤ء

النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق (تاریخ الطبری) یعنی ان پر جو واجب ہے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سبا بھی تھا۔ معاہدہ کے مطابق اموال جزیہ میں حلّے (پوشاکیں) برویمانی و دیگر اشیائے نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفہ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف ''مقتل حسین بن علیؓ'' نے بیان کیا ہے اور قدیم مؤرخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل را چہ عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ الطّوال ابوالفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے:

''چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے رانگریست کہ مبلغ بردیمانی و پارہ درس وبعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد و این جملہ را بحرین بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود بنزدیک یزید انفاذ داشتہ بود، حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں اموال را ماخوذ برداشت وشتر بانان را فرمود اگر خواہید باما سفر عراق میکنید وشتران خود را بہای کری از مامی ستانید واگر نہ بہای کری تا ایں جا کہ حمل دادہ اید بگیرید و باز شوید جماعتے ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند وگروہے بہای کری بگرفتند باز شدند۔''(۱)

''جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہنچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ درس (خوشبوئیں) اور کچھ نفیس اشیا لے جا رہا تھا اور ان سب کو بحیر بن یسار حمیری نے

(۱) ص/۲۹، ج/۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ، مطبوعہ ایران

جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا۔ حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا ان اموال کو ماخوذ کرلیا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر پر چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری کا جو کرایہ ہوتا ہے وہ لے لو۔ شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے۔"(۱)

مؤرخین میں سے کسی نے بھی ابومخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و روایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور بے چون و چرا نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہ کوفہ (جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے) یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں۔

یمن سے جو قافلہ مکہ سے گزر کر دمشق جارہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جاسکتا تھا جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے۔ بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستے پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہنچ سکتا الاّ یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جائے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے اور پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مؤرخین نے ابومخنف کی یہ روایت نقل کردی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے یمنی قافلہ پر نظر پڑی جو امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جارہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کرلیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہوجانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہنچ جانا

---

(۱) یہ واقعہ امیرالمومنین یزیدؒ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

ممکن الوقوع نہیں۔

مگر ان مؤرخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطّوال لکھتے ہیں:

"ولما فصل الحسين بن علی من مكة سائرا ' وقد وصل الى التنعيم لحق عيرا مقبلة من اليمن ' عليهما ورس وحناء ' ينطلق به الى يزيد بن معاوية' فأخذها وما عليها. وقال لأصحاب الابل: من أحب منكم ان يسير معنا الى العراق اوفيناه كراه"(۱)

''جب حسین بن علیؓ سفر پر جاتے ہوئے مکہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے انھیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا۔ جس پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ (مال) یزید بن معاویہ کے پاس جارہا تھا۔ آپ نے اُس کو ماخوذ کرلیا اور جو مال تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے اُس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا۔''

ابن جریر طبری علامہ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بنا پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابومخنف کی کتاب کا شاید کُل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کردیا ہے۔ ان علامہ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"ان الحسين أقبل حَتّى مر بالتنعيم' فلقيِ بِهَا عيرا قَد أقبل بِهَا من اليمن' بعث بِهَا بحير بن ريسان الحميري الَى يَزِيد بن مُعَاوِيَة ' وَكَانَ عامله على اليمن وعلى العمير الورس والحلل ينطلق بِهَا الَى يَزِيد مُعَاوِيَةفأخذها الحُسَين ' فانطلق بِهَا ' [ثُمَّ قَالَ لَأصحَاب الابل : لا أكرهكم ' من أحب أن يمضي معنا الَى العراق (الى آخره)" (۲)

''جب حسینؓ (سفر عراق پر) روانہ ہوئے پہاڑوں تک کہ مقام تنعیم پر پہنچے تو ایک قافلہ ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جسے بحیر بن ریسان حمیری نے یزید بن

(۱) ص/۲۵۸، اخبار الطّوال (۱) ص/۲۱۸، ج/۶، تاریخ الطبری

معاویہ کے پاس بھیجا تھا وہ اُن کا عامل یمن تھا اور اس قافلہ کے پاس ورس اور
حلّے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جارہے تھے۔ حسینؓ نے
(قافلہ کو) ماخوذ کرلیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ
میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ
دیا جائے گا)۔"

اب ایک اور علامہ وقت، مؤرخ ومحدث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو جنھوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ابومخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کردیا ہے اس لیے ہم بھی نقل کیے دیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے اُن کو عامل
یمن بحیر بن زیاد الحمیر ی کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر "ورس وحلل کثیرۃ" یعنی
خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزیدؒ بن معاویہؓ کے
پاس جارہا تھا، اس کو حضرت حسینؓ نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیہا الی
الکوفۃ رفع علیہم اجرتہم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر
کیا اور اُجرتیں بھی ادا کردیں)۔

یمن کے صدر مقام صنعاء سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔ (۱)

من مکۃ الی صنعاء احدی و عشرون مرحلۃ (۲)

یعنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظّمہ وارد ہوا تو اہل قافلہ کو جن عامل یمن کے فرستادہ اہلکار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بحفاظت خلیفہ وقت کے پاس لے کر جارہے تھے۔ ایسا کیا خوف دامن گیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافاتِ شہر میں تنعیم کے مقام پر پہنچ جاتے جو مدینہ کے

(۱) ص/۱۶۶، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) ص/۱۰۳، کتاب البلدان یعقوبی، مطبوعہ ۱۸۶۰ء

راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول و دستور قدیم یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گزرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق میں سے ۱۰ تا ۱۱ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔ مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔
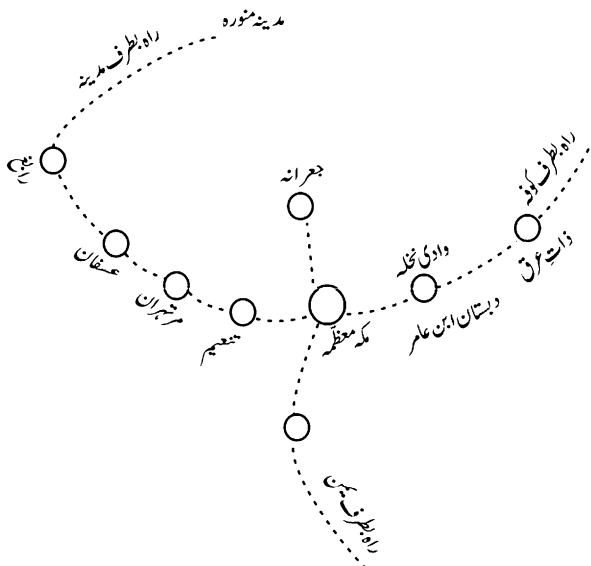
تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لیے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور

ایک مسجد بھی مسجد عائشہؓ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح کیا ہے:

"التَّنعيمُ : موضع بمكة في الحل، وهو بين مكة وسرف، على فرسخين من مكة وقيل على أربعة، وسمي بذلك لأن جبلا عن يمينه يقال له نعيم وآخر عن شماله يقال له ناعم، والوادي نعمان وبالتنعيم مساجد حول مسجد عائشة وسقايا على طريق المدينة، منه يحرم المكيون بالعمرة"(۱)

"تنعیم مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے، اُترنے کا مقام ہے اور مکہ و سرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لیے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے۔ تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہؓ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہ مدینہ پر ہیں۔ اہل مکہ عمرہ کے لیے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔"

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مؤلفین کتب بلدان و جغرافیہ نیز مسلم و غیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے متصل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گزر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام پر ہوا تھا، اپنے رحلہ (جزو اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التنعيم وهو على فرسخ من مكة و منه يعتمر اهل مكة هو ادنى الحل الى الحرام ومنه اعتمرت ام المومنين عائشه رضى الله عنها حين بعثهارسول اللهُ صلى الله عليه وسلّم تسليماً فى حجة الوداع مع اخيها عبدالرحمن رضى الله عنه وامره ان يعمرها من التنعيم وبينت هنالك مساجد ثلاثة على الطريق انتسب كلها الى عائشة رضى الله

(۱) ص۴۱۶/، ج۲/، معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ ۱۹۷۰ء

عنها وطريق التنعيم طريق فسيح (الى آخره)[1]

التنعیم۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر یہ (مقام) ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حدودِ حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حجۃ الوداع میں اُن کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادائے حج کے لیے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں۔ یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہؓ سے منسوب ہیں۔ تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔'' (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہل مکہ سیر و تفریح کے لیے اکثر وہاں جاتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن جنھوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین کا سفر کر کے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لیے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نواح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پکنک کے لیے جایا کرتے ہیں۔

(حاشیہ ص ۲۴۳ سفر نامہ رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگونج نے اپنی تالیف ''مکہ انیسویں صدی میں'' تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہل مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں۔ اس لیے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ (ص ۴۵)

زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم ﷺ کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جا کر کی ہے اور اس سلسلے میں تنعیم کا محل وقوع

---

(۱) ص ۸۸، رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعۃ مصر

بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے۔ دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی تغلیط و تکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسینؓ قبل حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہنچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جارہا تھا ماخوذ کیا اور شُتر بانانِ قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مؤرخین نے اسی ابومخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکان حج کلیتہً ترک بھی نہیں کیے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہو کر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے:

"خَرَجنَا حَاجِّینَ مِنَ الکُوفَةِ حَتّٰی قَدِمنَا مَکَّةَ فَدَخَلنَا یَومَ التَّروِیَةِ ' فَاِذَا نَحنُ بِالحُسَینِ وَعَبدِاللّٰهِ بنِ الزُّبَیرِ . اِنَّهُمَا أَخفَیَا کَلَامَهُمَا دُونَنَا ' فَمَا زَالَا یَتَنَاجَیَانِ ' حَتّٰی سَمِعنَا دُعَاءَ النَّاسِ رَائِحِینَ مُتَوَجِّهِینَ اِلٰی مِنًی عِندَ الظَّهِیرَةِ. قَالَا: فَطَافَ الحُسَینُ بِالبَیتِ وَبَینَ الصَّفَا وَالمَروَةِ ' وَقَصَّرَ مِن شِعرِهِ ' وَحَلَّ مِن عُمرَتِهِ ' ثُمَّ تَوَجَّهَ نَحوَ الکُوفَةِ' وَتَوَجَّهنَا نَحنُ مَعَ النَّاسِ اِلٰی مِنًی "(۱)

''حج کرنے کے لیے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل ہوئے۔ تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ ہمارے اُن کے قریب پہنچنے پر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سُنا کہ

(۱) ص/۱۶۶، ج/۸، البدایہ والنہایہ: ص/۲۱۷ ج/۶، طبری

لوگوں کو منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرہ سے فارغ ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے اور ہم ان لوگوں کی طرف جو منیٰ کو جارہے تھے۔''

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرہ سے فارغ ہو کر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانب مشرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہِ کوفہ پر نہیں بلکہ راہ مدینہ و دمشق آتا ہے کیونکر پہنچ گئے اور یمنی قافلے کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گزرتا، دو دن پہلے کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا ۸/ ذی الحجہ کو تنعیم پہنچنا اور یمنی قافلہ کو اُسی دن ماخوذ کرلینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی ۸ کے بجائے ۱۰/ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے، کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مؤرخین اخبار الطّوال، طبری، ابوالفداء، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے نیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقابلہ پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرون شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ بآسانی ماخوذ کیا جاسکتا تھا۔ فرزدق (۱) شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان مؤرخین نے یہ قول بھی اس

---

(۱) فرزدق بن غالب صعصعہ بن ناجیہ کا خسر اعین بن صعصہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا، حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل تھا۔ (اعان علی قتل عثمانؓ ص۲۱۹ جمہرہ ابن حزم)۔ فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کہ وہ بھی شاعر تھا، سبائی پارٹی کے لوگ تھے۔ اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبط بھی اسی قماش کے تھے۔ لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ محض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا۔ یہ بیٹا غیر معقب ہے۔ فرزوق مقطوع النسل ہے۔

کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا۔ عسفان جانے کا راستہ تنعیم سے ہوکر ہے۔فرزوق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی اُن کے پاس ''پوشاکیں اور ڈھالیں'' تھیں۔مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے درمیان مشاش سے مضافات مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔

فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔فرزدق کہتا ہے:

لقيت الحسين بأرض الصفاح

عليه اليلامق و الدرق

ارض صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات کی

ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں تھیں(۱)

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"الصِفَّاحُ : موضع بين حنين وأنصاب الحرم على يسرة الداخل الى مكّة من مشاش ' وهناك لقي الفرزدق الحسين بن عليّ رضي الله عنه"(۲)

''الصفاح: یہ ایک موضع وادی حنین اور انصاب (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسین بن علیؓ سے ہوئی تھی۔''

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغہ جمع آیا ہے اس کا واحد یلمق ہے جو ایک دھاری دار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی۔ بمرور ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی۔ شاعر کی مُراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے

---

(۱) ص/۳۶۶، ج/۵، معجم البلدان (۲) ص/۳۶۶، ج/۵، معجم البلدان

ہوتی تو یقیناً صیغہ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کی بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مُراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہوسکتی ہے جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہ مکہ و مدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جارہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ ''الیلامق'' کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضہ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم سے ماخوذ کرلیا گیا تھا۔ اور قافلہ کے ساتھ عاملِ یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں۔

اجتہادی غلطی:

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مُسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہوچکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کرلی ہے اور آل ''معاویہ'' سے اُن کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ مؤقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہوجاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلے میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہوگیا۔ آپ کی رائے اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط، صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محل نظر ہے کہ ''حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص او بود آن احمال را ماخود داشت'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں، رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ ﷺ کو صرف رسالت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ ﷺ کا تعلق براہ راست ہر اُمتی سے ہے اور آپ ﷺ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و مُلک کا قطعاً

کوئی امتیاز نہیں۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ" (۱)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے:

"مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ" (۲)

"محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔"

آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ آپ ﷺ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپ ﷺ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ اُمت پر مسلّط ہونے کی کوشش کریں۔ آپ ﷺ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور باقی سب اُمتی۔ اُمتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملّت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (۳)

"اے انسانوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متّقی ہے۔"

---

(۱) آل عمران: ۱۴۴ (۲) الاحزاب: ۴۰

(۳) سورۃ الحجرات: ۱۳

حضرت ابو ہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"كان الله تعالى قد حكم بأن الأكرم هو الأتقى ' ولو أنه ابن زنجية لغية"(۱)

''اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بے نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔''

اُمتیوں میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ ہے ازواجِ مُطہراتؓ کی حیثیت کا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اُسی طرح آپ ﷺ کی ازواجِ مُطہرات تمام اُمت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر اُمتی اُن کا فرزند ہے۔ یہی ازواجِ مُطہرات اہل بیت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ ﷺ کی ازواجِ صلوات اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب اُمتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ." (۲)

''نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج اُن سب کی مائیں ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کردیا کہ حقوق و فرائض میں ہر اُمتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ ﷺ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کی پاس داری آپ ﷺ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپ ﷺ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ ﷺ کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرورِ ایام آپ ﷺ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جا سکے گا۔ اس لیے آپ ﷺ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی

(۱) مقدمہ مؤلف جمہرۃ انساب العرب۔ ابن حزم (۲) الاحزاب:۶

پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپ ﷺ کے خاندان کا اُمت پر مسلّط نہ ہونے پائے۔

عہدِ نبوی ﷺ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کا کوئی ادنیٰ ترین عہدہ بھی آپ ﷺ نے خاندان نبوت (بنو عبدالمطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، آپ ﷺ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ و حضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن اُن میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا جاسکتا جسے آپ ﷺ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ وہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ اٹھائیس (۲۸) مرتبہ آپ ﷺ غزوات کے سلسلے میں میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے نائبین کا تعین کیا۔ ان نائبین کی فہرست میں اُموی، کلبی، انصاری، غفاری و مخذومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی و ہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا:

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوہ نبی ﷺ	تعداد نیابت
۱	عثمانؓ بن عفان اُموی	۲
۲	زیدؓ بن حارثہ کلبی	۲
۳	ابو سلمہ عبدالاسدؓ مخذومی	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاریؓ	۳
۵	سعد بن معاذ انصاریؓ	۱
۶	سعد بن عبادہ انصاریؓ	۱
۷	عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ	۱
۸	سباع بن عرفطہؓ	۳
۹	عمرو بن قیس (ابن اُم مکتومؓ)	۹
		۲۸

آپ ﷺ کا آخری غزوہ تبوک تھا۔ جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرون حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لیے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لیے حضرت علیؓ کو متعین کیا۔ مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا۔ اُن کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔

اقوام عالم کا شعار ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام کے صدقات کو اپنا ''حق'' سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصور کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومت اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمدنی میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقات جاریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں۔ لیکن خزانہ عامرہ کی کوئی مَد اُن کے لیے مخصوص نہیں البتہ ان کے غربا اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں اُن کا حصہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہا کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ اُمت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصہ غنیمت اور فے میں متعین کیا گیا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس طرح آپ ﷺ کا حصہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفا) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہد راشدین سے لے کر اُموی اور عباسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مال غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حریف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو جو مال و زر پیش کرتی تھیں اُن سب کی مقدار ضروریات عامہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لیے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ان کے نقیبوں (حاشیہ) کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔

اس طرح ان رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لیے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرز عمل کسی درجے میں بھی مستبدعانہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم و عبدالمطلب اسے اپنا ایسا حق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیاز پست و بالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپ ﷺ نے سیاسیات اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سدباب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت بنا سکیں۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے بطور طبقہ حکومت اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر اُن کا کوئی حق نہیں رکھا۔ یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپ ﷺ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اُخوّت کے داعی کی حیثیت سے ہی دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو رُوئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کا خواب دیکھ رہا ہو۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں دی جا سکتی کہ آپ ﷺ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپ ﷺ کے رشتہ داروں کو اُمت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو ''رتق و فتق امور مسلمانان کے لیے خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص حق ملا ہوا تھا''۔ حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہو سکتا ہے کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا۔ لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد و طرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عامل مکہ کی کارروائی سے واضح ہو جاتا ہے۔

---

(۱) خلافت ہاشمیہ عباسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے کو اس نام سے موسوم کر کے جلب منفعت کے کاروبار میں لگے گئے۔

عامل مکہ کا اقدام مزاحمت:

مؤرخین نے ابومخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکہ سے جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوگئے تو عامل مکہ نے اُنھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی اُن کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے اُن لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابومخنف کی یہ ہے:

"لَمَّا خَرَجَ الحُسَينُ مِنْ مَكَّةَ اعتَرَضَهُ رُسُلُ عَمرِو بنِ سَعِيدِ بنِ العَاصِ يَعنِي نَائِبَ مَكَّةَ عَلَيهِم أَخُوهُ يَحيَى بنُ سَعِيدٍ ' فَقَالُوا لَهُ : انصَرِف' أَينَ تَذهَبُ؟ فَأَبَى عَلَيهِم وَمَضَى' وَتَدَافَعَ الفَرِيقَانِ فَاضطَرَبُوا بَالسِّيَاطِ' ثُمَّ إِنَّ حُسَينًا وَأَصحَابَهُ امتَنَعُوا مِنهُمْ امتِنَاعًا قَوِيًّا' وَمَضَى الحُسَينُ عَلَى وَجهِهِ ' فَنَادَاهُ : يَا حُسَينُ' أَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ! تَخرُجُ مِنَ الجَمَاعَةِ وَتُفَرِّقُ بَينَ هَذِهِ الأُمَّةِ؟ ! "(۱)

''جب حسینؓ مکہ سے روانہ ہوگئے عمرو بن سعید بن العاصؓ عامل مکہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے آدمی اُن کے پیچھے بھیجے تا کہ ان کو روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہنچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جا رہے ہو؟ مگر اُنھوں نے انکار کیا اور چلے گئے۔ فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مار پیٹ بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں نے شدید مقاومت کی اور حسینؓ بایں ہمہ جدھر جا رہے تھے چلے گئے۔ اُن لوگوں نے اُن سے پکار کر کہا۔ اے حسینؓ! کیا تم اللہ سے نہیں سے پکار کر کہا۔ اے حسینؓ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے جماعت سے نکلے جا رہے ہو اور اُمت جب ایک بات پر متفق ہوچکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔''

---

(۱) ص/۱۶۶، ج/۸، البدایہ والنہایہ۔ ص/۳۱۷، ج/۶، طبری

عامل مکہ عمرو بن سعید (حاشیہ) کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دوران حکومت کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آ جا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکا یک اور بالخصوص اُس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عامل مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیارات تمیزی میں شامل ہو۔ (۱)

---

(۱) عمرو بن سعید بن العاص بن اُمیہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے۔ بعد میں مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا۔ وہ پشتینی عامل تھے۔ بنی اُمیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف و امتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں سے متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اُن میں سے بعض نے حبشہ ہجرت بھی کی۔ عمرو بن سعید کے تین چچاؤں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم بن سعید بن العاص بن اُمیہ کو جن کا نام آپ ﷺ نے عبداللہ رکھا قری عربیہ کا۔ اُن کے بھائی خالد بن سعید کو صنعاء کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن اُمیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دھاریدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں اُن کے نام کی مناسبت سے ''سعیدیا'' پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم، سخی اور خطیب شخص تھے۔ اُن کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحب تصنیف ہوئے۔ خود سیدنا سعید بن العاصؓ اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کی نقلیں بلادِ اسلامیہ کے لیے تیار کروائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کریں اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

ابومخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کرکے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا تھا یہ ہوسکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعت اطاعت وخلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت وخلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہوگیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابرِ صحابہؓ وتابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفہ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اُس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اُن کے خلاف کوئی قدم اُٹھایا جائے جب تک کہ خود اُن ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آجائے۔ چنانچہ بلاذری نے عامل مدینہ کے یہ فقرے نقل کیے ہیں جو اُنھوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کرکے کہتے تھے:

"لیست حملناعنك لا یدعوا جھل غیرنا الیك فجنایة لسانك مغفورة لك ما امسکت یدك فلا تخطر بھا محظرتك"

"ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں کو جہالت پر آمادہ کرے پس آپ کی زبان کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب تک آپ کا ہاتھ رُکا ہے اس لیے آپ اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں نہ پڑنے دیجیے۔"

یہ بیان بھی ان ہی راویوں کا ہے کہ عامل مکہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد اُن کے پیچھے پیچھے گئے۔ اُن میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کرکے اُن کے پاس پہنچے۔ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اُس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے اُن کو اور حضرت

زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"فلحقه علی میسرة ثلاث لیال "(۱)

"(حضرت ابن عمرؓ) تین راتوں کی مسافت طے کرکے اُن کے (حسینؓ) پاس پہنچے۔"

اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا کر کہ آپ ﷺ کو دُنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی۔ حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ اُن کی ذریّت میں سے ہو، دُنیاوی حکومت و خلافت کی طلب سے علیحدہ رہو یہ تم کو حاصل نہ ہوگی۔ انك بضعة منه ولا تنالها یعنی الدنیا(۲)۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور اُن کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص/۶۱ جمہرة الانساب) اُن کے سترہ بیٹے تھے۔ بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کیے ہیں۔ عمدة المطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدة المطالب)۔ مؤلف عمدة المطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ اُن کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص/۶۱ جمہرة الانساب ابن حزم و ص/۲۱ عمدة المطالب)۔ یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ عمدة المطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جعفرؓ بن ابی طالب

---

(۱) ص/۱۶۰، ج/۸، البدایة والنہایة (۲) ص/۱۶۳، ایضاً

کے اسماء بنت عمیس سے آٹھ بیٹے تھے۔ یعنی عبداللہ، عون، محمد الاکبر، محمد الاصغر، حمید، حسین، عبداللہ الاصغر، عبداللہ الاکبر (ص/۲۰)۔ یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بھائی تھے۔

ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"و اما عون و محمد الاصغر فقتلا مع ابن عمها الحسین علیه السلام یوم الطف"[۱]

"لیکن عون اور محمد الاصغر دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ یوم عطف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔"

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر و عون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔[۲] بہرحال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد مقتول کربلا حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ حجاز بنت المسیب الفراریہ کے بطن سے تھے اور اُن کے سوتیلے بھائی محمد مقتول کربلا کی والدہ الحوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔[۳]

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ[۴] جب

---

(۱) ص/۲۰ عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ

(۲) ص/۶۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم (۳) کتاب المعارف ابن قتیبہ ص/۹ مطبوعہ مصر

(۴) حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب اُن کے والدین ابتدائے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے۔ اُن کے والد ماجد اپنے چھوٹے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں، جُدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی اُن کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون ومحمد فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں اُن کا بھیجا جانا حسینی قافلہ میں شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کے لیے گئے تھے۔ فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبداللہ بن جعفرؓ کے بھائی تھے۔ اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے)

بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندانِ رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے جوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنھوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو۔ اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنھوں نے عہدِ نبوی ﷺ میں عرب سے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ حضرت اصمعہ نجاشی اُن کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اُن کے بھی ایک بیٹا اُسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبداللہ تولد ہوئے تھے۔ اُس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہوجانے پر عبداللہ اور اُن کے دوسرے بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلِ عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا أَنَا لَهُمْ عِوَضًا مِنْ أَبِيهِمْ یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی عُمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سنِ تمیز میں شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینبؓ کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مُصر ہوئیں طلاق دیدی تھی۔)

قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے، اُن کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابومخنف نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادرِ نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے بعد بھیجی تھی۔ اُس پر لکھا تھا:

''اِن هَلَكتَ اليَومَ طَفِيَء نُورُ الأَرضِ ، فَإِنَّكَ عَلَمُ المُهتَدِينَ ، وَرَجَاءُ المُومِنِينَ''(۱)

''اگر تم یوں ہلاک ہوگئے تو نُور اسلام جاتا رہے گا۔ کیونکہ تم اہل ہدایت کے رہنما ہو اور اہل ایمان کا سہارا ہو۔''

طبری نے نور اسلام کے بجائے ''نورالارض'' کے الفاظ رکھے ہیں۔ بہرکیف ''نورالاسلام'' کے لفظ ہوں یا ''نورالارض''، یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نُور ہو یا دُنیا کا، کسی فانی انسان کی موت و زیست پر نہ نورِ اسلام کا مدار ہے نہ نورِ ارض کا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنھوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دارِ فانی سے گزر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نُور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نُور ارض کی درخشانی میں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ وفات سے زیادہ اور کون سا دن مسلمانوں کے لیے غم و اندوہ کا ہوسکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں اُنھوں نے بعد رسول ﷺ اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ ﷺ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ نصفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سُنے تھے:

---

(۱) (ص ۱۱۷، ج ۸، البدایہ والنہایہ۔ ص ۲۱۹، طبری)

"أَيُّهَا النَّاسُ انه مَن كَانَ مِنكُم يَعبُدُ مُحَمَّدًا، فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَد مَاتَ، وَمَن كَانَ يَعبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ" (۱)

''اے لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کو پوجتا تھا (وہ سمجھ لے کہ) محمد (ﷺ) نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود جانتا ہے تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔''

اس کے بعد صدیق اکبرؓ کا قرآن مجید کا اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا دیگر صحابہؓ کی طرح جو یہاں موجود تھے، عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی یاد رہا:

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَد خَلَت مِن قَبلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَو قُتِلَ انقَلَبتُم عَلَىٰٓ أَعقَابِكُم وَمَن يَنقَلِب عَلَىٰ عَقِبَيهِ فَلَن يَضُرَّ اللّٰهَ شَيئاً وَسَيَجزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ" (۲)

''اور محمد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔''

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے سن و سال میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی۔ (۳)

"ادرك الحسين من حياة النبی صلى الله عليه وسلم خمس سنين او نحوها" (۴)

---

(۱) صحیح ابن حبان (۲) آل عمران: ۱۴۴

(۳) ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص/۶۹) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب ۶ ہجری میں ہوئی تو یہ ۷ ہجری میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اُس وقت تین چار سال کی ہوگی۔

(۴) ص/۱۵۰ ج/۸، البدایہ والنہایہ

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔''

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی۔ بعض ائمہ نے تو اُن کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو اُن سے سال بھر کے قریب بڑے تھے، زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

"وَقَد رَوَى صَالِحُ بنُ أَحمَدَ بنِ حَنبَلٍ، عَن أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ فِي الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ: إِنَّهُ تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ. وَهَذَا غَرِيبٌ، فَلَأَن يَقُولَ فِي الحُسَينِ: إِنَّهُ تَابِعِيٌّ بِطَرِيقِ الأَولَى "(۱)

''صالح بن احمد بن حنبلؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجہ اولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے (صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے)۔''

ان تمام حالات کے پیشِ نظر یہ کیسے باور ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے ایک خورد (چھوٹے بھائی) کے لیے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کیے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ساختگی ہے اُن ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے قطعی بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸/ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰/ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا اور نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضہ حج ترک کرکے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابل پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کرلیں یعنی پہلی منزل بُستانِ ابن عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جا کر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:

(۱) ص/۱۵۰، ج/۸، البدایہ والنہایہ

"وأقبل الحُسَين مغذا لا يلوي عَلَى شَيءٍ حَتَّى نزل ذات عرق"(۱)

''اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شے کی طرف مُڑ کر نہ دیکھا یہاں تک کہ منزلیں چھوڑتے ہوئے ذات عرق جا کر اُترے۔''

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے۔ لیکن ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دو سو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو (۲) یا خاص حالات میں اڑھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو، ۵۴ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کر لینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور بچے بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا کہ آگے تفصیلی بیان آئے گا کہ پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸ انگریزی میل کے فاصلہ پر بُستانِ ابن عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے۔ ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۲ عربی اور ۵۴ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ کسی شے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے۔ بالفاظ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلاتوقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لیے یا کھانے پینے اور نماز پنجگانہ ادا کرنے کے لیے بھی نہ اُترا۔ عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مراد لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف و ہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا۔ مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

''یزید بن معاویہ سی (۳۰) تن از شیاطین بنی اُمیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسینؓ را ماخوذ دارند و اگر نتوانند مقتول سازند چون حسینؓ برمکیدت او ر عالم بودنا چار سفرِ عراق را صمیم عزم داد۔''(۲)

---

(۱) ص/۲۱۹، ج/۶: طبری

(۲) ص/۲۰۷، جلد/۶، از کتاب دوم ناسخ التواریخ، مطبوعہ ایران، ۱۳۰۹ھ

''یزید بن معاویہ نے بنی اُمیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کیے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسینؓ کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسینؓ چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انھوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔''

حضرت حسینؓ کے سفرِ عراق کی وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اُس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور اُن کے ساتھ کوفی ساتھیوں نیز اُن کے بعض اہل خاندان کی دلیری اور شجاعت وشہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ تیس شیاطین بنی اُمیہ کے خوف سے سفر عراق کا عزم صمیم کر لیا اور فریضہ حج بھی ترک کر کے سفر کوفہ پر روانہ ہو گئے۔ راویوں نے جس مقصد کے پیش نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸/ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ہے۔ یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہنچا دینا جو بعد میں مسافت وتعداد منازل ومراحل راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا جیسا ذیل کی تفصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے:

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ ''طریق الاعظم'' نے جو حسینی قافلہ نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہ العذیب وقصر مقاتل اختیار کیا تھا، آٹھ سو (۸۰۰) عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو (۹۵۰) انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کا روانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گزارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود ومعین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے۔ مُستند کتب بلدان وجغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم وجدید نقشوں میں یہی منزلیں اور

فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل میں کہاں فرودگاہیں، کہاں کنویں اور حوض و تالاب ہیں، پانی اُن کا وافر اور شیریں اور لطیف ہے یا نہیں، کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں، خورد و نوش کی کیا کیا اشیا دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا چوبیس (۲۴) عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بُستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اُموی سے منسوب کرتے ہیں (ص۸/۵۸ فتوح البلدان البلاذری)۔ یہاں سے ایک راستہ صنعاء (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق بائیس عربی میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔معدن نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین پہلے ہی حسب روایت جناب ابوجعفر محمد (الباقر) حضرت حسینؓ نے کوفیوں کی غداری کا حال سُن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصر مقاتل وقریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہ قادسیہ کربلا تک پہنچنے کے لیے تیس (۳۰) درمیانی منزلیں طے کرنا لازم و لابد تھیں۔ اکتیسویں (۳۱) منزل پیش آمدہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریہ العقر کے مضافاتی و متصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکورہ کی فصل غلہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبداللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں " منقاة من الحصى والدغل" تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف تھا۔

راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لیے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بُستان ابن عامر کا نام ترک کرکے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا۔ اس کے بعد اکٹھی نو منزلیں ترک کرکے زرود اور خزیمیہ اور ثعلبیہ کا وقس علیٰ ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لیے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دو (۲) محرم ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظّمہ سے تقریباً ساڑھے نو سو (۹۵۰) انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے، آٹھ دن پہلے ہی پہنچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط و تردید ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار و اخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردہ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور اُن کے فاصلے بااعتبار عربی میل اس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰؍ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلاناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اُس کا گزر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہنچا یا پہنچ سکتا تھا۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے بھی جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان وجغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کرکے درج کیے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء (ص ۹۷ تا ۶۶) میں المنازل من الکوفہ الی المدینہ و مکۃ، کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ (مکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور اُن کے فاصلے دوسری کتب بلدان وجغرافیہ میں بھی اسی سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حُرریاحی کو اپنا ہم جد بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہۃ القلوب میں جو

۷۴۰ھ میں تالیف کی۔ اس کا مقالہ سوم جغرافیہ عالم کے بیان میں بعنوان ''درصفت بلدان و ولایات و بقاع'' یہی سب منزلیں اوران کے درمیانی فاصلے بغداد و کوفہ و نجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے۔ مثلاً کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ کے مؤلف ابوالفرج قدامہ بن جعفر (۱) نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کیے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہتہ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے۔ اس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطۃ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اورا ن کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لیے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد قدیم و جدید تالیفات میں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہوگئی ہے۔ مثلاً القاع کو حرف ''گ'' سے ''الگا'' کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہؒ نے یہاں حوض تعمیر کرائے تھے۔ کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے۔ الغرض یہ مقامات اوران کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کر کے ان منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

---

(۱) ابوالفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین المکتفی باللہ عباسی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے۔ مدینۃ الاسلام بغداد سے اطراف واکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے ان سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے		تاریخ آمد اور روانگی قافلہ		راویوں کی بیان کردہ منزلیں
	منزل	فاصلہ عربی میل	آمد	روانگی	
۱	مکہ معظمہ			۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ	
۲	بستان ابن عامر	۲۴	۱۰	۱۱	X
۳	ذاتِ عرق	۲۲	۱۱	۱۲	ذاتِ عرق
۴	الغمرہ	۲۶	۱۲	۱۳	X
۵	اَمسلح	۱۸	۱۳	۱۴	X
۶	افیعیہ	۳۴	۱۴	۱۵	
۷	الحرق	۳۲	۱۵	۱۶	
۸	سلیلہ	۲۱	۱۶	۱۷	X
۹	معدن بنی سلیم	۲۶	۱۷	۱۸	X
۱۰	ربذہ	۲۴	۱۸	۱۹	X
۱۱	مغیثۃ الماوان	۲۴	۱۹	۲۰	X
۱۲	معدن نقرہ	۳۳	۲۰	۲۱	X
۱۳	الحاجر	۳۴	۲۱	۲۲	الحاجر
۱۴	سمیراء	۳۴	۲۲	۲۳	X
۱۵	توز	۲۰	۲۳	۲۴	X
۱۶	فید	۳۱	۲۴	۲۵	X
۱۷	الاجفر	۳۳	۲۵	۲۶	X

۲۴	عقبہ	۲۴	۳	۴	X	عقبہ الشیطان کہلاتا تھا اب نقشوں میں ہے
۲۵	واقصہ	۲۴	۴	۵	شراف	واقصہ سے چند میل فاصلے پر شراف ہے۔
۲۶	القرعا	۲۴	۵	۶	X	
۲۷	المغیثہ	۳۲	۶	۷	X	
۲۸	قرب قادسیہ براہ العذیب اور واپسی	۳۴	۷	۸	قادسیہ	
۲۹	ذوحسم		۸	۹	X	
۳۰	قصر مقاتل	۵۴	۹	۱۰	X	
۳۱	کربلا		۱۰		X	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار:

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ فرانسس برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے۔ وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں:

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل (۱)

---

(۱) ایک جغرافیائی میل خط استوا پر طول بلد کا ایک دقیقہ سے تقریباً ۶۹/۶۰ تا ۳۰/۳۳ ۱ انگریزی میل۔

ہوتی ہے۔ ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑسکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔"(۱)

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتیونی مؤلف "رحلہ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے حذیوں مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیرسرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین وحسن طباعت ونقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعلى الحساب ان الجمل يقطع في الساعة الواحدة اربعة كيلومترات" (۲)

"ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر (کی مسافت) ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔"

ایک کلومیٹر ۵/۸ میل (۳) کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنی ڈھائی میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی علاقہ، ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد و بُعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا، اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہونگی، سفر جتنا طویل ہوگا، سامان قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے، خواتین و بچوں کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے ان سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے۔ تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل کی مسافت طے کرنے کے لیے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کی اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدتِ سفر ضرور ہونی چاہیے۔ اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات میں سے ہے۔ غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہنچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

---

(۱) حاشیہ ص/۳۴۴، ج/۲، سفرنامہ برٹن (۲) ص/۳۷

(۳) ایک کلومیٹر میں ۵ فرلانگ اور ایک میل میں ۸ فرلانگ ہوتے ہیں۔

واقعات دورانِ سفر:

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مؤرخین اخبار الطّوال وطبری و ابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہنچے بالفاظ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۳۸ عربی میل کا فاصلہ طے کر کے جب اس منزل پر پہنچے تو انھوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہل کوفہ کو بھیجی۔

"بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ"

من الحُسَين بن علي اِلَى اخوانه من المُؤمِنِينَ والمُسلمين ' سلام عَلَيكُم ' فَاِنّي أَحمَدُ اِلَيكُمُ اللّٰهَ الَّذِي لا اِلَهَ الا هُوَ ' أَمَّا بَعدُ ' فان كتاب مسلم بن عقيل جاء ني يخبرني فِيهِ بحسن رأيكم ' واجتماع ملئكم عَلَى نصرنا' والطلب بحقنا' فسألت اللّٰه أن يحسن لنا الصنع' وأن يثيبكم عَلَى ذَلِكَ أعظم الأجر' وَقَد شخصت اليكم مِن مَكَّةَ يوم الثلاثاء لثمان مضين من ذي الحجة يوم التروية " فاذا قدم عليكم رسولي فاكشموا امركم ووجدوا' فاني قادم عَلَيكُم فِي أيامي هَذِهِ اِن شَاء اللّٰهُ' والسلام عَلَيكُم ورحمة اللّٰه وبركاته"[1]

(ص/۲۲۳ ج/۲، طبری؛ ص/۱۶۸ ج/۸، البدایہ والنہایہ)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مومنین و مسلمین کے نام سلام علیکم:

میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق کے طلب

(۱) ایک کلومیٹر میں ۵ فرلانگ اور ایک میل میں ۸ فرلانگ ہوتے ہیں۔

کرنے پر متفق ہو۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم
لوگوں کو اس پر اجرِ عظیم دے۔ میں تمھارے پاس آنے کے لیے مکہ سے آٹھویں
تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں۔ جب میرا قاصد
تمھارے پاس پہنچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جدوجہد کرو کیونکہ میں
انھی دنوں میں تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ ان شاء اللہ
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن نہیں اتوار کا دن تھا یعنی یکشنبہ۔ کون صحیح العقل باور کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں جن کی مدد سے ۱ ہجری سے موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔

ابومخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برامد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸/ ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل کو قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰/ ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ۶۰ھ کے ماہ ذی الحجہ کے عشرہ اول میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہذا یوم روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا

دسویں ذی الحجہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضہ حج روانہ ہوئے اور تیس منزلوں کی مسافت بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہنچے یا پہنچ سکتے تھے اس سے پہلے نہیں۔

ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰/ذی الحجہ کا اظہار کیے دیتے ہیں تو پھر پانی کی بندش اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰/محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے۔ اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اول تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا۔ اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفاء کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کیے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹/کے ۸/ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضہ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا اس اشتباہ کے لیے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اس کی بھی تصدیق کرالی جائے۔ چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مؤرخین نے روایت پرستی کی بنا پر اسے اپنی کتابوں میں من وعن نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر " یوم الثلاثا لثمان مضين من ذی الحجة يوم التروية" یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یوم ترویہ تھا ان تشریحی الفاظ نے روایوں کی اس غلط بیانی کو بالآخر روز روشن کی طرح آشکار کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸/ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا یہ تو اتوار کا دن تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔ ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی۔ موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور جنتریاں موجود ہیں اور بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا

جا سکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابومخنف کی اسی قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کرسکتا ہے۔

ابومخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریریا خط لے کر جب حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصید اوی کوکوفہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں مقام قادسیہ پر گرفتار کرکے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا گیا جس نے اسے (اعانت جرم کی پاداش میں) مرواڈالا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہنچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور پاس۔ اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمال حکومت کے قبضے میں آگیا ہوگا کوفیوں کے پاس تو پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستّر (۷۰) اسّی (۸۰) برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی ہو جانے کے بعد ابومخنف کو کیسے دستیاب ہوگیا۔ مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے "بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي الى اخوانه من المومنين و المسلمين سلام عليكم" سے لے کر "والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته" تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کردیا۔

ابومخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں عبداللہ بن یقطر ہی گرفتار ہوکر گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پُرزے پُرزے کرڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں:

''عبداللہ بن یقطر مکتوب حسینؓ را برآورد و پارہ پارہ کرد و چناں صبا ساخت کہ

ازاں بہرہ نتوانست یافت۔''(۱)

''عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو نکال کر پارہ پارہ کر دیا اور ایسا چُور چُور کردیا کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔''

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کردیا تو جواباً کہا:

''از بہر آنکہ تو ندانی درآں چہ نگارشتہ اند۔''(۲)

''اس لیے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر تھا۔''

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دمِ زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہوگیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزدق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاع مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہنچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمالِ حکومت کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ اور اگر بفرض محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں اپنی روانگی کی غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ اُنھوں نے ایسا خط بھیجا۔ یہ ساختگی اُن ہی راویوں کی ہے کیونکہ اُنھی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر کرا دی جائے وہ اس طرح پوری کر لی گئی۔ مگر ''یوم الثلاثا'' (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس ساختگی کو عرصہ بعید و مدت مدیہ

(۱) ص/۶۱۳، ج/۶ از کتاب دوم (۲) ص/۲۱۴، ج/۶ از کتاب دوم

کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

ان راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا قیاس بھی اسی سے باآسانی کیا جاسکتا ہے:

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

ان مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں تاہم چند امور مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد، برادرانِ مُسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار:

مؤرخین کا بیان ہے کہ مُسلمؒ کے قتل ہوجانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مُسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:

"واتصل به خبر قتل مسلم بن عقيل في الطريق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقيل من ذلك" (۱)

''اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہوجانے کی خبر جب راستہ میں ملی انھوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔''

مسلم اور ہانی بن عروہ کے مقتول ہوجانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لا خير في العيش بعدهما (۲) یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مؤرخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

"فقال له (اى حسين) بنو عقيل لا نرجع والله ابداً او ندرك ثارنا او

(۱) ص/۱۷۹، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب

(۲) ص/۱۶۸، ج/۸، البدایہ والنہایہ

نقتل باجمعنا" (۱)

"فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔"

یہ حضرات جوش انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہوگئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے جو حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابن عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کر کے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مؤرخین نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ دو اسدیوں نے مسلمؒ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیش نظر رکھ کر اُن سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جایں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا نہیں ہے لیس لك بالکوفة ناصر ولا شیعة (۲)۔ یہ سُنتے ہی برادرانِ مسلم جوش انتقام میں اُٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذلك بنو عقیل بن ابی طالب۔ (۳) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے وقد خذلتنا شعیتنا (۴) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ خزینہ ہی پیش نہ آتا۔

صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے:

"حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد و فرمودہ مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چند کہ توانیم در طلب خوں اور بکوشیم یا ازاں شربت کہ اور نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود از پس ایشان تن آسانی در زندگانی نیست۔" (۵)

(۱) ص/۱۱۰، مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر (۲) ص/۲۲۵ ج/۶، طبری

(۳) ص/۲۲۵، ایضاً (۴) ص/۲۲۶، ج/۶، طبری

(۵) ص/۲۱۶، ج/۶، از کتاب دوم ناسخ التواریخ، مطبوعہ ایران

''حضرت حسینؓ نے فرزندان عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کریں گے جو انھوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔''

یہی روایت بہ تغیر الفاظ مقتل ابو مخنف، طبری اور البدایہ و النہایہ میں بھی ہیں۔ اخبار الطّوال نے جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد بن اشعثؒ اور عمر بن سعدؒ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے بعد ہی پہنچ گیا تھا جنھوں نے قتل مسلمؒ کی خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؒ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؒ سے کہا تھا کہ میری تمھاری قرابت ہے۔ تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطّوال لکھتے ہیں:

"فقال بنو عقيل و كانوا معه: ما لنا في العيش بعد أخينا مسلم حاجه' ولسنا براجعين حتى نموت. فقال الحسين: فما خير في العيش بعد هؤلاء' وسار. فلما وافى زبالة وافاه بها رسول محمد بن الاشعث ' و عمر بن سعد بما كان ساله ان يكتب به اليه من امرة' وخذلان اهل الكوفه اياه' بعد ان بايعوه" (۱)

(۱) ص/۳۱۰، اخبار الطّوال

''فرزندانِ عقیلؓ نے جو اُن کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہیں لوٹیں گے حتی کہ اپنی جانیں دے دیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہنچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہو جانے سے پہلے) ان لوگوں سے سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہل کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لیے مجھ سے بیعت کر کے غداری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔''

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہل خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنی:

''أن بني عقيل قَالُوا: لا وَاللّٰهِ لا نبرح(۱) حَتّٰى ندرك ثأرنا' أو نذوق مَا ذاق أخونا''(۲)

''فرزندانِ عقیلؓ نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لیے) نہ سرکیں گے۔''

برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کی ضد تو جذبہ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسینؓ کو عراق لے جانے کے لیے مکہ پہنچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ آ رہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے اُن کا یہ قول

---

(۱) طبری کی روایت میں لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

(۲) ص/۲۲۵، ج/۶، طبری؛ ص/۱۶۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ

نقل کیا ہے:

"وَقَالَ لَهُ بَعضُ أَصحَابِهِ: وَاللّٰهِ مَا أَنتَ مِثلُ مُسلِمِ بنِ عَقِيلٍ، وَلَو قَدِمتَ الكُوفَةَ لَكَانَ النَّاسُ إِلَيكَ أَسرَعَ" (۱)

''ان سے (حسینؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کجا آپ کجا مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔''

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں تھا۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے آپ کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا ''حق'' لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے۔ مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس حالت میں کوفہ جانا مفید نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے، آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے، حصول مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پالیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکہ سے روانہ ہو گئے تھے وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مؤرخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر اُنھیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا:

''مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؓ بہ معیت عبداللہ (ابن زبیر) مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے

(۱) ص/۲۲۵، ج/۶، طبری؛ ص/۱۶۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ

تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہو گئے تو ان کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر قیادت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؓ نے حبِ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو اُن کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قضا کے سامنے بالآخر اُنھوں نے سر جُھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ (قتل مسلم کے) مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسینؓ کو اُس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے۔ اُن کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر اُن کے اہل خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے اُن کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ اُن کو یقین تھا کہ پھاٹک پر جا موجود ہوں گے اہل شہر اُن کے مقصد کے لیے ہتھیار سنبھال لیں گے۔"(۱)

---

(۱) ص ۶۲/۴، تاریخ مسلمانان اسپین۔ مؤلفہ رینہارٹ دوزی ترجمہ فرانسس گریفن۔ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

نئے گورنر کوفہ کو احکام و ہدایات:

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہوجاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رُونما ہوگیا ہے وہ اُدھر کا رُخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے۔ ذکر ہوچکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کُچلنے میں ناکام رہے تھے تو عبیداللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اُنھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجد کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی، ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کیے ہیں۔

"أَمَّا بَعدُ، فان أَمِيرالمُومِنِينَ أصلحه اللّٰه ولاني مصركم وثغركم، وأمرني بانصاف مظلومكم، واعطاء محرومكم، وبالاحسان اِلَی سامعكم ومطيعكم، وبالشدة عَلَی مريبكم وعاصيكم، وانا متبع فيكم أمره، ومنفذ فيكم عهده، فأنا لمحسنكم و مطيعكم كالوالد البر، وسوطي وسيفي عَلَی من ترك أمري، وخالف عهدي، فليبق امرؤ علی نفسه. الصدق ينبئي عنك لا الوعيد" (۱)

"(حمد و ثنا کے بعد کہا) امیرالمومنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ اُن کی بہتری کرے تمھارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمھارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں میں اُن کے فرمان کو نافذ کروں گا۔ تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اُس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجالائے گا اس کے لیے میرا

---

(۱) ص/۲۰۱، ج/۶، طبری

تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہا ہے میں کر گزروں گا اور تم دیکھ لو گے)۔"

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے اُن تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔ سردارانِ قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کیے گئے۔ ان تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ مؤرخین نے امیر المومنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع برید نہیں کی گئی۔ وہ فرمان یہ تھا:

"قَدبَلَغَنِي أَنَّ الحُسَينَ قَد تَوَجَّهَ نَحوَ العِرَاقِ. فَضَعِ المَنَاظِرَ وَالمَسَالِحَ وَاحتَرِس وَاحبِس عَلَى الظِّنَّةِ وَخُذ عَلَى التُّهمَةِ غَيرَ أَن لَا تَقتُلَ إِلَّا مَن قَاتَلَكَ، وَاكتُب إِلَيَّ فِي كُلِّ مَا يَحدُثُ مِن خَبَرٍ، وَالسَّلَامُ" (۱)

"مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگران مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو اُنھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو اُنھیں گرفتار کر لو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔ والسلام"

مضمون فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ ردّ و بدل بھی کیا گیا ہو۔ کیونکہ ابو مخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کرے گا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمران اپنی مملکت میں بہبود عامہ کی خاطر امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظ ما تقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ و جدال میں سبقت یا پہل نہ کرے، دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۱۵ و البدایة والنہایة، ج/۸، ص/۱۶۰

فرمان کے الفاظ " غير ان لا تقتل الا من قاتلك" سے ان تمام وضعی مکذوبہ روایتوں کی تردید ہوجاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائد ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرکے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں۔ مؤرخین نے حضرت مروانؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا اس کا مضمون یہ تھا:

"فَكَتَبَ مَرْوَانُ اِلَى عُبَيدِاللّٰهِ بنِ زِيَادٍ: أَمَّا بَعدُ، فَاِنَّ الحُسَينَ بنَ عَلِيٍّ قَد تَوَجَّهَ اِلَيكَ، وَهُوَ الحُسَينُ ابنُ فَاطِمَةَ، وَفَاطِمَةُ بِنتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَبِاللّٰهِ مَا أَحَدٌ يُسَلِّمُهُ اللّٰهُ أَحَبَّ اِلَينَا مِنَ الحُسَينِ، فَاِيَّاكَ أَن تُهَيِّجَ عَلَى نَفسِكَ مَا لَا يَسُدُّهُ شَيءٌ، وَلَا تَدَعُ ذِكرَهُ وَالسَّلَامُ" (۱)

"(حضرت) مروانؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد، تمھیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمھاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) وہ بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ ﷺ کی۔ اللہ کی قسم حسینؓ سے زیادہ (اللہ ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ و غضب میں ایسا فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہوسکے اور عام اُمت فراموش نہ کرے اور رہتی دُنیا تک ذکر نہ بھولیں۔"

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؓ کو کیسی اُلفت تھی اور وہ کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں اُن کا بال بیکا نہ ہونے

---

(۱) ص/۱۶۵، ج/۸، البدایہ والنہایہ؛ ص/۲۱۲، ج/۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ، مطبوعہ ایران

پائے۔ یہ وہی مروانؒ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو اُن کی گردن اُڑادو۔ اُن کی اُلفت ومحبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؒ نے اُن کو دیا تھا ادا نہ ہوسکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کے پیش نظر رکھ کر حضرت مروانؒ کے اس خط کو امیر المومنین کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ سے منسوب کر دیا ہے۔

حضرت مروانؒ کی اولاد و احفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علیؓ وحسنؓ وحسینؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں (جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں) وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت ومودت کا نہ کہ عناد ومخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا:

بعض ثقہ شیعہ مؤرخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا تو حضرت حسینؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں:

"فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذالك فصار حتی قارب الكوفة فلقیه الحر بن یزید الریاحی فی الف فارس فارادا دخاله الكوفة فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویة فلما سار الی كربلا محنعوه من المسیر و اراده علی دخول الكوفة والنزول علی حكم عبیدالله بن زیاد فامتنع واختار المضی نحو یزید بالشام" (۱)

(۱) ص ۱۷۹، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو۔ طبع اوّل

''(مسلم کے قتل کی خبر سن کر) حسینؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہنچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مُڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہنچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ لے جانے اور عبیداللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لیے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور یزیدؒ کے پاس ملک شام جانا پسند کیا۔''

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مُڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہوکر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے:

"اذا خرجت من القادسیة ترید الشام و منه الی قصر مقاتل ثم القریات ثم السماوة "(۱)

''جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کرے تو وہاں سے قصر مقاتل جائے پھر قریات (ارض طف) پھر ساوہ۔''

ابومخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ و العذیب کے راستہ سے مُڑ کر آپ ذوحسم و قصر مقاتل ہوکر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے۔ حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ اگرچہ اس وقت وہ اتنے کم سن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہوگی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنیں ہوں گے۔ حضرت محمد (الباقر) سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجیے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں

---

(۱) ص/۱۲۵، ج/۷، مطبوعہ ہالیبرک ۱۸۶۷ء

سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا) حدثني عن مقتل الحسين حتى كاني حضرته۔ [1]
حضرت محمد (الباقر) نے مقتل حسین کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"فأقبل حُسَين بن علي بكتاب مسلم بن عقيل كَانَ اِلَيهِ' حَتّٰى اذا كَانَ بينه و بين القادسية ثلاثة أميال' لقيه الحر بن يزيد التميمي' فقال لَهٗ: أين تريد؟ قَالَ: أريدهٰذَا المصر' قَالَ لهُ: ارجع فاني لم أدع لك خلفي خيرا أرجوهٗ' فهم أن يرجع' وَكَانَ مَعَهٗ اخوة مسلم بن عقيل' فَقَالُوا: واللّٰه لا نرجع حَتّٰى نصيب بثأرنا أو نقتل: لا خير في الحياة بعدكم ! فسار فلقيته أوائل خيل عُبَيد اللّٰهِ' فلما رأى ذٰلِكَ عدل اِلَى كربلاء" [2]

"حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہنچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہوکر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حُر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں؟ کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں۔حُر نے کہا کہ آپ لوٹ جایئے وہاں آپ کے لیے کسی بہتری کی مجھے اُمید نہیں ہے۔اس پر آپ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔مسلمؓ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے اُنھوں نے کہا واللہ ہم اُس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لے لیں یا ہم سب بھی قتل نہ ہو جائیں۔آپ نے کہا کہ تمھارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہوگئے۔ اتنے میں عبیداللہ کے لشکر کا ہراول (دستہ) سامنے آ گیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔"

حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) کی اس روایت سے بھی صاحب عمدة الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مُڑ گئے تھے جو کربلا ہوکر دمشق جاتا تھا۔آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس راستے پر چلنے

---

(۱) ص/۲۲۰، ج/۶، طبری (۲) ص/۲۲۰، ج/۶، طبری

کے لیے مجبور نہیں کیا گیا تھا آپ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں:

''حسینؓ از طریق عذیب و قادسیہ راہ بگردانید و بجانب چپ روان شد۔''(۱)

''حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔''

قادسیہ و عذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طف ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماعِ اُمت کی اہمیت اور کوفیوں کے عذر کا احساس:

مؤرخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لیے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں:

(۱) مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔

(۲) یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں۔

(۳) یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے۔

حتیٰ کہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ طبری اور دوسری کتب تاریخ

---

(۱) ص/۲۲۲، ج/۶ از کتاب دوم

سے لے کر سیوطی کی ادنیٰ تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔شیعہ مؤرخین و مؤلفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۷ ج ٦) وغیرہ میں یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے:

"او یاتی امیرالمومنین یزید فیضع یدہ فی یدہ فیما بینہ و بینہ فیری رایہ وفی هذا لك رضی ' وللامة صلاح" (۱)

"یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تا کہ اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اسی میں اصلاح اُمت بھی ہے اور تمھاری خوشنودی بھی۔"

بہر حال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رُجوع کر لیا۔ آج کل کے بعض مؤرخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیرالمومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہ ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے مؤقف سے رجوع کر لینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہو جاتا ہے۔حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کُبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر اُبھارنے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسنؓ کے منشا کے مطابق، خیر خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے مؤقف سے رُجوع

(۱) ص ر ۲۳۷، ناسخ التواریخ، جلد ر ٦ از کتاب دوم، مطبوعہ ایران

نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویہ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گزر چکے ہیں اُن کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضٰیؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ اُن کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت اُنھیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اُٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے، جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؒ (ابن حنیفہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علیؓ کی تلوار اگر حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مطہرۃ حبیبہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بے نیام ہوسکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں جس میں تمام اُمت کی ماں تشریف فرما ہوں اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہوں، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جاسکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ اُنھیں بنایا جائے۔

باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سُنّت رسول اللہ ﷺ سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل بیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ حتی کہ اُن لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کے لیے ازواجِ مُطہراتؓ و عصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حق دار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانون وراثت میں ہرگز دُرست نہیں۔ اگرچہ یہ لوگ مختلف

اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعمِ باطل کے جائز ''حق داروں'' کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ و قلق تھا۔ ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہوگئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسینؓ کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہار تاسف و تعزیت کیا تھا:

> ''پھر یزیدؒ نے ابن الحنفیہؒ کو ملاقات کے لیے بُلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔ حسینؓ کی موت پر اللہ مجھے اور تمھیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسینؓ کا نقصان جتنا بھاری تمھارے لیے ہے اتنا ہی میرے لیے بھی ہے اور اُن کی موت سے جتنی اذیت تمھیں ہوئی ہے اُتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر اُن کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی اُنگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں اُن کے لیے قربان کر دیتا باوجود اس کے کہ اُنھوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔
>
> تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسینؓ کی کرتے ہیں۔ بخدا اس لیے نہیں کہ عوام میں خاندانِ علیؓ کو عزت و حرمت حاصل نہ ہو، بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکوت و خلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔''
>
> یہ باتیں سُن کر ابن الحنفیہؒ نے کہا:
>
> ''اللہ تمھارا بھلا کرے اور حسینؓ پر رحم فرمائے، اور اُن کے گناہ کو معاف کرے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمھارا نقصان اور ہماری محرومی تمھاری

محرومی ہے۔ حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا اُن کی مذمت کرو۔ امیرالمومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزیدؒ نے جواب دیا:

"میرے چچیرے بھائی! میں حسینؓ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمھارا دل دُکھے۔"(۱)

حضرت حسینؓ کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی، موافقین نے ان کو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر اُن کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کا اس بارے میں جو رویّہ رہا اُس سے بخوبی ثابت ہے کہ اُن کے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع:

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَربَل و کَربَلَۃَ معنی و تلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں: کَربلَاء بالمد. فاما اشتقاقه فالکَربَلَۃَ (کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلہ سے ہے)۔(۲)

غَربَل اور غَربَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطه۔(۳) اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:

یحملن حمراء رسوبا الثقل

قد غربلت و کربلت من الفصل

---

(۱) انساب الاشراف بلاذری، ج/۳ (۲) ص/۲۲۹، ج/۷، معجم البلدان

(۳) ص/۲۰، المنجد طبع بیروت

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلا کہلاتی تھی جو روڑں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی۔ نیز جو قریہ مذکورہ کی فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر کربلا کہلاتی تھی۔

"ان تکون هذه الارض منقاة من الحصى والدخل فيمت ذلكَ" (۱)

''اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لیے یہ نام بھی پڑا (کہ غلہ پچھوڑنے کی زمین تھی۔''

فصل غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پچھوڑنے یعنی بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کو بھی مکّربلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکربلا(۲) یعنی وہ مٹی ملے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلا کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے:

"ويقال كربَلَت الخطة اذا اهرزتها نقيتها فی صفة الحنطة"(۳)

''گندم کی طرح سے جب غلہ پچھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحطہ۔''

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سُرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الخماص کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عبثہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے اُن کے کاسنی جیسے:

"و كربل اسم نبت الحماض فيجوز ان يكون هذا الصنف من النبت يكثر نبة هناك فسمی بها" (۴)

''اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اُگتی تھی اس لیے بھی اس کا (کربلا کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔''

غرضیکہ ارض کربلا جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم

---

(۱) ص ۲۲۹، ج ۷، معجم البلدان
(۲) ص ۷۲۰، المنجد طبع بیروت
(۳) ص ۲۲۹، ج ۷، معجم البلدان
(۴) ص ۲۲۹، ج ۷، معجم البلدان

زمین تھی۔ قدما کے اشعار اور تالیفات میں کربلا کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے۔ ابو دھبل الجمحی [۱] نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہوجانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے:

الا ان قتلی الطف من آل هاشم

اذلت رقاب المسلمین فذلت

یوم کربلا کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل وشہید الطف مثلاً:

"واما عون و محمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسین یوم الطف"[۲]

"لیکن عون و محمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؓ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔"

فرزندانِ علیؓ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ اُن کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند اُن کی حیات میں فوت ہوگئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ (۶) مقامِ طف میں حضرت حسینؓ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:

"وقتل منهم بالطف ستة "[۳]

"اور اُن میں سے چھ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔"

عباس بن علیؓ کے ذکر میں کہتے ہیں:

"والعباس شهید الطف " [۴]

"اور عباسؓ (مقام) طف کے شہید۔"

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔ ان قتیل الطف من آل هاشماذل رقاباً من قریش فذلت

(۲) ص/۲۰ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب

(۳) ص/۴۵ (۴) ص/۴۵

"قتل بالطف" (۱)

"(مقام) طف پر قتل ہوئے۔"

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"كان مقتل الحسين بمكان من الطف يقال له كربلاء" (۱)

"یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔"

غرضیکہ فصل پچھوڑنے کا میدان (کربلا) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز و شاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔

صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

"والطف۔ ارض من ضاحية الكوفة في طريق البرية فيها كان مقتل الحسين بن علي وهي ارض باديه من الريف فيها عدة عيون ماء جارية منها الصيد والقط قطانة والرهيمية و عين جمل و ذواتها" (۲)

"اور طف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے جہاں حسین بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب و زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید و القط قطانہ و رہیمیہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔"

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل و عریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لاسکیں۔ (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کیا کرتے تھے۔ "وسميت

---

(۱) ص ۶۱، جمہرۃ الانساب (۲) ص ۱۸۹، ج ۸، البدایہ والنہایہ

(۳) ص ۵۱، ج ۶، معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء

عين الصيد بكثرة لسمك الذى كان بها[1]۔ اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہ قادسیہ والعذیب لوٹتے اور ملک شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گزرتا گیا تھا۔ ارض الطف کو " طف الفرات اى شاطى" کہتے تھے (ص۵۱، معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم تھی۔

"ان تكون ارض هذا الموضع (كربلا) رخوة فسميت ذلك" (۲)

''اس مقام (کربلا) کی زمین چونکہ ملائم تھی اس لیے اس نام سے کربلا موسوم ہوئی۔''

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کربلا کی زمین غلہ پچھوڑنے کے کام آتی تھی۔ کنکروں، روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بنا پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلا مشتق ہے۔ اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مؤلف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین و مددگار نہیں رہا، مسلم اور اُن کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم میں ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے، انھوں نے اپنے مؤقف سے رُجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ وعدل نحو الشام قاصدا الى يزيد بن معاوية (۳) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مُڑ گئے۔ یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لیے قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا۔ یہی شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ جب اُنھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیادؒ کا حکم ماننے کو کہا گیا تو اُنھوں نے منع کیا اور یزیدؒ کے پاس چلا جانا پسند

(۱) ص۵۱، معجم البلدان (۲) ص۲۲۹، ج۷، معجم البلدان

(۳) ص۱۷۹، عمدۃ الطالب

کیا فامتنع و اختار المضی نحو یزید۔[1] اب دیکھیے اسی بات کو ابومخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے اور کیسی مسخ صورت واقعہ کی بیان کی ہے۔ کہتے ہیں:

> ''جب حسینؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رُک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اُتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اُس نے بھی ایک قدم بھی نہ اُٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا۔ اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اُترتے رہے مگر اُن سب کا یہی حال ہوا کہ کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔تو لوگوں نے نے کہا غاز یہ، پوچھا: اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟ کہا: نینوا، پوچھا: اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟ کہا: شاطی الفرات، پوچھا: اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے؟ کہا: کربلا۔ یہ سُن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب و بلا، اب یہیں اُتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے۔ یہیں ہماری عزت وحرمت لُٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کیے جائیں گے۔ یہیں ہمارے بچے ذبح کیے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا، آپ کا قول غلط نہیں ہوسکتا۔''(۲)

کربلا سے کرب و بلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیوب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی، کس طرح حضرت حسینؓ سے منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ:

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ما قبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ بمرور دہور دلدل میں تبدیل ہو کر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے بعد

(۱) ص/۹۷، ایضاً (۲) مقتل ابی مخنف ص/۴۹

تین مشہور شہر اس کے نواح میں اُجڑے اور ایسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدائیوں کا بابل، بنوکدہ کے الحارث کا ابنار اور لخم کا الحیرہ۔ اس کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا جس کی مضافاتی زمین کربلا تھی۔

''عرب و مشرق بعید'' کے لائق مؤلف (حاشیہ) نے مسٹر ہرتھ (Hirth) ایک محقق کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (Tiaochi) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا۔ ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں۔ ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداً عربوں سے سابقہ پڑا تھا۔ اہل ایران عربوں کو ''تاجز'' کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو ''تاچی'' کہنے لگے۔ شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (Ta-chi) شامل تھا عہد عتیق کے بعد جب ''الحیرہ'' آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مؤرخ المسعودی نے دریائے فرات کے رُخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ پر جو بعد میں خشک ہو کر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ(۱) کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں

---

(۱) ا۔ایس۔اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔
۲۔جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔ ایرانیوں کی افواج کثیر کی خبر سُن کر حضرت عُمر فاروق اعظمؓ نے بذات خود محاذ جنگ پر تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور بعض اکابر صحابہؓ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو منع کیا۔ حضرت علیؓ نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علیؓ کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی ''وعرض علی علی الشخوص فاباہ'' یعنی علیؓ کو محاذ جنگ پر (اسلامی افواج کی سپہ سالاری) پیش کی اس پر اُنھوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عُمر فاروق اعظمؓ نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیر انداز ہیں ''انہ رجل شجاع مرام'' (ص ۲۶۴ فتوح البلدان بلاذری)۔ ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد بن ابی وقاصؒ بھی ہیں۔ ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعدؒ راوی حدیث اور صاحب نسل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلا کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواع سے جہاں نیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلا کا میدان بھی تھا کوسوں دُور ہٹ گیا تھ۔ کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط:

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی۔ اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے ''آب زلال و گوارا'' یہاں آسانی سے حاصل ہوسکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسینؓ کا زمین کھود کر ''آب زلال'' نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤرخ فرماتے ہیں:

> ''آنخضرت تبرے برگرفت داز بیرون خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت انگاہ زمین را باتبر لختے حفر کرد ناگاہ آبے زلال و گوارا بجوشیدہ اصحاب آنخضرت بنوشیدم مشکہا پُر آب کردند۔''(۱)
>
> ''آنخضرت (یعنی حسینؓ) نے ایک کدال اُٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو گاہ آب زلال و گوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔''

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

ہیں۔ الغرض حضرت علیؓ کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر، سیدنا خالد، سیدنا سعید بن العاص، سیدنا سعد رضوان اللہ علیہم اور اُن کے فرزند عمر بن سعدؓ سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔)

(۱) ص/۲۳۵، ج/۶، از کتاب دوم مطبوعہ ایران، ۱۳۰۹ء

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھو لیے گئے اور غسل بھی کیے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابو مخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مشک گھولا جائے ثم امر بمسك فیمثت فی جفنة عظیمة جب مشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمے کے اندر نورہ لگانے تشریف لے گئے دخل الحسین ذلك الفسطاط فتطلی بالنورہ اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں دخلنا فاطلینا یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔

اوّل تو یہ ''نورہ''[1] لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا۔ ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم سے بالوں کو ''نورہ'' مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہڑتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا۔ بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے۔ پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک کا۔۔۔۔ کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابو مخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو اُن کے مُنہ پر پانی کے

---

(۱) یعنی چونہ قلعی چیزیست کہ برائے دور کردن مواز بدن بکار برند وآں آہک و زرنیخ بہم سائیدہ است۔ (غیاث اللغات)

چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ مُنہ پر چھینٹے مارنے کے لیے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے مُنہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لیے قحطِ آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب وتاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

سچ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محل وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات و حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو قحط آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور اُن کے راوی:

یہ حقیقت ہے کہ جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں اُن کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں۔ اصلیت کیا ہے اس کا سُراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دُشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انھیں ''شیعی محترق'' یعنی جلا بُھنا شیعہ (کٹّر شیعہ) اور دروغ گو ''کذاب'' کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل وصفین ونہروان کے علاوہ کربلا پر ''مقتل ابومخنف'' ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انھی کی مختر عات ہیں۔ ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے '' قال ابومخنف'' کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کرلیا اور طبری سے دوسرے مؤرخین نے نقل کیا۔ اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانے میں ابومخنف کا تو اس دُنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ ان کا سن وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے۔[1] اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے

(۱) میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۲۶۰

تقریباً سو سال بعد۔ اب ذرا یہ بھی دیکھیے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلیے:

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص/۹۲) کہتے ہیں: ''لوط بن یحییٰ'' ابو مخنف کذاب۔ اسی طرح تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر ''کذاب'' کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص/ ۲۸۶)۔ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص/ ۳۸۶) میں ابو مخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط و الکلبی کذابان"۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"لا يوثق به.

تركه أبو حاتم وغيره.

وقال الدارقطني: ضعيف.

وقال ابن معين: ليس بثقة.

وقال مرة : ليس بشيء.

وقال ابن عدي: شيعي محترق صاحب أخبارهم"

''کسی اعتبار کے لائق نہیں۔

ابو حاتم وغیرہ (ائمہ جرح وتعدیل) نے اسے متروک قرار دیا۔

دارقطنی نے کہا: وہ ضعیف ہے۔

ابن معین کہتے ہیں: وہ اعتماد کے لائق نہیں۔

ایک بار فرماتے ہیں: وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔

ابن عدی نے کہا: وہ تو کٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔''

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابل اعتماد ''دروغ گو'' بتایا ہے حتی کہ تاج العروس شرح القاموس [1] میں ابو مخنف کا ''اخباری شیعی تالف متروک'' کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ اسی طرح

(۱) جز/۶، فصل/۵، ص/۱۰۵

صاحب معجم الادباء نے (ص/۱۴۱ ج/۲) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے "هو کوفي وليس حديثه بشيء" یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابومخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سُنیے۔ ایک تو محمد بن سائب الکلبی ہے اور دوسرا اُس کا بیٹا ہشام الکلبی۔

محمد بن سائب الکلبی ابو النصر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:

"كان الكلبي سبائيا من أولئك الذين يقولون ان عليا لم يمت' وانه راجع الى الدنيا ويملؤها عدلا كما ملئت جورا" (۱)

''یہ الکلبی سبائی تھا اور اُن لوگوں میں سا تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ لوٹ کر دُنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہے۔''

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سُنئے:

"ابن معين قال: الكلبي ليس بثقة.

وقال الجوزجاني وغيره: كذاب.

وقال الدارقطني وجماعة: متروك

قال الأعمش: أتق هذه السبائية' فاني أدركت الناس وانما يسمونهم الكذّابين"(۲)

یحیٰ بن معین کہتے ہیں: الکلبی لائق اعتماد نہیں۔

جوزجانی وغیرہ (ائمہ رجال) کہتے ہیں: وہ کذاب تھا۔

دارقطنی اور ائمہ رجال کی ایک جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔

اعمش نے کہا کہ: اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔''

---

(۱) میزان الاعتدال ج/۳ ص/۶۲ (۲) میزان الاعتدال ج/۳ ص/۵۷

اس کلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل و کتابوں کا مؤلف بھی ہے۔ اس کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذ ہے۔ ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:

"قال الدارقطني وغيره: متروك.

قال ابن عساكر: رافضي ليس بثقة"(۱)

''دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال نے) اس کو متروک قرار دیا ہے۔

ابن عساکر نے کہا ہے: وہ رافضی ناقابل اعتماد ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ابو مخنف و هشام بن محمد بن السائب و امثالهم من المعروفين بالكذب عند اهل العلم" (۲)

''ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور اُن جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں مشہور و معروف ہے۔''

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع و قماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت و توہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھیے تو ان کا سرمایہ، زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما، فرماتے ہیں:

"وَالَّذِينَ نَقَلُوا مَصرَعَ الحُسَينِ زَادُوا أَشيَاءَ مِنَ الكَذِبِ، كَمَا زَادُوا فِي قَتلِ عُثمَانَ، وَكَمَا زَادُوا فِيمَا يُرَادُ تَعظِيمُهُ مِنَ الحَوَادِثِ، وَكَمَا زَادُوا فِي المَغَازِي وَالفُتُوحَاتِ وَغَيرِ ذَلِكَ. وَالمُصَنِّفُونَ فِي أَخبَارِ قَتلِ الحُسَينِ مِنهُم مَن هُوَ مِن أَهلِ العِلمِ، كَالبَغَوِيِّ وَابنِ الدُّنيَا وَغَيرِهِمَا، وَمَعَ ذَلِكَ فِيمَا يَروُونَهُ آثَارٌ مُنقَطِعَةٌ وَأُمُورٌ بَاطِلَةٌ. وَأَمَّا مَا يَروِيهِ المُصَنِّفُونَ فِي المَصرَعِ بِلَا إِسنَادٍ" (۳)

---

(۱) میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۵۶ (۲) منہاج السنۃ، ج ۱، ص ۱۳

(۳) منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۲۴۸

''اور جن لوگوں نے حسین کا حزینہ نقل کیا ہے انھوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے بڑھا دیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں کہتے ہیں ان میں تو بہت ہی کذب ہے۔''

یہاں داستان کربلا کی وضعی و مَن گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف (۱) فرماتے ہیں:

''صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لیے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہذا مقتل ابومخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلم بند کردیا ہے۔

مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہاء تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر اُن کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو ضخیم دفتر فراہم ہوجائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج

(۱) جناب شاکر حسین صاحب امروہوی، مؤلف مجاہد اعظم

مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جُدا کرنا آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اُتار لینا، نعش مطہر کا لکدکوب سم اسپان کیا جانا، سر اوقات اہل بیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد و خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔"(۱)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسیط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مؤلف خود ہی "غلط و مشکوک وضعیف و مبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ابومخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مؤرخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔

اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سُن لیجیے جنھیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سنت کا امام قرار دے لیا ہے۔

ابن جریر طبری:

ابن جریر کا پورا نام وسلسلہ نسب یہ ہے: ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب، ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے۔ اپنے مولد و منشا آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک عالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجا محمد بن عباس خوارزمی جو بلند پایہ ادیب اور ہجو گو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اُس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مؤرخ طبری کی بہن جریر کے

(۱) مجاہد اعظم، ص ۱۷۸

گھرانے کی تھی۔ وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ اُمرا کی سرپرستی میں رہا۔ وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے:

بآمل مولدي ' ولابنو جرير فأخوالي ' ويحكي المرء خاله

آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے

فها أنا رافضيّ عن تراث وغيري رافضيّ عن كلالة

تو سُن لو میں وراثتاً رافضی ہوں اور میرے سوائے جو رافضی ہے وہ دُور کے لگاؤ سے ہے (۱)

ابن جریر نے شیعہ اور سُنی علما سے استفادہ کیا تھا۔ طلب احادیث میں طویل سفر بھی کیے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم و الملوک۔ غدیرخم جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کرڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلے کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور اُن کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (۲)

آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں پیش کر ڈالی ہیں۔ امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا۔ اور حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مضر نہیں۔ (۳)

جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے، ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اُن کا ظن کاذب ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابوجعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں۔ چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد اُن کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ اُن کی سخت غلطی ہے۔

---

(۱) معجم البلدان یاقوت حموی (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۱/ص ۱۴۸

(۳) میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۵

حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ: کان یضع للروافض یعنی ابن جریر طبری رافضیوں کے لیے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انھوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپیگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص۔ آخر ان وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ فیہ تشیع و موالاۃ لا تضر، یعنی اُن میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔

ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجیے۔ حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ کرامؓ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر 'لعن' تک تحریر ہے۔ ان کی جلد/۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے "من تاریخ الصحابة و التابعین تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری" اس کے صفحہ/۲۴ سطر/۲۵ پر فی وسط خلافة معاویه لعنه الله لکھ مارا ہے اور صفحہ/۲۹ سطر/۱ پر فی خلافة یزید بن معاویه لعنهما الله درج کیا ہے۔

برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم C.Ricu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سُنی ابن جریر کی تالیف کو اسی لیے بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے کہ مؤرخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ و فاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام وصلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ (۱)

اُن کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو اُن کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔ خود علامہ ابن کثیر نے جو اُن کو "احد ائمہ اسلام" کہتے ہیں، یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں

(۱) ص/۴۰۸، تتمہ فہرست مخطوطات عربی، برٹش میوزیم

بغداد میں اُن کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے اُن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لیے اُن کو اُن ہی کے مکان کے اندر دفن کر دیا گیا۔

"و دفن فی دارہ لان بعض عوام الحنابلة و رعاعهم منعوا من دفنه نهاراً او نسبوه الی الرفض" (۱)

''اور (ابن جریر طبری) کو اُن کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور اُن کے حوالی موالیوں نے اُن کی میت کو دان میں دفن نہ ہونے دیا اور اُن کو رافض سے نسبت دی یعنی رافضی بتایا۔''

یہ تو اُن کے معاصرین کی باتیں تھیں۔ آج بھی اُن کی تالیفات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ اُن کا میل اور رُجحان شیعیت و تفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابومخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہؓ کا سیاسی اختلاف رہا اُن کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سبّ و شتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں:

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابومخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوے فی صد روایتوں کا راوی ہے۔ اُس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کیے ہیں اور مؤرخین نے بِلا کسی استثنا کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے۔ اُن کی حالت اور کیفیت یہ ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابومخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو

(۱) البدایة والنهایة، ج/۱۱، ص/۱۴۶

تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری و عیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کرسکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا:

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لیے یہ کُلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ س +ل+ د ÷ ۷ یعنی جس سن کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو، اس سے ایک سال پہلے کے سن کو 'س' سے ظاہر کیا گیا ہے۔ 'ل' لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سن سے قبل تک آئے ہوں۔ 'د' سے مُراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی ''دس نیو آرتھمیٹک (انگلش ایڈیشن)''۔

مثال: کربلا کا واقعہ ۱۰/اکتوبر ۶۸۰ء [1] کو پیش آیا۔ کلیہ میں س، ل اور د کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹ اور ۲۸۴ درج کر کے ان کے مجموعہ کو سات (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی پانچ (۵) آتا ہے۔ سنیچر سے پانچ (۵) دن آگے چہار شنبہ کا دن ہوتا ہے۔ یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو نیو ارتھمیٹک دل محمد ایم اے)۔ روایتوں میں جمعہ کا دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا

---

(۱) راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اُردو (دہلی، ہند) کی شائع کردہ تقویم ہجری و عیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابوالنصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ایڈورڈ اعلی کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کارآمد و مستند تقویم ہے۔

سال سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب جو صدی چار سو (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں:

آگے آنے والے جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار، خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بہ تصریح ماہ و سال درج ہیں اُن میں ایسی ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی۔ تقویم ہجری و عیسوی نیز کلیہ حساب کی رُو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ یا جو دن آتا ہے وہ آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں۔ مؤرخ طبری اور دوسرے مؤرخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کیے ہیں:

"وَكَانَ خُرُوجُ الحُسَينِ مِنَ المَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ يَومَ الأَحَدِ لِلَيلَتَينِ مِن رَجَبٍ سَنَةَ سِتِّينَ' وَدَخَلَ مَكَّةَ لَيلَةَ الجُمُعَةِ لِثَلاَثٍ مَضَينَ مِن شَعبَانَ' فَأَقَامَ بِمَكَّةَ بقية شعبان و رمضان وشوال و(ذي) القعدة' وخرج من مكة لِثَمَانٍ مَضَينَ مِن ذِي الحِجَّةِ يَومَ الثُّلاَثَاءِ يوم التروية" (۱)

''حسینؓ مدینہ سے یک شنبہ کے دن ۱۶ رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر بقیہ ماہ شعبان و رمضان و شوال و ذی القعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ ذی الحجہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔''

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:

''حسین علیہ السلام یکشنبہ بست و ہشتم رجب از مدینہ بیرون شد و روز جمعہ سیم

(۱) ص ۱۵۸/، ت ۸/، البدایۃ والنہایۃ / ص ۲۲/ ج ۶/، طبری

شعبان وارد مکہ گشت۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم بر ابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ۔ یوم عرفہ بود شہید گشت۔ (۱)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ محرم بتاتے ہوئے ص ۲۳۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''ایں واقعہ در روز پنج شنبہ دوم شہر محرم الحرام بود۔''

مؤرخ طبری بھی حضرت حسینؓ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم نزل (ای العقر) و ذلك یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم ۶۱ ھجری" (۲)

''پھر (العقر) کے مقام پر اُتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔''

مؤرخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کیے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ متضاد ہیں کہ کسی طرح لائق و قابل بیان نہیں۔ بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسی نوے برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے۔ ورنہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ واقفانِ حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مؤلف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ ''مردان اہل بیت'' سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ

---

(۱) ص ۲۰۷، ج ۷ از کتاب دوم، مطبوعہ ایران

(۲) ص ۲۳۲، ج ۶، طبری

ہوئے، اُن سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ جس شخص نے سُنا دو
تیسرے سے بیان کردیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہ
کی اصلیت کو افراط وتفریط سے مسخ کردیا۔(ص ۱۷۶/) سچ ہے
چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔

جدول تاریخ و دن:

تاریخیں اور دن جو مؤرخین نے ابو مخنف کی روایت سے بیان کی ہیں

نمبر شمار	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	۶۰ھ	۲۸ رجب	یکشنبہ
۲	مکہ میں آمد	"	۳ شعبان	جمعہ
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ ذی الحجہ	چہارشنبہ
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ
۶	العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ	۶۱ھ	۲ محرم	پنجشنبہ
۷	حادثہ کربلا	"	۱۰ محرم	جمعہ

۱۰ محرم ۶۱ھ کا ۱۰/ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ہونا، مجا

تسلیم تھا۔ ۱۰/اکتوبر ۶۸۰ء کو از رُوئے تقویم وکلیہ حساب چہار شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔ کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہوجاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی۔ لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے۔ حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سُنے اور معلوم کیے ہوتے جسے اُن کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کرسکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کیے ہیں جن سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں وہ کیوں کر قابل وثوق و لائق یقین ہوسکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ وقد تطرق التعصب فی الواقعه شدید تعصب نے راہ اختیار کرلی ہو، اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کردیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں سب راوی متفق و یک زبان نہیں۔ ایک کچھ بیان کرتا ہے، دوسرا کچھ۔ مؤرخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا نہیں بلکہ نینویٰ میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں:

"(ا) عَن جَعفَرِ بنِ سُلَیمَانَ الضُّبَعِیِّ قَالَ:فقدم للعراق فَقَتَلَ بِنِینَوَی یَومَ عَاشُورَاءَ سَنَةَ اِحدَی وَسِتِّینَ."

(۲) قَالَ ابن سعد: أَخبَرَنَا مُحَمَّد بن عُمَرَ قَالَ: قتل الحُسَين بن علي ع فِي صفر سنة احدى و ستين وَهُوَ يَومَئِذٍ ابن خمس وخمسين" (۱)

"(۱) جعفر بن سلیمان الضبعی سے روایت ہے کہ وہ (حسینؓ) عراق میں آئے اور روز عاشورہ ۶۱ھ کو مقام نینویٰ میں قتل ہوئے۔

(۲) ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ حسین بن علیؓ ماہ صفر ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اُس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔"

خود ابو مخنف نے بھی نینویٰ میں حضرت حسینؓ کے اُترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر" ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کے لیے مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بائیں جانب مُڑتے ہوئے چلے یہاں تک کہ نینویٰ پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اُتر پڑے۔" حتی انتھوا الیٰ نینوی المکان الذی نزل به الحسین۔ (۲)

دوسری جگہ طبری اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: فقالوا دعنا ننزل فی هذه القریة یعنون نینوی، انھوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینویٰ میں اُتر جانے دو۔ یہ نینویٰ جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے، قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سینکڑوں کوس (۳) دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں۔ کربلا کے قرب میں نینویٰ نام کے کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔

قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے تو اسی کے مضافاتی میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تو اعم و اشہر ہے۔ خصوصاً اس وقت کہ معز الدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور

---

(۱) ص/۲۲۳، ج/۶، طبری) (۲) ص/۲۳۲، ج/۶، طبری طبع اولیٰ مصر

(۳) نینوا کربلا سے تقریباً ۳۷۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس کے بعد اسی نے ڈالی تھی۔ شیعہ مؤرخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ ماتم حسین کا بانی مبانی معز الدولہ ہی تھا۔ وہ اس کے حال میں کہتے ہیں:

''**معز الدولہ**: یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم کی تھی۔''(۱)

مجاہد اعظم کے شیعہ مؤلف بھی عزاداری کی ابتدا ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''سلطنت بغداد کے ضعف پر ویلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ ویلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا اعلانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی۔''(۲)

علامہ ابن کثیر کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"فی عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۲ هجری) امر معزالدوله بن بویه ینحن علی الحسین بن علی بن ابی طالب"(۳،۴)

---

(۱) ص ۳۰۳، شارٹ ہسٹری آف سیریسنز مطبوعہ ۱۹۲۱ء

(۲) ص ۳۳۲ (۳) ص ۲۸۳ ج ۱۰، البدایہ والنہایہ

(۴) حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں۔ اسلام کی تاریخ میں بویہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انھوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے اُنھیں عضو معطل بنا دیا تھا۔ نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لیے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معزالدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

بہرحال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہے۔ لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا اُس پر رضا مندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ جو لوگ بھی اکابر اور وزرا و سلاطین میں سے اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

تھی۔ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا: ''لعنت ہو معاویہ پر، لعنت ہو اُس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا، نیز اس پر جس نے حسن کو اُن کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت ہو اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔''

رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معزالدولہ نے اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے اتنا لکھوا دیا گیا: ''خدا کی لعنت ہو اُن پر جنھوں نے آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا ہو اور لعنت ہو معاویہ پر۔''

یہ ابتدا تھی۔ ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا گیا کی عاشورا کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں مُنہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں۔

پھر اسی سال ۱۲ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور ہذلیات کا بانی معزالدولہ تھا۔ عاشورا کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ چلتی ہیں۔)

حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا، کون اُس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں، اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو۔ تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیوں کر رسائی ہوسکتی ہے جو دور دراز کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہو۔ پس کیوں کر اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعد مقام میں منقضی ہوچکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہو تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن کے قرائن ممکن ہوں۔ والی آخرہ"(۱)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں: فهذا الامر لا يعلم حقيقة اصلا۔ یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپردِ قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی لفظی تصویر کشی کے لیے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا۔ تاہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کیے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابومخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابل اعتبار حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں کچھ کذب و افترا ہے، کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابل تردید طریقہ پر ہوجاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس (۹۵۰) انگریزی اور آٹھ سو (۸۰۰) عربی میل کی مسافت

(۱) ص/۴۶۰، وضیات الاعیان ابن خلکان بذیل، ترجمہ الکیا الہراسی

بعیدہ دشوار گزار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ ۲ محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کون سا دن تھا یا اس دن کو کون سی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔

جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کی بجائے راوی کو اپنے رنگ میں پیش کرنا تھا۔

ولندیزی محقق دے خوئے نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:

> ''کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لیے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں و دعوت ناموں کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انھوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنا لیا اور واقعات نے تدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ عمر بن سعدؒ اور اُس کے فوجی افسروں کو عبیداللہ (بن زیاد) کو حتی کہ یزیدؒ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔''(۱)

کذب و افترا کی بدترین مثال:

دے خوئے جیسے آزاد اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے

(۱) ص ۲۹ ج اول، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارھواں ایڈیشن

میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کرلیا تو عمر بن سعدؒ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند اور حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہؓ میں شامل تھے جنھیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لیے (اپنے بعد) نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے۔ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ اُحد میں ان کی تیر اندازی پر نبی اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا:

"((ارم سعد ' فداك أبي وأمي)) . وقال : ((هذا خالي ' فليأت كل رجل بخاله))" (۱)

"(یعنی اے سعد) تیر پھینکے جاؤ میرے باپ اور ماں تم پر فدا۔ پھر فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں۔"

فاتح ایران اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے۔ ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی۔ حضرت علیؓ جب حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لیے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجیے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے۔ ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت کے قائم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعدؒ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم ﷺ کے عہد مُبارک میں تولد ہوئے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں صغار صحابہ میں ان کا ذکر

---

(۲) ص ۱۴۷، المعارف ابن قتیبہ، طبع اوّل، مصر

کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عمر بن سعد بن أبي وقاص الزهري:

قال ابن عساكر: أنه ولد في عهد النبي صلّى اللّه عليه و آله وسلّم" (۱)

"عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری:

ابن عساکر کہتے ہیں کہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے۔"

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم ﷺ کے ماموں کے فرزند بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنھوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی، جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہد احمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے، جنھوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور اُن کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطینہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیاء بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعدؒ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے اُن کو پیوستہ کیے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ تو اہل عرب کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم ﷺ کے تعداد ازواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جن میں بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جان نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا اُن کے کسی عزیز

---

(۱) ص ۱۷/۳۲، ج ۳/

کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؒ کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کُجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں، جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو، جس کے یہ تعلقات اور قرابت ہاشمی خاندان سے ہو جس کی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے یہ روایت وضع کرڈالی کہ عبیداللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؒ کے لیے لکھ دیا تھا۔ (۱)

اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کرلیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؒ کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں اُن کا جانا ملتوی کرکے مقابلہ میں بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کردو یا اس کام کو انجام دو۔ (۲)

---

(۱) ص/۲۳۲، ج/۶، طبری و دیگر کتب تاریخ

(۲) ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کرکے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر ابومخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسینؓ کا سر جو کوئی (کاٹ کر) میرے پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔ (ص/۵۰) پھر امیر عمر بن سعدؒ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا۔ انھیں حکم ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کردو۔ انجام دہی کے لیے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نامنظور ہوئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو مہاجرین و انصار کی اولاد میں لوگ ابن سعدؒ کے گھر میں داخل ہوکر ملامت کرنے لگے کہ میاں تمھارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت رضوان کے شُرکا میں سے تھے اور تم حسینؓ سے لڑنے جارہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؒ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رے کی حکومت کے لالچ میں آ کر منظور کرلیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے اُن کے منہ سے کہلواڈالے۔

أَأَترُكُ مُلكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ رَغبَةٌ　　أَم أَرجِعُ مَذمُومًا بِقَتلِ حُسَينِ
وَفِي قَتلِهِ النَّارُ الَّتِي لَيسَ دُونَهَا　　حِجَابٌ وَمُلكُ الرَّيِّ قُرَّةُ عَينِ

''کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسینؓ کے قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔''

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے مُنہ سے کہلوا دیئے۔ لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا۔ ایک عجمی شاعر نے اصفہان و ہمدان وقُم و رَے اُن چار شہروں کو دُنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو ''شاہ بلاد'' کہا ہے۔

معدن مردمی و کانِ کرم و شاہِ بلاد
رے بود رے کہ چو رے در ہمہ عالم نہ بود

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتل حسینؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں۔ ابومخنف نے آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کیے ہیں جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند مشہور شعر کہلوا دیئے ہیں۔ آخر کا شعر ہے:

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسینؓ کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہوگا۔ الغرض یہ ہے روایت جس سے حسینؓ کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔
(ص/۵۰)

کیا تعجب ''شاہ بلاذ'' کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مؤرخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لیے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا۔(۱) خود ابومخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر سے کی تھی نقل کیے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انھوں نے کوفیوں سے کہا تھا: یعنی امیر المومنین نے اللہ اُن کی بہتری کرے مجھے تمھارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔(۲)

جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) کے معاملات سے اُس کا کیا تعلق اور واسطہ؟ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی و عامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر و تبادلہ و برطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت کو ہوتا ہے۔ خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انھوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی

---

(۱) وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہیں کہ امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام ''سرجون رومی'' سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سُن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا۔ اُس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجیس تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیر المومنین جو اپنے دہ سالہ زمانہ ولی عہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے، عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذات واقف تھے۔ ان کو محکمہ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی و عامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغہ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

(۲) ص/۲۰۱، ج/۶، طبری

دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعتاً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں؟ کہاں کوفہ کا عارضی والی (گورنر) اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر باختیار خود اجرائے فرمان! بہ ایں تفاوت رہ از کجا الست تا کجا

امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی، کسی فتنے نے سر اُٹھایا ہوتا تب بھی ایک بات تھی۔ امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لیے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سینکڑوں کوس دُور واقع تھا۔ درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے۔ رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا، وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے۔ خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اُس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے مسلم بن زیاد کو اُن کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا۔ اُنھوں نے بخارا، کرکانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کیے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا۔ (۱)

ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور اُن کے جُود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال گذشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کے لیے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقعہ اور

(۱) ص ۵۵، ۳۰۷ کتاب البلدان یعقوبی، مطبوعہ اپریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ

وقت۔ مبتی موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دبناوند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے۔ ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا۔ (۱)

رے سے خراسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا۔ "**والرے جادة طريق خراسان**"(۲) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لیے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گزر ہوتا تھا۔ بہر حال موضع دستی میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیان کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم و نسق سلطنت استوار کرنے کی اسی مؤثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اُٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

> "ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستی کے لیے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو "رے" کی حکومت کا فرمان بھی با اختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سن کر چونک پڑا۔ دستی والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا: پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا۔ "**فسر الى الحسين فاذا فرغنا مما بيننا و بينه سرت الى عملك**"۔ (۳)

---

(۱) ص/۵۸، ج/۸، معجم البلدان (۲) ص/۵۳، معجم البلدان

(۳) ص/۲۳۳، ج/۶، طبری

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں۔لیکن کسی راوی یا مؤرخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارانہیں کی کہ جب یہ لوگ حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے تو پھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جا کر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا۔ بحالیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پالی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا ''قرۃ عین'' تھا اور اتنا محبوب کہ ''قتل حسینؓ'' کا ارتکاب کرکے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کردینا کسی طور گوارانہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا اُسے دیا گیا؟ کسی مؤرخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا، کب ہوا، کیونکر ہوا اور کس ذریعہ سے ہوا۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مؤرخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر فراہمی لشکر موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کا جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے۔

کردار ابن زیاد:

امیر عبید اللہ بن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض وعداوت۔ وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے۔ ابن زیاد کی نیک

نیتی کا ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ نے اپنے آخری وقت جو وصیت ابن سعدؒ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بدعہدی اور غداری کی ہے اس لیے ہرگز ادھر کا رُخ نہ کریں، مکہ معظّمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی مخاصمت ہوتی تو تو مسلمؓ کا یہ پیغام ان تک کیوں پہنچنے دیتے۔ انھوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیر المومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اُس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جب تک خود اُن کے خلاف تلوار نہ اُٹھا لی جائے۔ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چند باتیں تو اس لیے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقع واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بعد مسافت اور منازل و مراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہبائے منشورا ہو جاتی ہیں، تارِ عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؒ:

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو ''قاتل حسینؓ'' کہا جاتا ہے۔ راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت سعدؒ اور حضرت حسینؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ انہا کان التقیا مرارا ثلاثا او اربعا حسین و عمر بن سعد۔ (ص/۲۲۵ ج/۶، طبری) ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:

"فأن اللّٰه قد أطفأ النائرة' وجمع الكلمة' وأصلح أمر الأمة" (۱)

(۱) ص/۲۳۴ ایضاً

''اللہ نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور اُمت کی اس سے بہتری چاہی۔''

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مؤرخین نے نقل کی ہیں، گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آ چکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے خط پڑھ کر ابن زیاد کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:

"هذا كتاب رجل ناصح لاميره و مشفق على قومه نعم قد قبلت"(۱)

یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تے۔ دو قوتیں البتہ ان کی مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں اُنھیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں، دوسرے اُن کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آ رہے تھے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حددرجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انھوں نے اپنے ان پیش روسبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ مؤقف پر قائم رہیں۔ ابومخنف ہی کی روایت ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نووارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب

(۱) ص/۲۳۶، ایضاً

دینی شروع کی کوہستان آجاء وسلمٰی پر چل کر ڈیرے ڈالیں۔ بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کا آموجود ہوں گے۔ ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کیے کہ ہم لوگ شاہان غسان وعمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت تیرہ اور اس کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوا کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ مسئلہ کو یقینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کرلیں اُن سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ: تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے تو موت بہتر ہے۔ آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سد باب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا ہوا تھا کہ مبادا اُن کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اُسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے۔ مگر حضرت ابن زبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظّمہ کو

روانہ ہوگئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کو جو پہلے ہی جوش انتقام سے مغلوب ہورہے تھے مشتعل کر دیا۔ نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنھیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جنگ جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا۔ آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ:

> ''گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی) قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا۔ حسینؓ اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو اُن سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔''(۱)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہ کیا تھا۔ ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کیے رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکا یک جدال و قتال میں بدل گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو ''قاتل حسینؓ'' کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت

---

(۱) ص/۱۱۶۲

میں گویا حق بر زبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؒ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ ان کے رُخسار اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے:

"قَالَ: فكأني أنظر اِلَى دموع عمر وَهِيَ تسيل عَلَى خديه ولحيته" (۱)

''(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) ان کے رخساروں اور ڈاڑھی پر بہنے لگے تھے۔''

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؒ کو کیوں نہ ہوتا حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انھوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہوگئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے۔ جہاں انھوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتّر (۷۲) مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے۔ گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور زار و قطار رونے لگے۔ پھر انھوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندانِ نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مؤرخ ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری متوفی ۲۸۲ھ (صاحب اخبار الطّوال) لکھتے ہیں:

"وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسين و اخواته و بناته و جواريه و حشمه في المحامل المستورة على الابل" (۲)

''اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔''

---

(۱) ص/۲۵۹، ج/۶، طبری (۲) ص/۲۷۰، سطر/۱۱، اخبار الطّوال

ولندیزی محقق دے خوئے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی تو ابن سعدؒ کو بھی قاتل کہا جانے لگا۔ اسی غرض سے یہ چند امور پیش کیے گئے کہ ایک طرف تو راوی بیان کرتے ہیں کہ ''قتل حسینؓ'' پر ایسا رنج وقلق پیدا ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں اور رُخسار اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہے۔ خواتین اور پسماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔ دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے دل لرز کر رہ جاتا ہے۔ مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ سے کربلا) تعداد منازل و مراحل، روانگی کی صحیح تاریخ، کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کیے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہبائے منشوراً ہوجاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ایسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے۔

طبقات ابن سعد میں ''بذیل الطبقه الاولیٰ من اهل المدینة من التابعین'' کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری ابو حفص المدنی سکن الکوفة روی عن ابیه و ابی سعید الخدری و عنه ابنه ابراهیم و ابن ابنه ابوبکر بن حفص بن عمر و ابو اسحاق السبیعی والعیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ و الزهری و یزید بن ابی حبیب وغیرهم قال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث وروی الناس عنه وهو تابعی ثقه''(۱)

''عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انھوں نے اپنے

(۱) ص/۴۵۰ ج/۷، تہذیب التہذیب

والد ماجد اور ابو سعید الخدریؓ سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابو اسحاق السبیعی اور العیز ار بن حریث و یزید بن ابی مریم اور قتادہ اور زہری اور یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث عجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعد) نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔''

عمر بن سعدؒ کو قتل حسین سے جب متہم کیا جانے لگا تو متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لیے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (۱)۔ علامہ ذہبیؒ کا زمانہ اُن کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کاذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مؤرخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچ سو برس کی مدت گزر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے۔ بایں ہمہ عمر بن سعدؒ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے، پوتے کے علاوہ زمرہ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کیے ہیں، ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں۔ جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحٰق (۲)، عمرو بن عبداللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال و قتادہ

(۱) میزان الاعتدال ج ۲/ص ۲۵۸/

(۲) سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم تاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علمی ابن فتحون برتر تھے وھما متعاصران و ثانیھما احسنھما' کشف الغنون میں ابو بکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔)

بن و عامہ سدوسی و محمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ غالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا تھا۔ (۱)

محدث ابوبکر بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیوں کر شامل ہوئے تھے۔

"قال: کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن أبي وقاص: ان اللّٰه قد فتح الشام والعراق، فابعث من قبلك جندا الی الجزیرة، فبعث جیشا مع عیاض بن غنم، وبعث معه عمر بن سعد، وهو غلام حدیث السن وکذا رواه یعقوب بن سفیان، والطّبريّ من طریق سلمة بن الفضل، عن ابن (أبي) اسحاق، قال: وکان ذلك سنة تسع عشرة

قال ابن فتحون: من کان في هذه السنة یبعث في الجیوش فقد کان لا محالة مولودا في عهد النبي صلّی اللّٰه علیه وآله وسلم

قال ابن عساکر: هذا یدل علی أنه ولد في عهد النبي صلّی اللّٰه علیه وآله وسلم" (۲)

''راوی نے بیان کیا ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام و عراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ نے) عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت

(۱) یہ ابو اسحاق شیعہ اولیٰ میں ہیں اور روافض سے بیزار۔

(۲) ص۲/۱۷۲، ج۲/، الاصابة في تمیز الصحابة مطبوعة مصر

نوعمر تھے۔

اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انھوں نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔

ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سن میں فوج میں شامل کر کے بھیجا گیا وہ لامحالہ عہد نبی ﷺ کا مولود ہوگا۔

ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؒ) عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے تھے۔"

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت سعدؓ علیل تھے۔ آنحضرت ﷺ جب عیادت کو تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد سعدؓ کی ولادت عہد نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی ﷺ کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؒ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا یہ بیٹا تولد ہوکر وراثت مال کا حق دار بنا ہو۔ قطع نظر اس کے جب اُن کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانیؒ نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؒ نہ صرف عہد نبوی ﷺ کے مولود تھے بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرسکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہوتو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؒ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ

کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریب کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعدؓ کو کسی طرح بھی متہم کیا جاسکتا ہے جو ''قتل حسینؓ'' کے متعلق اُن پر لگائے گئے ہیں۔

کفر و زندقہ کا الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی اُن پر عائد نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہوسکتی ہے کہ جس رسول (ﷺ) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (ﷺ) پر درود بھیجتے ہوں، جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابت ہو کہ اُن کی دختر حضرت فاطمہؓ رشتہ میں اُن کی پھوپھی کی پوتی اور خود اُن کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں اُن ہی کے فرزند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں اُن کے نواسہ ہوں، اُن کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کی لالچ میں۔

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں تو بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کرکے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ کی مقاتلت کرنے میں اُن کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دُنیا میں ''مطرود وملعون'' ہو جانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

''چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت ....''

''چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی۔''(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز وخود را مطرود ملعون دارین سازو............''

لیکن عمر بن سعدؓ چونکہ حسینؓ سے قتال و جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دُنیا میں اپنے کو مطرد وملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔''(۲)

---

(۱) ص/۲۳۴ ج/۱۲/ از کتاب دوئم (۲) ص/۲۲۶ ایضاً

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سُلجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنھیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور اُس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک اُن کے خلاف تلوار نہ اُٹھے۔ سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آ جانے پر وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب اُن کے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا، اُن راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں سولہ (۱۶) جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنھیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساٹھ پینسٹھ کوفیوں اور برادرانِ مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی نوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہو گئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادر کشی سے روکتے رہے مگر بے سُود۔ ابومخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کیے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات خصوصاً نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے اُن کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ روایتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط، بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو انسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے۔ ابومخنف نے اسی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد

بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"علمائے اخبار و مؤرخین آثار و شمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند ایں جملہ را من بندہ یاد کردم و با سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ و سہ ہزار در قلم آمد۔"(۱)

"علمائے اخبار مؤرخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسینؓ سے قتال و جدال کے لیے جمع ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعدؓ کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار قلمبند کی ہے۔"

ان ہی مؤلف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسّی (۸۰) ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔ (ص ۲۳۱ ایضاً) یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انھیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہیے تھا مگر ان کو تو داستان سرائی کرنی تھی نہ کہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج و سپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہوسکتی تھی۔ اُس زمانہ میں تمام ایران و خراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے۔ جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا ۵۴ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان و رے وغیرہ کے علاقہ تھے۔ چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا از سرِ نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لیے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مُدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبیداللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ ڈور سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہوجانا

---

(۱) ص/۲۳۰، ج/۶، از کتاب دوئم

قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسّی ہزار فوجی اور اُن کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لیے سامان رسد وغیرہ، سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف کارِ محال بلکہ ناممکن تھا۔ علمائے اخبار و مؤرخین آثار نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر آخر کیوں، کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لیے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سوسوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لیے جن میں متعدد نوعمر تھے اور جدال و قتال سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کہ اُن کی اِن ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی۔ اُن کو تو امیر المومنین یزیدؒ اُن کے عمال خلافت اور خاندان بنو اُمیہ کے خیالی ظلم و ستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور فرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرنے تھے۔ مثلاً یہ کہ:

> ''بالجملہ (حسین) میزد و میکشت دمی افگند و لشکر از پیش روئے او چوں گورخر از شیر و گلہ از گرگ می رمیدند و در پہن دشت حرب گاہ می پراگندند تا ایں وقت بہ روایت ایں شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار صد و پنجاہ کس ازاں کفار را بیرون زخمداران با تیغ درگزایند۔''(۱)

> ''خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے، اُٹھا پھینکتے تھے اور لشکری اُن کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدان جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت این شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب ایک ہزار نو سو پچاس نفر ان کفار سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے۔''

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نو

(۱) ص/۲۹۹، ج/۶ از کتاب دوئم

سو سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکٹھے پینتیس (۳۵) اشعار اُسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کیے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

بعلی الطھر من بعد النبی | والنبی الھاشمی الوالدین
خیرة اللّٰہ من الخلق ابی | بَعدَ جَدّیْ فانا ابن الخیرتین
والدی شمسٌ وامی قمرٌ | فانا الکوکب وابن القمرین
امی الزاھرءُ حقًا و ابی | وارث العلم و مولی الثقلین

''بھلا ان حسبی و نسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمک دار ستارہ ہوں، اُس وقت موقع ہی کیا تھا۔ حاشا جنابہ! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں، یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لے کر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثی کو قتل کر ڈالا۔ قتل منھم خلقاً کثیراً۔''(۱)

ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی۔ مؤلف ''مجاہد اعظم'' نے آپ کے اور آپ کے رُفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حضرت نے متواتر کئی حملے کیے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں۔'' بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ''اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے پچیس (۲۵) ہزار، دوسروں کے ہاتھ سے پچیس (۲۵) ہزار، اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ (۳۵۰۰۰۰) کوفی قتل ہوئے۔ (۲)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ روای بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر بازی ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اُٹھا نہ گیا،

---

(۱) ص/۸۸ (۲) ص/۲۶۶

دھاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے "فبیکی بکاءً شدیداً او نادیٰ"(۱)

ابومخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:

"واجدّاہ ' وامحمداہ' واابتاہ' واعلیاہ' واخاہ' واحسناہ' واغربتاہ' واعطشاہ' وغوثاہ' واقلۃ ناصراہ' اقتل مظلوماً وجدي مصطفیٰ' واذبح عطشاناً وابی علي المرتضی اترك مھنو کاً وامی فاطمۃ الزھرا" (۲)

"ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابّا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی، وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفیٰ ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے باپ علی المرتضیٰ ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔"

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مردِ مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کیے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ بین و واویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھیے۔

عمر بن سعدؓ اور اُن کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں اُن کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، پچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے ۱۹۵۰ لشکریوں کے لیے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے

---

(۱) ص ۸۹/ (۲) ابی مخنف مطبوعہ نجف ص ۸۹/

چاہییں یعنی پورا دن پوری رات گزرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید۔ حالانکہ طبری و دیگر تمام مؤرخین نے ابومخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہوگیا تھا، جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے۔ یعنی کم وبیش آدھ گھنٹہ میں۔ اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی۔ قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بُعد مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً وضعی اور بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ناعاقبت اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کردینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکا یک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہوگیا تھا۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض ''لڑکے'' سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچالیا حالانکہ وہ اُس وقت ۲۳ برس کے سن و سال کے صاحب اولاد تھے۔ اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کراکے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی ''خوش خبری'' سنانے کو ایک آدمی اپنے اہل وعیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتح مند کیا ''لابشرهم بفتح الله عليه'' (۱)

حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں یعنی اُن کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم ﷺ کے دوسرے ماموں، سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ صحابی تھے جنھوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ اُن ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دُختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں جن کو یہ ''خوش خبری'' پہنچانے کے

---

(۱) ص/۲۶۲، ج/۶، طبری

لیے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو صحابہ کرامؓ اور اُن کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کی بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؒ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی ۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے، دو بیٹیوں کے نام حضرت فاروق اعظمؓ کی دختر اُم المومنین حفصہؓ کے نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابوحفص سے موسوم کیا۔ شاید اُن کے نام ''عمر'' کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثر ان بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب بنا ہو۔ ان تمام مبالغات اور وضعی و اختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے اہل خاندان کے مؤقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہوجاتی ہے جو خاندان امیرالمومنین یزیدؒ اور بنی اُمیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں۔ چنانچہ ابن سعدؒ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے۔

مؤقف علی بن الحسینؒ:

حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) اپنے جذبات و خیالات اور فرائض ملّیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ اُن کے دھوکہ میں نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا ان کے نزدیک آپ نے اُموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیے تھی ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے۔ آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہوجائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُمت حضرت علیؒ (زین العابدین) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقہ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے دُرست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی

کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے اول سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا۔ آپ نے دمشق میں امیر المومنین یزیدؒ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی اُمیہ کے تمام افراد کو خارج البلد (مدینہ سے) کردیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدین)۔[1] اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے مؤقف سے بذریعہ تحریر مطلع کردیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنیؓ کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا اُس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھے تھے۔[2] جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

أبلغ أبا بكر اذا الجيش انبری وأشرف القوم علی وادي القری

یعنی جب فوج روانہ ہوکر وادی القریٰ پہنچ جائے تو ابو بکر (کنیت ابو الزبیرؓ) سے

کہہ دینا

أجمع سكران من الخمر تری أم جمع يقظان اذا حث السری

کیا اسے تم ایک شرابی بدعت کی جماعت سمجھتے ہو یا اس ہوش مندی کی جو

(بغاوت کرنے کو) فوجیں بھیجتا ہے

واعجبا من ملحد وا عجبا مخادعٍ فِي الدين يقفو بالفری

(۱) ص ۲۱۸، البدایہ والنہایہ (۲) انساب الاشراف بلاذری، ج ۴

افسوس و تعجب ہے اس ملحد پر جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی
بات کو سچی بیان کرتا ہے

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی، اور فرمایا:

''دیکھو تم علی بن الحسینؒ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، توقیر کے ساتھ بٹھانا۔ وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو اُن لوگوں نے ہماری کی ہے۔ اُن کی تحریر میرے پاس آ گئی ہے۔''(۱)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:

''ان امیرالمومنین امرنی ببرّہ و اکرامہ'' (۲)

''یعنی امیرالمومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔''

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سُن کر امیرالمومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا اُن کو دُعائیں دیں اور کہا: ''وصل اللہ امیرالمومنین'' یعنی اللہ تعالیٰ امیرالمومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانپے۔

طبقات ابن سعد (الطبقات الکبریٰ) جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابوجعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

''عَن یَحیَی بنِ شِبلٍ عَن أَبِي جَعفَرٍ أَنَّهُ سَأَلَهُ عَن یَومِ الحَرَّةِ: هَل خَرَجَ فِیهَا أَحَدٌ مِن أَهلِ بَیتِكَ؟ فَقَالَ: مَا خَرَجَ فِیهَا أَحَدٌ مِنْ آلِ طَالِبٍ وَلَا خَرَجَ فِیهَا أَحدٌ مِنْ بَنِي عَبدِالمُطَّلِبِ. لَزِمُوا بُیُوتَهُم. فَلَمَّا قَدِمَ مُسرِفٌ وَقُتِلَ النَّاسُ وَسَارَ اِلَی العَقِیقِ سَأَلَ عَن أَبِي عَلِيّ بنِ حُسَینٍ أَحَاضِرٌ هُوَ فَقِیلَ لَهُ نَعَم فَقَالَ: مَا لِي لا أرَاهُ؟ فَبَلَغَ أَبِي ذَلِكَ فَجَاءَهُ وَمَعَهُ أَبُو هَاشِمٍ

(۱) طبری، ج/۷، ص/۲۰ (۲) ص۳۹، ج۴، قسم ثانی، مطبوعہ یروشلم

عَبدُاللّٰہِ وَالحَسَنُ ابنَا مُحَمَّدِ بنِ عَلِيٍّ ابنِ الحَنَفِیَّۃِ. فَلَمَّا رَأَی رَحَّبَ بِہِ وَأَوسَعَ لَہُ عَلَی سَرِیرِہِ ثُمَّ قَالَ لَہُ: کَیفَ کُنتَ بَعدِي؟ قَالَ: اِنِّي أَحمَدُ اللّٰہَ اِلَیكَ. فَقَالَ مُسرِفٌ: اِنَّ أَمِیرَالمُؤمِنِینَ أَوصَانِي بِكَ خَیرًا. فَقَالَ أَبِي: وَصَلَ اللّٰہُ أَمِیرَ المُؤمِنِینَ۔"

''یحییٰ بن شبل نے ابوجعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعہ حرّہ کے متعلق دریافت کیا کہ ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادی عتیق میں ٹھہرا تو اُس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اُس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اُس نے کہا کہ کیا بات ہے میں اُن کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد کو پہنچی وہ اُس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور فرزند حسنؒ محمد بن علی (ابن حنفیہ) بھی تھے۔ مسلم نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انھوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا۔ مسلم نے کہا کہ امیرالمومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے کہا: اللہ امیرالمومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے۔''

حضرت ابوجعفر محمد (الباقر) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ و السیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"وسأل مسلم بن عقبة قبل أن یرتحل من المدینة عن علي بن الحسین، أحاضر ھو؟ فقیل له: نعم. فأتاہ علي بن الحسین، ومعه ابناہ،

فرحب بهما وسهل وقربهم وقال: ان أمير المؤمنين أوصاني بك. فقال علي بن الحسين: وصل الله أمير المؤمنين وأحسن جزاؤه" (۱)

''مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسینؒ کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں، اُن سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ علی بن الحسینؒ اُن کے پاس آئے اُن کے ساتھ اُن کے فرزند بھی تھے۔ مسلم نے اُن کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی بن الحسینؒ نے کہا کہ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے اور ان کو جزائے خیر دے۔''

حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کی زبان سے امیرالمومنین یزیدؒ کو ''امیر المومنین'' کہتے، اُن کو دُعائیں دیتے سُننا ناواقفوں اور ''یزید دُشمنی'' کے ہزار سالہ پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کے لیے کچھ نئی سی بات معلوم ہوگی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:

''یزید کو امام و خلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱-۶۴ھ) میں بااختیار حکمران تھے۔ صاحب سیف تھے، طاقتور تھے، عزل و نصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے۔ حدود شرعی قائم کرتے تھے۔ کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کردے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔'' (۲)

زمانہ خلافت میں تو ''امیر المومنین'' سے مخاطب ہونا یا سرکاغذات میں نام کے ساتھ

(۱) ج ۱، ص ۲۳۰ (۲) ملخص منہاج السنۃ و رسالہ حسین و یزید

امیر المؤمنین لکھا جانا عام بات تھی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ النساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہو چکا ہے جس میں انھوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنّفین نام کے ساتھ امیر المومنین لکھتے تھے۔ مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"وولد معاویہ امیرالمومنین— یزید امیرالمومنین" (۱)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابوالحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنھیں امام ذہبی نے احد الاعلام اور قدوۃ رواۃ اور ائمہ احادیث میں سے ثقہ وحجۃ بلا نزاع لکھا ہے (۲) یہ قول نقل کیا ہے یعنی وہ فرماتے تھے کہ:

"توفی امیرالمؤمنین یزید فی تاریخ کذا۔" یعنی امیرالمومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ انتقال ہوا۔

قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں:

"فسماہ اللیث امیرالمومنین، بعد ذہاب ملکھم، انقراض دولتھم۔ یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی امیرالمومنین کہتے تھے جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔"

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا لقب اس طرح لکھا ہے:

"هُوَ يَزِيدُ بنُ مُعَاوِيَةَ بنِ أَبِي سُفيَانَ صَخرِ بنِ حَربِ بنِ أُمَيَّةَ بنِ عَبدِ شَمسٍ، أَمِيرُ المُؤمِنِينَ أَبُو خَالِدٍ الأُمَوِيُّ"۔ (۳)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے اُس کی تکذیب

---

(۱) ص/۱۰۳ (۲) میزان الاعتدال، ج/۲، ص/۲۶۱

(۳) البدایۃ والنہایۃ، ت/۸، ص/۲۲۶

میں باسنادِ صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ (لسان المیزان)(۱)

حضرت علیؒ (زین العابدین) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ اُنھوں نے جرات کے ساتھ بنی اُمیہ کے بعض اکابر کی مدد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؓ کی اہلیہ سیدہ عائشہؓ بنت حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اُن کے گھر کے ساز و سامان اور اُن کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ اُن سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے اُن کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہؓ جب طائف جانے لگیں تو اپنے صاحبزادے عبداللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیج دیا تھا۔ (طبری)

حضرت علیؒ (زین العابدین) اُن کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی اُن کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) اُن کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اُن کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید، ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رُخ دیکھا کرتے جیسا کہ اکثر وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن زبیرؓ سے بیعت کرکے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا۔ مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں، اُن کا عشرِ عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی اُمیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقع ہوسکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص لینے والے) تھے، امیر المومنین یزیدؒ کے مخالف اور مدمقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا ابن زبیرؓ سے بیعت

---

(۱) لسان المیزان کی روایت ہے کہ: وقال یحییٰ بن عبدالملك بن ابی غنیه: حدثنا نوفل بن ابی عقرب: کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید بن معاویه فقال: قال امیرالمومنین یزید، فقال له عمر: تقول: امیرالمومنین؟ و امر به فضرب عشرین سوطا۔ (لسان المیزان، ج/۸، ص/۵۰۵)

کیوں نہ کی بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکار پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؓ، امیر المومنین عبدالملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہوگئے۔ حضرت علیؒ (زین العابدین) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اُموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملّیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملّی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

"عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ" (۱)

''حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لیے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں کسی

(۱) صحیح بخاری کتاب الفتن، باب اذا قال عند قوم ......

طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافة یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اُس سے الگ ہو کر اُس کے خلافت کہنے لگے۔ غالبًا یہ چوٹ ہے اُس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیماں توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشی کی تھی۔

اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن زبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اُنھیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ اُنھیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے اُن کے لیے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا۔

> "فَقَالَ (عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ): اِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً" (۱)
>
> "ابن عمرؓ نے فرمایا: میں تمھارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں وہ حدیث سنا دوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بیعت توڑ دی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا، اُس کے لیے کوئی عُذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک زین العابدینؒ اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة الى الكفر

تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ و فساد اور تفرقہ سے مجتنب۔ حضرت علیؒ (زین العابدین) نے امیر المومنین یزیدؒ کے زمانہ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی اُمیہ کا زمانہ پایا یعنی امیر المومنین مروانؓ، ان کے فرزند امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے فرزند امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح وہ بھی ان تمام خلفائے بنی اُمیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعہ مؤرخ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علیؒ (زین العابدین) میں قدیم سے دوستی تھی اور رشتہ داری بھی۔ حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے۔ [۱]

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو اُن سے ادا نہ ہوسکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم اُن سے وصول نہ کریں۔ [۲]

علامہ ابن کثیر نے اس محبت و مودّت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی (زین العابدین) کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں: واحبهم الى مروان و ابنه عبدالملك۔ [۳]

امیر المومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے ابنی اُمیہ کے بارے میں کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے وهو صحابى عند طائفة كثيرة لانه ولد فى حياة النبى صلى الله عليه وسلم [۴] یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروان) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ

---

(۱) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۸۰، البدایہ والنہایہ، ج/۹، ص/۶۹

(۲) البدایہ والنہایہ ج/۹ ص/۱۰۴ (۳) ص/۱۰۶، ج/۹، البدایہ والنہایہ

(۴) ص/۲۵۷، ج/۸، البدایہ والنہایہ

برس کی تھی۔ ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیبؒ اور عروہ بن زبیرؒ کے علاوہ علیؒ (زین العابدین) نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وقد کان مروان من سادات قریش و فضلائھا[1] یعنی (حضرت) مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلا میں سے تھے۔ امیرالمومنین حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے۔ اس زمانہ میں حضرات حسنینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق) بن محمد (الباقر) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی (زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں:

> "عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن و الحسین کانا یصلیان خلف مروان۔ (ص ۲۵۸/ج ۸، البدایہ و النہایہ) یعنی جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد (علی زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسنؓ و حسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر یا ثارات الحسین (یعنی خونِ حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کر کے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علیؒ (زین العابدین) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیرالمومنین عبدالملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا: اِنَّ الْمُختَارَ بَعَثَ اِلَيَّ بِمِائَةِ أَلفٍ فَكَرِهتُ أَن أَقبَلَهَا وَكَرِهتُ أَن أَرُدَّهَا فَابعَث مَن يَقبِضُهَا یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجیے کہ وہ یہ رقم آ کر لے لے۔ امیرالمومنین موصوف نے جواباً لکھا: یَا ابنَ عَمِّ، خُذهَا فَقَد طَيَّبتُهَا لَكَ. فَقَبِلَهَا یعنی اے چچا

---

(۱) ص/۲۵۷، ج/۸، البدایہ والنہایہ

کے بیٹے! آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے، پس آپ نے اس کو قبول کرلیا۔ (۱،۲)

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کومتوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو نا کام بنانا اور حضرت حسینؓ کوخروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں اُمویوں کی دین دُشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے ہیں تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی اُمویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انھیں چاہیے تھا کہ ابن زبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تا کہ ابن زبیرؓ کے ہاتھوں اُمویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آجائیں، تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لیے آسان ہوتا۔ مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علیؒ (زین العابدین) حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ اُلٹی بات کیوں کی کہ ابن زبیرؓ کا ساتھ نہ دیا، مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا، امیر المومنین مروانؒ، امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہوگئے۔ (۳) جس کے نتیجے میں ایک صدی تک تمام عالم اسلام اُمویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

---

(۱) ص/۱۰۶، ج/۹، البدایہ والنہایہ

(۲) امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحب اقتدار ہے اور نیازمندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لیے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین اسے لینے کی اجازت نہ دے دیں۔

(۳) سیدنا عباسؓ اگر امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انھی کو سمجھتے تھے اسی لیے ابن زبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

حضرت علیؒ (زین العابدین) اور ان کے اہل خاندان کے اس موقف سے روزِ روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور اُمویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کش مکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملّیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی و اُموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت، مودّت تھی اور تعلقات، مصاہرت تھی۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کیے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی اُمیہ و بنی ہاشم:

مشہور مستشرق دے خوئے (De Khoe) نے اپنے عالمانہ و محققانہ مقالہ بعنوان ''خلافت'' میں خلفائے بنی اُمیہ کے حالات کے سلسلے میں ایک موقع پر لکھا ہے:

> ''تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظّم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے بنی اُمیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصون نہیں۔ اس لیے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دُنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی اُمیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بہ مشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔''(۱)

بلاشبہ تاریخ و ادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں اور ہم

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۵، گیارھواں ایڈیشن

تک پہنچیں، بہ کثرت روایات بنی اُمیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔خلفائے ابنی اُمیہ کوظلم و ستم، فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔مگر ان کتابوں کے مؤلفین اوران روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی، نہ اُن کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جواکثر و بیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں۔فاضل مقالہ نویس اگر ان وضاعین وکذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی اُمیہ کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے۔اس عہد کی تاریخ کومسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مؤلفین ہیں جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مؤرخ طبری نے بلاکسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مؤرخین نے ابومخنف لوط وغیرہ وسبائی راویوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عمار الدہنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔بنی اُمیہ اور شامیوں کے خلاف سبّ وشتم و تہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کردیا تھا۔جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا۔

> ’’ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا۔‘‘(۱)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مؤلفین نے جو کتابیں تالیف کیں اور راویوں نے روایتیں وضع کیں ان میں سبّ وشتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔حتی

(۱) نہج البلاغۃ : جز ثانی، ص/۱۵۹

کہ ان ہی اہل شام کو (یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو) جنھیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر و کافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مؤلف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کیے گئے، حضرت معاویہؓ اور بنی اُمیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کیے ہیں جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی و کاتب وحی کو جنھیں قران پاک میں ''کرام بررۃ'' فرمایا گیا ہے یعنی بڑے عزت اور بڑے پاک باز ''اہل النار'' میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا ''ولکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً''(۱)

سبّ وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسا دے خوئے کو ہوا۔ لیکن بنی اُمیہ کے خلاف کذب بیانی و افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور اُمویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں۔ اُموی خلفا اگر ایسے ہی تھے جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ فاسق و فاجر تھے، منافق و کافر، ظالم و سفاک تھے تو کیوں کر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے۔(۲)

---

(۱) ص/۵۶۰، خطبہ/۱۹۵، نہج البلاغۃ

(۲) دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اُموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں۔ سب سے اہم چیز ہے حدیث و فقہ کی تدوین جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی۔ ان کتابوں میں اُموی صحابہؓ اور خلفا کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ مؤطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اُموی خلفا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صفین و کربلا کے بعد کی قربتیں:

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی اُمیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل۔

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؒ کے فرزند معاویہ بن مروانؒ کے عقد میں آئیں جو امیر المومنین عبدالملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔ (۲)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبدالملک کے عقد میں تھیں۔ (۳)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اُموی کے فرزند عبدالرحمٰن کو بیاہی گئیں۔ (ص/۶۸ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یہ امیر عامر اُموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اُموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؒ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اُموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اُموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مؤرخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسنیہ وعلویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؒ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ

(بقیہ حاشیہ و پچھلے صفحہ کا)

کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک اُمویوں کی خلافت اُمت کے نزدیک متفق علیہ رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اُٹھایا۔ وہ میدان میں اُس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خون ریز معرکے ہوئے۔ ادھر عربوں میں تلوار چل پڑی تھی حتی کہ خود اُمویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۸۰ (۳) ص/۶۹، ج/۹، البدایہ والنہایہ

''تزوجت'' (شادی ہوئی) کے بجائے کسی تخیفانہ طرز میں لکھا ہے ''خرجت الی الولید'' (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی)۔ اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:

''و کان لزید (بن حسین بن علیؓ) ابنة اسمها نفیسه خرجت الی الولید بن عبدالملك بن مروان فولدت له منه و ماتت بمصر وقد قیل انها خرجت الیٰ عبدالملك بن مروان و انها ماتت حاملاً منه والاصح الاول و کان زید بفد علی الولید بن عبدالملك و یعقده علیٰ سریره و یکرمه لمکان ابنته و وهب له ثلاثین الف دینار دفعةً واحدةً''

''یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار دینار عطا کیے تھے۔''(۱)

یہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

مؤلف کتاب ہذا نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر ''خرجت الی'' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ اُم کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے: ''و اول فرج غصبت منا'' (یعنی یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) عمدۃ الطالب، صفحہ ۴۴، طبع اول، مطبع جعفری، لکھنؤ

معاذ اللہ

معزالدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسین کی بنیاد ابتداً اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ اُم کلثومؓ کے حضرت عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہوگیا تو وہ حیرت زدہ ہوکر کہتا تھا ما سمعت هذا قط (۱) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سُنی تھی پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا۔ ورجع الی السنة و متابعتها(۲) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اُموی و مروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؒ سے ہوئی۔ (۳) یہ زینب حضرت محمد (الباقر) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسن مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے اور معرکہ قتال و جدال میں شریک ہوکر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے اور زخم مندمل ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی، اُم قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؒ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے عثمانی و اُموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؒ کے انتقال کے بعد یہ اُم قاسم حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں۔ (۴)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروان بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اُموی و مروانی

---

(۱) ص/۲۶۲، ج/۱۱، البدایہ والنہایہ (۲) ص/۲۶۲ ایضاً

(۳) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص ۳۶

(۴) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/ ۳۷؛ کتاب المحبر، ص/ ۴۳۸

نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے۔ (۱)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؒ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اُموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسماعیل مذکور۔ (۲)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علی کی شادی بھی اپنی چچیری بہن عمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اُموی نواسے محمد الاکبر، حسین، اسحاق اور مسلمہ پیدا ہوئے۔ (۳)

حضرت علیؓ کثیر الازدواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس (۳۶) مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطون سے ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ میں ۲۹ خواتین اور اُمّ ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویوں اور اُنیس اُم ولد چھوڑیں۔ (۴)

شیعہ مؤرخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی اولاد کے بارے میں بارے میں لکھتے ہیں:

"لامیرالمؤمنین فی اکثر الروایات ستة و ثلثون ولداً ثمانیة عشر ذکراً وثمانیة عشر انثی" (۵)

''امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔''

(۱) ص/۸۰، ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم (۲) ص/۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم
(۳) ص/۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم (۴) الملل والنحل ابن حزم
(۵) ص/۴۴

دختران علیؓ زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباس اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں۔ [(۱)]

وتزوج منهن ايضاً عبدالملك بن مروان [(۲)]

یعنی ان میں (ابنات علیؓ میں) سے اسی طرح عبدالملک بن مروان نے شادی کی۔

ان رشتوں سے جو بنی اُمیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی اُمیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد میں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی و سماجی معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور امام زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔

اب قلمی تصویر کا وہ رُخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔ ۴۰۰ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے تصنیف کر کے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کر کے شامل کتاب کیے ہیں۔ ان میں سے متعدد خطبات میں عبدالملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص میں نیز ان لشکر کشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن الاشعث کے مقابلہ میں اُموی خلیفہ نے کیں۔ حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت علیؓ کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ اس اُموی خلیفہ عبدالملکؒ کو حضرت علیؓ کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروان کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کیے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷ [(۳)] ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے: لكأنّي أنظر الى ضلّيل قد نعق

---

(۱) المعارف ابن قتیبہ، ص ۹۲؛ جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص ۳۳

(۲) ص ۳۳، جمہرۃ الانساب ابن حزم (۳) یہ خطبہ ۱۰۱ کی عبارت ہے۔ (مرتب)

بالشام. الخ. یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اُس نے نواحی کوفہ میں اپنے علم ظاہر اور بلند کیے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں، وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دونوں میں اس کے ظلم و ستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور و الم کی گزندگی میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شقشقہ شترِ مست کی طرح آوازیں دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ و تار اور بحر متلاطم و مواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اُس پر گزر ہو، تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بن مروانؒ) دوسرے گروہ (بنو عباسؓ) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں۔ (۱)

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اُموی اکابر کے تذکرے کیے ہیں جو عباسی خلفا کے ندیم و مصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی اُمویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔)

(۱) اہل تاریخ نے زوال خلافت اُمویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتح مندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چُن چُن کر اُموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انھیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل جنھوں نے ہسپانیہ میں اُموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی دست برد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انھوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا، اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا اور اپنی حکومت کو مظبوط کرنے کے لیے ہسپانوی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کیے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں اُمویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

حضرت علیؓ کی وفات سے تیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی۔ مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی، آپس میں محبت تھی۔

"وقد کان عبدالملك یحب مصعباً حباً شدیداً و کان خلیلا له قبل الخلافه" (۱)

"یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے۔"

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؓ جدال و قتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کردیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لیے شام سے لشکرکشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکین میں سخت رَن پڑا۔ اُموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن معاویہ کے فرزند عبداللہ اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن یزید بن معاویہ کر رہے تھے۔ مصعبؓ کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن یزیدؒ نے سخت حملہ کرکے قتل کردیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعبؓ ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو اُن کے پاس بھیجا کہ اُن کو امان دیں۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی کہ: ان مثلی لا ینصرف عن هذا الموضع الا غالباً او مغلوباً۔ یعنی مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا۔ (البدایہ والنہایہ) پھر ان کے بیٹے عیسیٰ بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے اُن سے کہا: یابن اخی، لا تقتل نفسك لك الامان یعنی اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے۔ اُن کے باپ نے بھی یہ سُن کر اُن سے کہا کہ: قد آمنك عمك فامض الیه۔ یعنی تمھارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں،

(۱) ص/۳۱۶ ج/۸، البدایہ والنہایہ

قبول کرلو ہٹ جاؤ۔

بیٹے نے جواب میں کہا: لا يتحدث لنساء قريش انی اسلمتك للقتل یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہوجانے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر کہا: والله لا يتحدث قريش انی فررتُ من القتال یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہ تھی ذہنیت سادات قریش و شجاعانِ عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال و قتال کے عین وقت بھی مصعبؓ جب قتل ہوگئے، عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا:

"لَقَد كَانَ بَينِي وَبَينَ مُصعَبٍ صُحبَةٌ قَدِيمَةٌ ، وَكَانَ مِن أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ ، وَلَكِنَّ هٰذَا المَلِكَ عَقِيمٌ"

"یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے (اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا)۔"

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت و سلطنت کے حصول کی کش مکش اور سیاسی رقابت کے سلسلے میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس اکتیس برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا، اُس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلم الاخلاق کی تعلیم وصحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنة بنی اُمیه الخ یعنی آگاہ ہوجاؤ تمھارے لیے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی اُمیہ ہیں بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ

خطبہ ۱۲۰ میں حضرت مروانؒ کے لیے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسے کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے اور قریب ہے کہ اُمت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سُرخ موت نصیب ہو۔ شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید کے

نزدیک ان چار سے مراد یا تو بنی عبدالملک ہیں یعنی الولید، سلیمان، یزید و ہشام یا بنو مروان ہیں یعنی عبدالملک، عبدالعزیز، بشر اور محمد۔ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔

ایک اور خطبہ ۱۲۳ میں بنی اُمیہ کے لیے جن میں سے بہتوں کو خود اُن کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں:

''خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کے لیے باقی رہا تو میں انھیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔''

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا علم نہیں۔ سورۃ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:

"قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ" (۱)

''اے رسول کہہ دیجیے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے۔''

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ لوفرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبدالملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؒ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہوں گے اور عبدالملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی مروان میں اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی

(۱) الأنعام: ۵۰

کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروان کے حبالہ عقد میں دختران علی المرتضٰی دی گئیں۔ کیوں بنی مروان اور ان کی اولاد و احفاد سے ''امام زادیوں'' کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت و مودّت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تختِ خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ ''امام زادے'' جو اُن کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو اُن کی وفات کے تین سو ساٹھ برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے جو متبذل اور رکیک کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ اُمویوں اور ہاشمیوں میں نسلی خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان ''نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں'' لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات سے پیش کی تھی جو ''مولدۃ'' کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات سے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج ہوئے جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے مؤلف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید و تکذیب کے لیے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن سے نو قرابتوں کو تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولاد حسینؓ کی قرابتیں:

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنیے:

(۱) حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؒ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؒ کے مقتول ہوجانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے اصبغ بن عبدالعزیزؒ بن مروان سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے۔ ان کی کنیت ابو زبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں۔ (۱)

(۲) سیدہ سکینہؒ بنت حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے ہوا تھا۔ پھر اس اُموی شوہر سے علیحدگی ہوگئی تھی۔ (۲)

(۳) حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو اُن کے شوہر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے تھیں، امیر المومنین مروانؓ کے پروتے العباس بن الولید بن عبدالملک بن مروانؓ کو بیاہی گئیں۔ (۳)

(۴) حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اُموی خاندان میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان ذوالنورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اُموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر، قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (۴)

(۵) حضرت حسینؓ کے ایک پروتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اُموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی

---

(۱) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ ص/۹۴ و کتاب نسب قریش، ص/۵۹

(۲) المعارف ابن قتیبہ ص/۹۳

(۳) ص/۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری (حاشیہ)
غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس، اور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن جعفر کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

(۴) جمہرۃ الانساب، ص/۶۷، مقاتل الطالبیین، ص/۱۸۰ و کتاب نسب قریش، ص/۵۹

تھی۔ اس اُمویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پروتے محمد و عبداللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔(۱)

(۶) حضرت حسینؓ کے اور پروتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اُموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذوالنورین سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پروتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے۔(۲)

دیگر قرابتیں:

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اُموی و مروانی خاندان میں ہوئیں۔ اب اُن کے بھائی عباس بن علی اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سنیئے:

(۷) حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علی کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی کی شادی امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ سے ہوئی۔ اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزیدؒ کے پرپوتے علی و عباس (حاشیہ) فرزندانِ عبداللہ بن خالد بن یزید ہوئے۔(۳)

ان میں سے ایک علی بن عبداللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین مامون الرشید عباسی کے خلاف بادعائے خلافت خروج میں کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علی اپنے حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود

---

(۱) جمہرۃ الانساب، ص/۷۵ و کتاب نسب قریش، ص/۴۷

(۲) جمہرۃ الانساب، ص/۴۷، کتاب نسب قریش، ص/۶۵

(۳) جمہرۃ الانساب، ص/۱۰۳، کتاب نسب قریش، ص/۹۷

اُمویوں کے یہ نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت اُمویہ ہیں۔

تھے۔معرکہ قتال میں شریک ہوکر مقتول ہوئے۔منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علی کو ''سقائے اہل بیت'' بھی کہا گیا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔لیکن امیرالمومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان ''سقائے اہل بیت'' کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی، ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیرالمومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا۔آل معاویہ کے بجائے آل مروان خلافت پر فائز تھے۔جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خورد سال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو، وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی۔ اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اس قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعہ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں، یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابومخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ وضاعین و مؤلفین ہیں جنھوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مؤرخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کیے، مجالس اور مراثی میں بیان ہوکر زبان زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کے ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی وجعفری وعباسی اکابر اپنی بیٹیاں اُموی خلفا کو اور اُن کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودّت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

(۱) حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؒ کے پروتے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک بن مروان سے ہوا تھا۔ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاح ثانی حضرت ابوسفیانؓ کے

پروتے ابوالقاسم بن الولید بن عتبہ بن سفیان سے ہوا۔ ان ابوالقاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور اُن کے اُموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابوسفیان امیر المومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانہ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابوالقاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے حضرت حسینؓ کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیار کی صاحبزادی بیاہی گئیں۔ (۱)

(۲) حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ اُم کلثوم بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں۔ اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہوکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ اُن سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہوجانے پر طلحہ بن عمر بن عبیداللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان اُم کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہوجانے پر اُموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہوگئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ و جعفریہ خاتون کا اُموی خاندان میں ابان بن عثمان ذوالنورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ (۲)

(۳) حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ اُم محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہوچکا امیر یزیدؒ کے حبالہ عقد میں تھیں اور ان اُم محمد کی حقیقی بہن اُم ابیہا، امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔

---

(۱) کتاب المحبر، ص ۴۴۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص ۱۰۲
(۲) المعارف ابن قتیبہ، ص ۹۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص ۶۱ و ۱۱۴، کتاب نسب قریش، ص ۸۳

طلاق ہوجانے پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ یہ دونوں بہنیں اُم محمد و اُم ابیہا اور چار بھائی یحیٰ و ہارون و صالح و موسیٰ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں، اُن کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے اُن سے عقد کرلیا تھا۔(۱)

(۴) حضرت علیؓ کے ایک نواسہ اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر بعد میں ''علی الزینبی'' کہلائے۔ اُن کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروان سے ہوئی تھی۔ اُن کے فوت ہوجانے کے بعد پھر وہ اُسی اُموی و مروانی خاندان میں بکار بن عبدالملک کے عقد میں آئیں اور بکار اُموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔(۲)

(۵) حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علی (الحنفیہ) کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اُموی خاندان میں سعید بن عبداللہ بن عمرو بن سعید بن العاص بن اُمیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں۔(۳)

یہ سب بیس قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیر المومنین یزیدؒ اور اُن کے دوسرے اُموی عزیزوں سے ہوئیں۔ ورنہ یوں تو بنو ہاشم و بنواُمیہ میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بن عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن

(۱) کتاب نسب قریش، ص ۸۳، جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص ۶۲

(۲) کتاب المحبر، ص ۴۴۰ (۳) کتاب نسب قریش، ص ۶۷

حرب بن اُمیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اُموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضا اُم حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی اُم جمیل (حمالتہ الحطب) حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی۔

اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباس و محمد الحنفیہ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اُموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کیے اور اپنا ایک نکاح بھی آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اُم المومنین اُم حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اُس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

"عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً"(۱)

"شاید اللہ تمھارے اور اُن کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کردے۔"

ابوجعفر البغدادی متوفی ۲۴۵ھ اپنی کتاب "المحبر" میں لکھتے ہیں:

"و کان ذلك حين افتتح مكة وقد كان نزل عليه:

فكانت المودة تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلّم اُم حبيبة بنت ابى سفيان۔ فلان ابو سفيان لرسول الله صلى الله عليه۔ فتلك المودة"

"پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر اُم

(۱) الممتحنۃ: ۷

حبیبہ سے نکاح کیا، جس کی وجہ ابوسفیان (کے دل میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی پس یہی محبت کا موجب تھی۔"(۱)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آ کر سُنائی، اُنھوں نے کہا: "اچھا ہوا محمد اس کے بہت اہل ہیں۔" یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمدورفت اور میل جول مہاجرین و اہل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ ابوسفیانؓ اور اُن کے بیٹے حضرت اُم حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسُفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے۔ آپ ﷺ سے اور اُن سے دورانِ گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سُنا کہ آنحضرت ﷺ اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔ قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوحنظلہ (ابوسفیانؓ کی کنیت) کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت ﷺ سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے تم اُن کے ہم نوا کیوں ہو۔ اُسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کے فرمانے سے اُن کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تا کہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور اس نوید کے ساتھ اُن کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ " من دخل دار ابی سفیان فھو آمن۔" یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور اُن کے صاحبزادوں کو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں رکھا۔ جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لائے تھے۔ پھر اُن کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح

(۱) المحبر، ص/۸۹

مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبّر ہی متعین کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے یہ عہدہ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح اُن کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیماء کا والی مقرر کیا اور وحی الٰہی کی کتابت کے لیے بھی اُن میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جاسکتا تھا۔ جس کی عظمت ایمانی وطہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحہم اللہ کہتے ہیں کہ اُنھیں کتابت وحی کے لیے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کے لیے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لیے امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اُموی خسر حضرت سفیانؓ اور اُن کے خاندان کو مدینے میں رکھا اور عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابو سُفیانؓ غزوہ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ اُنھوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہوگئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں اُن کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکرِ اسلامی کی حیثیت سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو اُن کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہوجانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انھوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدت خلافت میں صرف انھی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ اُنھوں نے کسی عامل کو جن میں کبار صحابہؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت اُم المومنین اُم حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہرہؓ کے ماموں اور اُن کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایامِ خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے اُن سے جو حسن سلوک کیا، گرانقدر

وظائف و عطایا مقرر کیے اُن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اُٹھا اور نوبت جنگ و جدل تک پہنچی اور بعد میں صلح ہوئی، وہ سیاست تک محدود رہی۔ بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو مخالفت پیدا ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ اُن کی اولاد میں بھی اسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے جبکہ حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہیں۔ صفین اور کربلا کے بعد کی قرابتیں ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کے لیے کافی ہیں۔

ہاشمی و اُموی زوجین کے لیے یہ رشتے اور ان کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں۔ عثمانی و سفیانی و مروانی گھرانوں میں علوی و حسنی نواسے نواسیاں اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اُموی و مروانی نواسے نواسی صفین و کربلا کے بعد پیدا ہوئے، بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔ جناب عباس بن علی کے نواسے علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید فخر یہ کہا کرتے تھے کہ: ''میں شیخان (سرداران) صفین کا پوتا ہوں۔''

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت و مودّت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت و عناد کا، جس کے بارے میں وضاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں، کتابیں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہب کا جامہ پہنانے اور واقعات تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ:

حادثہ کربلا کے بعد ان کی قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہو چکی ہیں۔ اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے جیسے جناب عباس بن علی یا مجروح ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے جیسے حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر

ممکن ہوسکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی اُمویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی شریک زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے ان ہاشمیہ و علویہ وحسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو، ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی مخدرات، پردہ عصمت کو بے پردہ اور مشکوف الوجوہ پھروایا ہو، مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کروا کر اپنے پاس منگوائے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر قمچیاں ماری ہوں، ان کے سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو، نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور وکفن ڈلوادیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو۔ غرض یہ کہ درندگی اور بہمیت کا کائی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک وخون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنی شادی بیاہ کے رشتوں کو، مناکحت ومصاہرت کے خیال تک کو گوارا کرسکتی تھیں؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت وحمیت کو زمانہ جانتا ہے جان جائے پر آن نہ جائے۔ پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر و مال کو پشیز دنیاوی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان ہی کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے:

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال !
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرّہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول ومنظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم

کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب و تاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب و افترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں۔ مگر ان کی صحت وصداقت و اصلیت کا واضح و بیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب و تاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علی برادرِ حسینؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبیداللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذاتِ خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو ''سقائے اہل بیت'' کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے، جہاں اُن کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا گیا ہو، جہاں اُن کے چچا حضرت حسینؓ کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو، جہاں اُن کے دوسرے چچاؤں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو۔ ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ اس کی تشہیر کی گئی۔ وہ ایک حادثہ الیمہ تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکا یک پیش آ گیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروا دیا گیا تھا۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کے لیے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ درایتاً نظر ڈالی جائے تو بآسانی مستور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ''موازنہ انیس و دبیر'' میں ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''کربلا کے واقعات جو امیر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری میں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں۔ معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سوسوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سرو سامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔''

علامہ موصوف کے پیش نظر 'قال ابومخنف' والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کیے گئے ہیں تو نہ تشنہ کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ جانے کا۔ خود ابومخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیر المومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

" فو اللّٰہ یَا أَمِیرَ الْمُؤمِنِینَ مَا کَانَ الا جزر جزور أو نومة قائل." (۱)

''واللہ اے امیر المومنین یہ معاملہ بس اتنی سی دیر میں ختم ہوگیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر میں آنکھ جھپک جائے۔''

اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ نے ''درذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا'' کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن و دفن کا انتظام اُن کے صاحبزادے علی بن الحسینؒ (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کرسکتا اور اُس وقت سوائے ''امام زین العابدین'' کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کرکے لوٹ گئے۔

''ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و براں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر اورا کفایت کرد

(۱) ص/۲۶۶، ج/۶، طبری

ومراجعت نمود۔‘‘(۱)

’’اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔‘‘

بہر حال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالد(۲) بن عقبہ بن ابی معیطؓ اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔(۳) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؟ انھی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سر حسینؓ کے یزیدؒ کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے۔(۴)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں۔ مثلاً تدفین ’’راس الحسینؓ‘‘ کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کیے جاتے ہیں جن کی تصریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کرکے ذیل کی جدول(۵) میں درج کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیوں کر ممکن ہوسکتی تھی۔

---

(۱) ج/۶، کتاب دوئم، ص/۳۱۸

(۲) ان کی بہن اُم کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہے تھے۔ حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہہ ہوئے ان میں سے چند اندلس جا بسے تھے۔ ان ہی میں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالدؓ کے پوتے تھے۔ اندلس کے الجزائر شرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

(۳) جمہرۃ الانساب ص/۱۰۶ (۴) الوصیۃ الکبریٰ ص ۳۰۰

(۵) دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کیے گئے ہیں۔ اُن سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہوجائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ کو اُن کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کیے گئے انھوں نے چالیس دن بعد کربلا آکر دفن کیے۔ (ص/ ۳۷۸ ج/۲ از کتاب دوم)
۲	مدینہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیج دیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے۔ (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں۔ (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیش دمشق میں دفن ہوا۔
۴	عسقلان	دمشق کو جب سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عامل نے سر حسینؓ لے کر وہیں دفن کر دیا تھا۔
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے تو ایک غلام نے حضرت کا سر چُرا لیا۔ (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود۔ ص ۳۷۷ ج ۲) ناسخ التواریخ میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تین برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا۔	سلیمان بن عبدالملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی اُمیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب میں ملا تھا، نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔

۷	خزانہ بنی اُمیہ میں ۷۵ برس محبوس اور کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۲ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی اُمیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا: ھذا راس الحسین، اُس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۰ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کرکے قاہرہ (مصر) میں دفن کرادیا جہاں اب شہید حسینؓ کی عالی شان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں:

سر حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کیے جانے کی تصریحات کے ساتھ جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

"الرَّاسُ مَعَ الجسد وَالجَسَدُ مَعَ الرَّاسِ۔" (۱)

"یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ۔"

یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہوکر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا تو اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے، سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرادیا۔ چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں اس لیے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا "پس آن سر ہمایوں با جسد خویش پیوستہ است"۔ (ایضاً) مگر مؤلف "مجاہد اعظم" نجف میں سر کے دفن کیے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ بیان کرتے ہیں کہ:

"اُس زمانہ میں جناب امیرؓ کے مزار پُرانوار کا حال سوائے ائمہ اہل بیت کے

---

(۱) ناسخ التواریخ، ص ر ۳۷۷

کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا۔''(۲،۱)

یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبرِ علیؓ کے وجود کا تین سوا تین سو برس تک کسی کو علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب قبرِ علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اُس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے تو ایک غلام نے سرِ حسین چرا لیا۔ آں سر مبارک رادزدید (حیات القلوب ص/۵٦٦) اور قبرِ علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چُرا بھی لیا ہو تو راہ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا۔ (اُسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبرِ علیؓ کا اُس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مؤلف) مؤلف ''مجاہد اعظم'' اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت

---

(۱) ص/۳۰۲

(۲) مؤرخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے تو اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تاکہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گزر رہا تو ڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر صندوق میں بھی مال ہے، ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے۔ اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں۔ (ج/۱، ص/۱۳۸)

ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبرِ علیؓ کا پتہ نہیں فان علیا لا یعرف قبرہ۔ صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس قبر کا حال معلوم ہو گیا۔ اُنھوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے: جگہ نامعلوم ہے جہاں علیؓ دفن ہوئے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے۔"(۱)

نجف و مدینہ وعسقلان و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسینؓ (زین العابدین) نے دوبارہ کربلا آکر دفن کیا ہو۔ کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں۔ اس لیے مؤلف موصوف کہتے ہیں کہ:

"ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کے سرمبارک کو دمشق سے بلا کر بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"(۲)

اب اس روایت کو بھی سُن لیجیے جس کے "مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں"، وہ روایت یہ ہے:

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبدالعزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) محض نمود وآں زمین رابنش کرد وآں سرِ مبارک را ماخوذ داشت وکس ندانست کہ باآں سر چہ صنعت کرد چوں گماں میرودِ کہ دیندار بود تو اند شد کہ کربلا فرستاد و با جسد مطہر ملحق ساخت۔"(۳)

"جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سرِ مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا کیا گیا۔ چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دین دار شخص تھے ہوسکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔"

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اُموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد۔ اگر اس روایت کے مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں

---

(۱) ص/۳۰۲ (۲) ص/۳۰۳

(۳) ناسخ التواریخ ج/۶ از کتاب دوم ص/۳۷۸

کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو یوں کھدوا ڈالا جاتا۔ اور یہ کام بھی وہ اُموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے، زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔

مؤلف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انھیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کیے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود مُلّا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ:

''در سرِ مبارک سیّد الشہدا خلاف میان عامہ بسیار است و ذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد۔'' فرماتے ہیں کہ:

حضرت رسول آں سرِ گرامی را با خود برد و در آں شکے نیست کہ آں سر و بدن باشرف اماکن منتقل گردید و در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔''(۱)

''حضرت رسول ﷺ اس سرِ گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن (دونوں) اشرف اماکن کو منتقل ہوگئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہوگئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہوسکی۔''

مُلّا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ ''حدیث'' بھی پیش نظر رکھیے جو ابومخنف نے روایت کی ہے۔ یعنی طرماح کہتے ہیں کہ:

''میں کشتگان یوم طف کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اُٹھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ عبیداللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ ''تن مبارک حسینؓ'' کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس گھوڑے سے اُتر پڑے اور بیٹھ گئے۔ اس وقت کہ

(۱) جلاء العیون، ص ۵۰۴

سر ہائے شہدا کو کوفہ کی جانب لے جا رہے تھے، اُن صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سرِ حُسینؓ آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہوگیا۔ سرِ حسینؓ در رسیدہ باتنش ملحق گشت۔''(۱)

طرماح کا بیان ہے کہ اُن صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے:

"یا ولدی قتلوك اتراهم ما عرفوك ومن شُرب الماء منعوك"

''یعنی: اے میرے بیٹے! دیکھا تجھے قتل کر دیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کر دیا۔''

یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا ابی آدم و یاابی ابراهیم و یا ابی اسمعیل و یا اخی موسیٰ و یا اخی عیسیٰ اما ترون ما صنعت الطغاۃ بولدی۔ لا انالهم اللّٰهُ شفاعتی۔" (۲)

''اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے ابا اسمٰعیل اور اے بھائی موسیٰ اور اے بھائی عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔''

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیا ہیں۔

اب دیکھیے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے اور انبیائے کرام خصوصاً باوا آدم علیہ السلام کی موجودگی میں سر حسین جسد حسین سے پیوست و ملحق ہوگیا تھا۔ ایک اور روایت کے بموجب اُم المومنین اُم سلمہؓ (۳) سے خواب

(۱) ناسخ التواریخ (۲) ص/۳۱۱، ایضاً

(۳) اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے، حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے وفات پا چکی تھیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ: مَاتَت أُمّ سَلَمَةَ زَوجِ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي سَنَةِ تِسعٍ وَخَمسِينَ۔ (الطبقات الکبریٰ)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں۔ نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہو کر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؒ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور ''متصدی کفن و دفن'' ہوکر اپنے والد کے جنازے کے نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے۔

علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہرا عراقی شیر ''ابوالحارث'' کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لیے آئیں تھیں اور اس ہیبت ناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور اُن کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔ رالشکر را گردایند و ازیں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص/۴۷۵)۔ جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علیؓ بصورت شیرے ہائل المنظر و ہیبتے عظیم حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص/۴۰۳) تو بریدن سر مبارک کی اور مختلف دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مؤلف مجاہد اعظم کہتے ہیں:

> ''دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لیے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں۔''(۱)

مگر تعداد ان سروں کی چار پانچ دس تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکٹھے چھیاسی (۸۶) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لد کر گئے تھے۔ بہر حال تعداد چھیاسی (۸۶) ہو یا بہتّر (۷۲) غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اچنبھے کی بات نہ

(۱) ص/۳۰۳

ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، جوانانِ بنی ہاشم و نونہالانِ اہل بیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں؟ اُن کے سروں کا آخر کیا ہوا؟ یہ سب کہاں دفن ہوئے؟ کس نے دفن کیے؟ کب دفن ہوئے؟ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیرالمومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے اُن کے سر کو خلیفہ وقت اور اُن کے اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا؟ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) وعباس وجعفر وعثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے اُن کے رشتہ کے ماموں شمر[1] بن ذی الجوشن ہی لے کر گیا تھا، پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے کیا کیا، کہاں دفن کرایا؟ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مؤرخین کی خاموشی معنی خیز نہیں۔

---

(۱) شمر ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ اُم البنین والدہ عباس وعثمان وجعفر وعبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے۔ شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور اُم البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص/ ۱۶۵)۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر این بنوا اختی عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ وجعفر وعثمان و عباس) اُنھیں امان دی تھی (ص/ ۲۴۱ ناسخ التواریخ)۔ شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسدِ اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے۔ جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ والنہایہ ج/۸ ص/ ۱۸۸)۔ الصحیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبت ہوا اور صاحب نسل بھی۔ شمر ہی کے ددھیالی رشتہ کے دادا حضرت مولہؓ بن کنیف رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ ''ذواللسانین'' کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے اُنھیں ''سید العرب'' کہا تھا۔

سیدہ سکینہ[1] (حاشیہ) بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ۔ حادثہ کربلا کے پچپن (۵۵) برس بعد تک زندہ رہیں۔ وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی اُن کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچاؤں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا کہ وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں۔ تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا، دفن ہوئے یا نہیں۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کے مختلف دیار و امصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔

قیس[2] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ ۱۶

---

(۱) سیدہ سکینہؒ بنت حسینؓ بن علیؓ اپنے زمانہ کی ممتاز خاتون بنی ہاشم میں سے تھیں۔ اپنے شوہروں کے یکے بعد دیگرے انتقال پر انھوں نے کئی نکاح کیے جن میں سے دو بنی اُمیہ کے خاندان میں کیے تھے۔ تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

(۲) ناسخ التواریخ میں قیس بن اشعث کو ''قائد قبیلہ کندہ'' لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعثؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تُلا ہوا تھا اُنھوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علیؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعثؒ زوجہ حسن بن علیؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی کہ انھوں نے اپنے شوہر کو زہر دے کر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیسؒ جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص ۴۴) اپنے والد ماجد حضرت اشعثؓ کے ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے۔ یہ وہی محمد بن اشعثؒ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ	۱۶
جماعت بنی تمیم	۱۷
گروہ بنی اسد	۱۸
مردم مذحج	۷
دیگر قبائل	۱۶
کُل میزان	۸۶

یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد بہتّر (۷۲) ہے۔

کوفہ وعراق والجزیرہ وملک شام کی بستیوں وشہروں میں تشہیر:

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ:

''یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سر ہائے شہداء و اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر و دیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گرند و از خلافت آلِ علی مایوس گردند و دل در طاعت یزید بہ بندند لا جرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت و

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

بن عقیل کو امان کا وعدہ دے کر گرفتار کرادیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انھی محمد بن اشعثؒ کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنھوں نے اُموی خلیفہ عبدالملکؒ اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسفؒ کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں۔ بالآخر دیر جماجم کے خونیں معرکہ میں ہزیمت اُٹھا کر بھاگے اور کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو (قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے۔ ایسے عالی خاندان کے قائد سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لے جانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھ دار شخص کو اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔)

ذلت کوچ می دادند و بہر قریہ وقبیلہ درمی بردند۔ (۱)

''یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تا کہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں، لہٰذا (حکومت کے) لشکری اہل بیت کو رُسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے۔''

ایک شیعہ اہل قلم مؤلف ''مجاہد اعظم'' ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ:

''کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہواخاہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لیے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔''(۲)

مؤلف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہوکر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی اُن پر منکشف ہ ہویدا ہوسکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر جس کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب نہیں کرسکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے کہ خود روایتوں میں دیومالائی انداز کی جو خرافات ہیں وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابومخنف لوط وغیرہ نے جن کو ائمہ رجال کذّاب کہتے ہیں، ان

---

(۱) ناسخ التواریخ، ص/۳۴۳ (۲) ص/۳۸۶

داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جارہا تھا تو حسین کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا سورۃ کہف کی آیات زبان پر جاری تھیں۔ اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گزرا اُنھوں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ:

"أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا"(۱)

کی تلاوت کررہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ:

"اے پسر رسول خدای سرِ مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم۔"(۲)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سر حسین سے آواز آئی:

"یا ابن وکیدہ اما علمت انا معشر الآئمة احیاء عند ربنا۔" (۳)

"یعنی اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں۔"

گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سر حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی وہاں موجود بتایا گیا ہے تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرالی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زیدؓ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چومتے دیکھا ہے، وہ باز نہ آیا بلکہ انھیں "عدو اللہ" کہہ کر قتل کی دھمکی دی۔ (ص ر ۳۲۷) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (و بعویل و نالہ فریاد برداشت و از نزداو بیرون شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کرکے انھیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا:

"اے مردم عرب! اے عبید عباد! کشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام داد ید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شا الخ"(۴)

---

(۱) الکہف:۹ (۲) ص ر ۳۳۳

(۳) ص ر ۳۳۳، ایضاً (۴) ص ر ۳۲۷، ایضاً

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سر حسین کے تلاوت سورۃ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پھر کیا تھا جو مؤرخ و مؤلف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے، آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا، حسینؓ نے وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کر کے معاملہ ختم کریں۔ اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فیری فیما بنی و بینہ رایہ۔[1] تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں۔

وہ اسی مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی۔ صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کر لیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سدّ باب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ ہیں اور مزید یہاں پہنچ گئے ہیں۔

طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی وہ اس وقت تک تلوار نہ اُٹھائے جب تک اُس کے خلاف تلوار نہ اُٹھے۔ اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکایک تلوار چلا دینے سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔ ان حالات میں کون صحیح العقل یہ باور کر سکتا ہے کہ پسماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کیے گئے۔ ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف

(۱) طبری ص/۲۳۵ ج/۶

وغیرہ نے زبیر بن قیس کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں جو کہا جاتا ہے انھوں نے اُس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جارہا تھا مطالبہ ہورہا تھا کہ ہتھیار رکھ دیں۔

'فخلوا بین هذا الرجل و بین ابن عمه یزید بن معاویه فلعمری ان یزید لیرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین" (۱)

''ان صاحب (حسین) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو میری جان کی قسم یزید تمھاری طاعت گزاری سے حسین کے قتل کے بغیر بھی راضی رہیں گے۔''

مقتولین کے سروں کی اور پسماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مؤلف ''مجاہد اعظم'' نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے؟ کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا۔ وہاں سے ایک مقام شرقی الحصاصہ اور وہاں سے دریائے فرات پار کرکے تکریت پھر متعدد مقامات پر ہوتے ہوئے موصل۔ وہاں سے پھر کئی سومیل کا چکر کاٹ کر نصیبین وقنسرین وحلب وحماء وحمص و بعلبک ہوکر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوسکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پسماندگان کی تشہیر کے عراق و الجزیرہ ونواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنوائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سومیل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں۔ خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، جن کی ایک دو مثالیں بھی سُنتے چلیے۔

مثلاً: پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا تو پچاس سواروں نے جو سر حسین کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہوگئے۔ ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکا یک آسمان پر سخت کڑک اور

(۱) طبری ج ۶/ص ۲۴۳

چمک پیدا ہوئی۔آسمان کے دروازے کھلے "دیکھی دید کہ آدم و نوح و ابراہیم و اسمعیل و اسحٰق و خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ" آسمان سے نیچے اُترے۔ جبرائیل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے۔آتے ہی جبرائیل نے سر حسین کے صندوقچہ کو کھولا اور اُسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا۔ پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰ ﷺ سے تعزیت کرنے لگے۔ جبرائیل نے کہا کہ کہیے تو میں زمین کو آپ کی اُمت پر اُسی طرح اُلٹ دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو ہلاک کردیں۔ چنانچہ فرشتوں نے انچاس (۴۹) کو اس طرح ہلاک کردیا کہ ان کے جسم خاکستر ہوگئے وہ ایک بچ گیا جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (۱)۔اسی طرح کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کو اپنے نبی کی ذرّیت پر ظلم ڈھانے اور سر حسین کے معجزے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابومخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں "ہاتف" تک نے "بنی زیاد" پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس اُمت نے حسین کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی اُمید کرسکتی ہے۔ پہلا شعر تو یہی تھا:

أَتَرْجُو أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا ..... شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

اسی طرز و لہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگادیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است۔ ان میں سے دو ایک آپ بھی سُنیے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سُنی کہ سر حسین اُن کے شہر میں لایا جارہا ہے

(۱) ناسخ التواریخ، ص ۲۴۳

وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس وخزرج)[1] کے چالیس ہزار سوار اکٹھے ہوکر نکل پڑے۔

"اجتمعوا فی اربعین الف فارس من الاوس و الخزرج و تحالفوا ان یقتلوا هم و یاخذوهم راس الحسین و یدفنوه عندهم لیکون فخرا لهم الی یوم القیمة" (۲)

''اوس وخزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع ہوگئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان لوگوں کو قتل کرکے ان سے سر حسین چھین لیں اور اپنے یہاں لاکر اسے دفن کردیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان کے لیے موجب عز وافتخار کار ہے۔''

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرون شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عز وافتخار سے یکسر محروم ہوگئے۔ وہ تو سبیور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار، دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کرڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے۔ (ص ۱۱۷) آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ ایک پہر رات گزری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سُنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جارہی تھیں۔ آسمان کے دروازے کھلنے

---

(۱) روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں کی تعداد کبھی اس تعداد سے چوتھائی بھی نہ تھی جو موصل میں ان کی بیان کررہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے۔ آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دُور اُن کی اتنی کثیر تعداد بتانا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں، لغو بیانی کی انتہا ہے۔

(۲) ص ۱۳۲، مقتل ابی مخنف

لگے، فرشتے فوج درفوج اُترتے اور سرِ حسین کومخاطب کرکے کہتے رہے:

السلام عليك يا ابن رسول اللّٰه السلام عليك يا ابا عبدالله صلواة الله و سلامه عليك

سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے، و اُمه فاطمة الزهرا و جده محمد المصطفى ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد مصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا، تم پر ہلاکت ہو۔

"لقد صدقت الاحبار في قولها اذا قتل هذا الرجل تمطر السماءُ دماء ولا يكون هذا الا قتل نبي او وصي نبي" (۱)

''ہمارے احبار (مسیحی علما) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائے گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔''

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کے لیے سرِ حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگایا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ سرِ حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجیے۔ صاحب ناسخ التواریخ بحر اللیالی اور شرح شافیہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''سرِ حسین باراہب تکلم فرمود و شفاعت اورا در قیامت بر ذمت نہاد۔''(۲)

''سرِ حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔''

اس دیومالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں نکالیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد

(۱) ص/۱۲۰، ایضاً (۲) ج/۱۲ از کتاب ششم، ص/۳۴۸

ہوئیں۔ جن کے ایک طرف وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ[1] لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ[2] یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للّٰہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والاخرۃ۔

مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید۔[3]

خولی کہنے لگا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون خسر الدنیا و الآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کردی کہ اس راز کو چھپائے رہو۔[4]

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلے میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ نے بھی چھانٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سنیے جو اس کذاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مرد شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چُور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے۔ شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا اُلٹے پیروں بھاگ نکلا اور جا کر کہنے لگا اُن کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ نظر آئی، شرم دامن گیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہ کو قتل کروں فاستحیتُ اَن اقتل شبیھا لرسول اللّٰہ[5] پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انھوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا تو مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہو گئی اس لیے میں قتل نہ کر سکا فذھبت عن قتلہ۔[6]

---

(۱) سورۃ ابراہیم: ۴۲ (۲) سورۃ الشعراء: ۲۲۷۔

(۳) ناسخ التواریخ، ج/۲، ص/۲۴۸

(۴) ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابل داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اسّی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دُنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔

(۵) مقتل ابی مخنف، ص/۹۱ (۶) ص/۹۱

شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم بڑے بزدل ہو، لاؤ تلوار مجھے دو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہ ہوں یا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے میں اُنھیں ضرور قتل کردوں گا انی لاقتله سواءً شبه المصطفیٰ و علی المرتضیٰ[1] وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو اُن میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:

" من انت فلقد ارتقیت مرتقی صعبا طالما قبلته النبی۔"[2]

''ارے تُو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبی رہا ہے۔''

نام بتایا، آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا:

" انت الحُسین و ابوك المرتضیٰ و املك الزهراءُ و جدك المصطفیٰ و جدتك خدیجة الکبریٰ۔" [3]

'' آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفیٰ اور آپ کی نانی خدیجۃ الکبریٰ۔''

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے۔

"فقال له ویحك اذا عرفتنی فلم تقتلنی فقال له اطلب یقتلك الجائزة من یزید فقال له الحسین ایما احب الیك شفاعة جدي رسول اللّٰه ام جائزة یزید فقال دانق من جائزة یزید احب الی منك و من شفاعة جدك و ابیك"[4]

''پس (حسینؓ) نے اس سے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے (شمر نے) کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسین نے) کہا ان دو باتوں سے تجھے کون سی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ

---

(۱) ص/۹۱ (۲) ص/۹۱

(۳) ص/۹۲ (۴) ص/۹۲

کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔"

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہوگیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا، فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلادے "اذا كان لا بدمن قتلي فاسقني شربةً من الماء" مگر اس نے کہا اے ابوتراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوض کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی پلا دیں گے تو ذرا صبر کیجیے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کردیں گے "اصبر قليلاً حتي يسقيك ابوك" یہ سُن کر ابومخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا، ذرا اپنا نقاب تو اُلٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں۔ اُس نے جیسے ہی نقاب اُلٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھی) بھی تھا، کانا بھی، منہ اس کا کتے کی تھوتھنی جیسا اور بال سؤر کے سے۔ اس پر آپ نے کہا سچ فرمایا تھا میرے نانا نے میرے والد سے کہ:

"يقتل ولدك هذا برص اعور له بوز كبوز الكلب و شعر كشعر الخنزير" (۱)

"تمھارے اس بیٹے کو قتل کرے گا ایک کوڑھیا کانا جس کے کتے کی سی تھوتھنی ہوگی اور بال اس کے سور کے بالوں کی طرح۔"

اس پر راوی نے شمر کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کیے جاسکتے۔ ابومخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ مکذوبہ روایت ان الفاظ پر ختم کردی ہے:

"و كلما قطع منه عضوا نادى الحسين وا محمداه وا علياه واحسناه وا جعفراه وا حمزتاه واعقيلاه واعباسه واقتيلاه واقلة ناصراه و اغربتاه

---

(۱) ص/۱۹۲ ایضاً

فاحتزر راسه وعلاه علی قناة طویله فکبر العسکر ثلاث تکبرات و تزلزت الارض و اظلم الشرق والغرب واخذت الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دماً و نادیٰ منادٍ من السماء قتل واللّٰه الامام بن الامام اخو الامام ابو الامام ابو الائمة الحسین بن علی بن ابی طالب ولم تمطر السماء دماً الا ذالك الیوم"

''جیسے جیسے اُس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے، ہائے محمد، وائے علی، ہائے حسن، وائے جعفر، وائے حمزہ، ہائے عقیل، وائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، وائے غریب الوطنی۔ پس اُس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھالیا تو لشکر نے تین تکبیریں کہیں۔ زمیں میں زلزلہ آ گیا مشرق و مغرب میں اندھیرا چھا گیا۔ گرج اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے۔ آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا، قتل ہوگئے واللہ امام بیٹے امام کے، بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔''(۱)

یہ ہے وہ اصل راوی اور اس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کر کے اور بعض کلمات کو بہ تغیر الفاظ درست کر کے ''قال ابو مخنف'' کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مؤرخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اُس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج۶/ص۲۶۰) اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے۔ (۲)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسین سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا اُبل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا، جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں، فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اُتر رہی تھی کہ حسین قتل

(۱) ص/۹۲ (۲) البدایہ والنہایہ

ہوگئے اس لیے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پر تا دامانِ قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے۔ علامہ ابن کثیر ان باتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"وَلِلشِّيعَةِ وَالرَّافِضَةِ فِي صِفَةِ مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ، كَذِبٌ كَثِيرٌ وَأَخْبَارٌ طَوِيلَةٌ، وَفِيمَا ذَكَرْنَاهُ كِفَايَةٌ، وَفِي بَعْضِ مَا أَوْرَدْنَاهُ نَظَرٌ، وَلَوْلَا أَنَّ ابْنَ جَرِيرٍ وَغَيْرَهُ مِنَ الْحُفَّاظِ الْأَئِمَّةِ ذَكَرُوهُ مَا سُقْتُهُ، وَأَكْثَرُهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي مِخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَقَدْ كَانَ شِيعِيًّا، وَهُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ، وَلَكِنَّهُ أَخْبَارِيٌّ حَافِظٌ، عِنْدَهُ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مَا لَيْسَ عِنْدَ غَيْرِهِ، وَلِهَذَا يَتَرَامَى عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِنَ الْمُصَنِّفِينَ مِمَّنْ بَعْدَهُ"(۱)

حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ ''جھوٹ اور باطل اخبار ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر ابن جریر (طبری) اور دوسرے ائمہ حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر تو ابومخنف لوط بن یحیٰ سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے، لیکن اخباری (تاریخی احوال جانتا تھا) ہے۔ اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں۔ لہٰذا اکثر مصنّفین ان باتوں کے لیے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔''

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی درج کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَن انكَرَ ذٰلِكَ۔(۲) یعنی ایسے بھی لوگ (اہل تاریخ و اہل سیر ہیں) جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہوکر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہوجاتی۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ج/۸، ص/۲۰۲ (۲) ج/۸، ص/۲۰۴، البدایہ

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابومخنف کی روایتوں کو قبول کرنے پر مائل ہوئے، مگر مؤرخین خصوصاً علامہ ابن کثیر کو سوچنا چاہیے تھا کہ جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزیدؒ کے سامنے پیش کیے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی و ہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمہ رجال نے نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذاب کہا ہے۔

علاوہ ازیں ابومخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسّی نوے برس بعد دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہیں تھا، سُن سُنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی و ذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہوچکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور حامل آثار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر سبّ وشتم یا وہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہو کر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملک شام چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہوگئے۔

ان میں اسی قبیلہ کے بنوالارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> "کانوا عثمانیین، رحلوا عن الکوفة الی معاویة وقالوا لا نقیم ببلدٍ لیسب فیه عثمانؓ فانزلهم معاویه الرُّها" (۱)
>
> ''یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرف داروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہوکر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا ہم اُس شہر میں نہیں ٹھہریں گے جس میں حضرت عثمانؓ کو بُرا کہا جائے۔ پس حضرت معاویہؓ نے اُن کو مقام الرھا میں

(۱) جمہرۃ الانساب، ص/۴۰۰

بسا دیا۔"

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور اُن کے دو بیٹے عبداللہ وعبدالرحمٰن، یہ باپ بیٹے شیعہ تھے۔ (ص ر۴۰۰ ایضاً) آخرالذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے۔ پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعث بن قیسؓ صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گزر چکا۔ ان کی وفات تو ۴۰ھ میں ہوئی تھی لیکن ابو مخنف نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ حضرت حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیسؓ نے ہی اُن کی قمیص لے لی تھی۔ "واخذ قمیصهٖ الاشعث بن قیس"(۱)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ سب شیعانِ علیؓ میں سے تھے۔ اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو عام طور سے قاتل حسینؓ کہا جاتا ہے۔

بنو تمیم کی مختلف شاخیں تھیں۔ ان کی ایک شاخ سے حضرت شبث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصابة فی تمییز الصحابه(۲) میں صحابہ کے زمرہ میں ہے۔ نیز تہذیب التہذیب میں(۳) میں ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ "وذکره ان حبان فی الثقات" حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے تھے مگر توبہ کر کے پلٹ آئے تھے "ثم تاب ورجع"۔ ان کے بارے میں ابو مخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے پہلے یہی گئے تھے مگر ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ (۴)

مختصراً یہ کہ ابو مخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے کہ اُس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت وبہیمت کے جو افسانے وضع

(۱) مقتل ابی مخنف، ص ر۹۳ مطبوعہ نجف
(۲) ج ر۳، ص ر۱۶۳
(۳) ج ر۴، ص ر۳۰۳
(۴) مقتل ابی مخنف، ص ر۹۰

کیے ہیں وہ حکمران جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دُشمنیوں کی وجہ سے بھی کیے ہیں۔ حضرات مؤرخین تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو ابو مخنف کا یہ جھوٹ کہ مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے پیش کیے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ دمہ کے وردِ زبان ہے مگر یہ داستان جس دیومالائی انداز میں مرتب کر کے خشتِ اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہو اس کی کجی آج تک نمایاں ہے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اس قدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف جنھوں نے حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو غلط اور مبالغہ آمیز بتاتے ہوئے "شمر کے سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جُدا کرنے" کو بھی غلط بتایا ہے۔ ان کی کتاب "مجاہدِ اعظم" کا یہ پیرا اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ ہے۔

"اکثر اوقات مثلاً اہلِ بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوجِ مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روزِ عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہنچتے تھے، جناب سیّد الشہدا کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہرِ گرامی جناب زینب بنت امیر المومنین کا سرو پا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جُدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اُتار لینا، نعش مطہر کو لکدکوب سم اسپان کیا جانا، سروقات اہلِ بیت کی غارت گری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہلِ بیت کے وقت جناب

زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سیّد الساجدین کوطوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت میں دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثنا راہ میں جابہ جا اہل حرم کونہایت ذلت وخواری سے تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل کر آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سیّد الساجدین کا سرہائے شہدا لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاش ہائے شہدا کوسپرد خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔''(۱)

مؤلف مجاہد اعظم نے قدیم و جدید مؤرخین و مصنفین کی سینکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے۔

''عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اگر دو مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ دیا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں۔''(۲)

یہ مصنّفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی۔ یہ سب کچھ تو ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابو مخنف و ہشام کلبی کے مخترعات و مبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انھیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مؤرخ مثلاً امام الفقیہ ابی

(۱) مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین نقوی امروہوی، ص/۱۷۷، ۱۷۸

(۲) ص/۱۷۹

محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "المعارف" میں دیکھیے۔[1] حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا، نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انھیں سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے الامامة و السیاسة۔[2] مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی غالی قلم سے ہے مگر ہے ابن جریر طبری سے پہلی۔ کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وضعی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کا۔ ظاہر ہے کہ ابومخنف کی روایتوں کو الامامۃ و السیاسۃ کے مؤلف نے بھی لائق اعتنا نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعانِ کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں "الجبار العنید" وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بُلوایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے۔ ہم نہ حکومت کے عامل[3] کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں نہ جمعہ نہ عید۔ جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے اور ملک شام کو دھکیل دیں گے۔ اخرجناہ من الكوفة و الحقناہ بالشام۔

مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہو کر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ "حسین یہاں آرہے ہیں ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے نفوس

---

(۱) المعارف میں حضرت حسینؓ کا ذکر ان الفاظ میں ہے: وأما الحسين بن علي بن أبي طالب فكان يكنى: أبا عبدالله. وخرج يريد الكوفة، فوجّه اليه" عبيدالله بن زياد." عمر بن سعد بن أبي وقاص، فقتله سنان بن أبي أنس النّخعي سنة احدى و ستين، يوم عاشوراء، وهو ابن ثمان و خمسين سنة. (المعارف ج ۱/ص ۲۱۶)

(۲) فہرست ابن ندیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے۔ ۳۴ کتابوں کے نام ہیں ان میں سے کوئی کتاب الامامۃ والسیاسۃ نام کی نہیں۔

(۳) حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ صحابی رسول ﷺ اُس وقت عامل کوفہ تھے۔

ہیں تم انھیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کر کے راستہ سے ہی لوٹا دینا'' فاردد ھم و اکتب الیھم بما اصابنی ابن سعدؒ نے جب ابن زیاد سے ذکر کیا تو انھوں نے کہا تمھیں اپنے عزیز کی بات پوشیدہ رکھنی چاہیے۔ ابن سعدؒ نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے کیونکہ مسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ حسینؓ آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے اشخاص ہیں۔ اس پر گورنر نے کہا قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشا کی تو تم ہی ان[۱] کے مقابلہ کو جاؤ گے۔ ابن سعدؒ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اُس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؒ کی سرکردگی میں فوج بھیجی۔ حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ برادرانِ عقیل جو اُن کے ساتھ تھے یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہو گیا اور ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہوگا۔ اور ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ یہ سُن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنوعقیل) کو کیسے روک دوں۔ ابن سعدؒ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر دیگر مؤرخین نے بھی کیا ہے۔ تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"او تیسرنی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم فی بما یرید"[۲]

''یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کی بیعت کروں (اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دوں) پھر وہ جیسا چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔''

ابن سعدؒ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے بھی پسند کر لیا کہ امیر المومنین کے پاس بھیج دیا جائے۔ فھم ان یسیرہ الی یزید۔[۳] اب مؤلف الامامۃ والسیاسۃ نے ایک شخص شہر بن خوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا۔ اُس نے گورنر سے کہا کہ جب تک

---

(۱) حضرت عمر بن سعدؒ کو تو گورنر نے اس لیے بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور اُن کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں اُنھیں صحیح مشورہ دے کر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا۔

(۲) ج/۲، ص/۶ (۳) ج/۲، ص/۶

یہ تمھارا حکم نہ مانیں انھیں مت بھیجو۔

"واللّٰہ لئن سار الی یزید لا رای مکروھاً ولیکونن من یزید بالمکان الذی لا تنالہ انت منہ ولا غیرك من اھل الارض"(۱)

''قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہوگا، بلکہ یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہوگا جو نہ تمھارا ہوسکتا ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کا۔''

اب دیکھئے طبری سے پہلے اس کتاب میں نہ ابن سعدؒ کو ملک رے کی گورنری پیش کیے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اُس وقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمھارا حکم نہ مان لیں اُس کا نام شہر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؒ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شہر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؒ کو قتل کرکے ان کی جگہ لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؒ کے پاس کوفہ کے تیس قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسینؓ کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی۔ حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سترہ (۱۷) اشخاص قتل ہوگئے جن کے نام بھی دیئے ہیں۔ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے کا اور نہ دیگر مظالم کا اور نہ باقی ماندگان کو قید کرکے کوفہ لانے اور سروں کی تشہیر کرنے کا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انھیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

"فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض و بکی اھل الشام حتی علت اصواتھم" (۲)

''اور یزید (انھیں دیکھ کر) رونے لگے اور ایسے بے تاب ہوکر روئے کہ بے خود ہوگئے۔ اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔''

---

(۱) ج/۲، ص/۶ (۲) ج/۲/ص/۸

یہ بیان ایک ایسے غالی مؤلف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی ذہنیت کا مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے۔مگر حادثہ کربلا کے جو خاص واقعات لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔کیا یہ بیّن ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابومخنف وغیرہ کے اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزیدؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سر حسینؓ جب اُن کے سامنے پیش ہوا تو دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوبرزہ[1] الاسلمیؓ کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے۔حالانکہ یہ صحابی دمشق تو کیا ملک شام میں بھی اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزینہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں حتیٰ کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔فرماتے ہیں:

"وَقَد رُوِيَ بِاِسنَادٍ مَجهُولٍ[2] أَنَّ هٰذَا كَانَ قُدَّامَ يَزِيدَ' وَأَنَّ الرَّأْسَ حُمِلَ اِلَيْهِ' وَأَنَّهُ هُوَ الَّذِي نَكَتَ عَلَى ثَنَايَاهُ وَهٰذَا مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فَفِي الْحَدِيثِ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ كَذِبٌ ' فَإِنَّ الَّذِينَ حَضَرُوا نَكْتَهُ بِالْقَضِيبِ مِنَ الصَّحَابَةِ لَمْ يَكُونُوا بِالشَّامِ وَاِنَّمَا كَانُوا بِالْعِرَاقِ" (منہاج السنۃ)

''اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کا لانا یزید کے آگے تھا اور وہ

---

(۱) ان کا نام اور ولدیت طبری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی نظلہ بن عبداللہ اور نظلہ بن عبید بن الحارث پھر عبداللہ بن نظلہ۔(ج ۱۳ ، ص ۱۱۴)

(۲) ابن ابی الدّنیا کی اسناد ملاحظہ ہوں۔پہلے راوی تو مسلمہ طور سے شیعہ ہیں یعنی عمار الدھنی ، پھر ایک راوی کا نام ابوالولید لکھا ہے۔میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے، دوسرا کذاب اور تیسرا ضعیف (ج ۳ ص ۳۸۶)۔اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔)

وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔ اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں موجود ہی نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔"

بہرحال جب بہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جاچکا کہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سیاسی مقصد سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اَب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالی نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے۔ ابن حجر مکی نے صواعق المحرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وَلَا يجوز الطعْن فِي مُعَاوِيَة لِأَنَّهُ مِن كُبار الصَّحَابَة وَلَا يَجوز لَعن يَزِيد وَلَا تكفيره فَإِنَّهُ مِن جُملَة الْمُؤمِنِينَ وأَمره إِلَى مَشِيئَة اللّٰه إِن شَاءَ عَذَبه وَإِن شَاءَ عَفا عَنهُ قَالَ الغَزالِيّ وَغيره وَيَحرم عَلَى الوَاعِظ وَغيره رِوَايَة مَقتل الحُسَين وحَكَايَاته وَمَا جرى بَين الصَّحَابَة مِن التَشَاجر وَالتَخَاصم فَإِنَّهُ يَهِيج عَلَى بغض الصَّحَابَة والطعن فيهم وهم أَعلَام الدِّين"(۱)

"اور (حضرت) معاویہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزیدؒ پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشئیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے۔ امام غزالیؒ وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسین کی روایتیں اور صحابہ کے آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض و طعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ "راس الحسین" میں لکھا ہے کہ:

---

(۱) ص/۱۳۳

"فمن نقل انه نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرة انس و ابی برزہ قدام یزید فھو کاذب قطعاً کذباً معلوماً بالنقل المتواتر"

''وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس وابی برزہ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سر حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے۔ اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے۔''(۱)

حسینی قافلہ کے شرکا اور باقی ماندگان:

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے، اُن کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے:

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو اُن کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار اُن کے ساتھ گئے تھے اور یہ چاروں یعنی عباس وجعفر وعثمان وعبداللہ اُم البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ وعراق میں سکونت رکھتا تھا جس میں شمر ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابو یزید عقیل کے سولہ بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے۔ اُن کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبداللہ وعلی ومحمد یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیبیوں اور اولاد کے شامل تھے یعنی عبداللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے

---

(۱) ص/۱۸

بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ و اُم ہانی و اُم کلثوم الصغریٰ۔ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد و عبدالرحمٰن و مسلم و عقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے اُن کے کے دو بیٹے سعید و عقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس یا چوبیس بیٹے تھے۔ اُن کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں تھیں مگر اُن کے بیٹے علی الزینبی بن عبداللہ بن جعفر اور بیٹی اُم کلثوم اُن کے ساتھ نہ گئے۔ عبداللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون و محمد قافلہ کے ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ فارسل عبدالله بن جعفر ابنیه عوناً و محمداً لیرد الحسین فابی الا یرجع و خرج الحسین بابنی عبدالله بن جعفر معه۔[1] یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار کے ساتھ چلے گئے۔ مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ[2] نے بیش شمار کیے ہیں جو اُن کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جاسکتا ہے۔ ان بیس میں سے چھ اپنے چچا کے ساتھ گئے اور چودہ (۱۴) نہ گئے۔ جانے والوں میں ایک تو حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی اُن کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے۔ دوسرے طلحہ بن حسن تھے جن کی والدہ اُم اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کرلیا تھا اور اُن کے بطن سے فاطمہ بنت الحسین تھیں۔

---

(۱) الامامہ والسیاستہ، ج۲/ص۲/ (۲) ج۸/، ص۲۸۲/

تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ ان تین کے علاوہ زید و قاسم و ابوبکر فرزندانِ حسن بن علی بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مؤرخین و نسابین نے کیا ہے۔ عمدہ الطالب کے مؤلف کہتے ہیں کہ زید اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے وتخلف عن عمه الحسين فلم يخرج معه الى العراق (ص/۴۹) مگر یہ صحیح نہیں۔ زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندانِ علی و عقیل و جعفر ابنائے ابو طالب کے تقریباً پچھتر (۷۵) اشخاص میں سے جو زمانہ خروج میں اس سن و سال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے۔ ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک ہوئے اور ان میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے و چچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے۔ مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السول فی مناقب آل رسول میں حسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (ص/۵۳۲) آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے۔

حضرت حسینؓ نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کیے اُن کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں سے ملتے ہیں کنیزوں و جواری کے علاوہ۔

(۱) آمنہ بنت ابی مُرّہ بن عروہ ثقفی۔ حضرت ابوسفیانؓ کی نواسی اور امیر یزیدؒ کی پھوپھی زاد بہن، ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے۔ (طبری و کتاب نسب قریش و المعارف وغیرہ)

(۲) سلافہ۔ سندھیہ خاتون جو اُم ولد تھیں ان کے بطن سے علی بن الحسین (زین

العابدین) تھے۔ ان کی والدہ کا نام جو شہر بانو دختر یزدجرد (یزدگرد) بتایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ (طبری و المعارف وغیرہ تحقیق مزید مؤلفہ راقم الحروف)

(۳) اُم اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ۔ ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں۔ (کتاب نسب قریش و جمہرۃ الانساب ابن حزم وغیرہ)

(۴) رباب بنت امراؤالقیس کلبیہ۔ جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں۔ عبداللہ طفل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے۔ (کتاب المعارف و کتاب نسب قریش وغیرہ)

(۵) حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابو بکر الصدیق۔ محمد بن الحسین غالباً ان کے بطن سے تھے۔ (کتاب المحبر ص/۲۹۰)

(۶) دختر ابومسعود انصاری۔ ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں۔ (کتاب المحبر ص/۲۹۰)

(۷) خاتون از قبیلہ بلی (قضاعۃ)۔ ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے۔ (کتاب نس قریش ص/۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ”بروایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ و نام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود۔“(۱)

> ”میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی۔“

الامامۃ و السیاسۃ کے مؤلف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمۃ محمد کو پسران حسینؓ میں شمار کیا ہے (ص/۵۳۳)۔ پسران حسینؓ کس سن وصال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے، علی الاوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے۔ اس

(۱) ص/۵۳۳

بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مؤرخین ونسابین اس بات پر متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدین) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی صاحب اولاد تھے۔ ان کی زوجہ اُم عبداللہ بنت حسن بن علی سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں اُن کے ساتھ تھے۔ حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کنیت تھی (کتاب نسب قریش ص/۵۹)۔ مکذوبہ روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن کو جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمروں کے تھے، کم سِن بتایا ہے۔ محض اس غرض سے کہ یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست اگلے صفحات میں آرہی ہے میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

اُن کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسینؓ کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے۔ اُس ظالم کو رحم آ گیا قتل سے باز رہا۔ کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات ۲۳، ۲۴ اور ۲۰، ۲۱ برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کم سن بتاتے ہیں۔

(۱) واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل [۱]

''اور علی بن الحسین بن علی چھوٹی عمر کے سمجھے اور قتل سے بچ گئے۔''

(۲) واستصغر الحسن بن الحسن بن علی واستصغر عمرو بن الحسن بن علی فترك فلم یقتل [۲]

''اور حسن بن حسن بن علی اور عمرو بن حسن بن علی چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے۔''

---

(۱) طبری ج/۶ ص/۲۶۹ (۲) طبری ج/۶، ص/۲۷۰

علامہ موصوف سے پوچھا جا سکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص کو تو چھوٹی عمر کا سمجھ کر چھوڑ دیا قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفل شیر خوار عبداللہ بن حسین کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں قتل کیا۔ اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اور تو کسی اور مقام پر نہ لگا، لگا تو معصوم کے سیدھا حلق پر (حلق آں معصوم زد۔ جلاء العیون)۔ تاریخ یعقوبی کے مؤلف نے تو اس بچہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اُسی وقت پیدا ہوا تھا۔ وقد ولد لہ فی تلک الساعۃ۔ حضرت حسینؓ نے اُس نومولود کے کان میں اذان دینے کے لیے اُس وقت کہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار تھے لواقف علی فرسہ اپنی گود میں لے لیا تھا۔

اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمال حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادرانِ مسلم کے عاقبت نا اندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی فتحولوا مع الحسین فقاتلوا (۱) اور یہ حادثہ پیش آ گیا۔

اسی غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے ''محمد بن حسین بن علی'' بتایا ہے۔ اُنھوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حزینہ یکا یک پیش آ گیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور باحترام تمام خلیفہ کے پاس جو اُن کے عزیز و قرابت دار تھے بھیج دیا گیا۔

---

(۱) الامامۃ والسیاسۃ، ج۲، ص۷

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پسماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے	عمر تخمیناً	کیفیت
۱	حسین بن علیؓ	۱۔ علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس بن علیؓ	۲۔ حسین الاکبر بن حسین	۴ سال	
۳	عثمان بن علیؓ	۳۔ محمد بن حسین	۳ سال	
۴	جعفر بن علیؓ	۴۔ محمد بن حسین	۱۸ سال	
۵	عبداللہ بن علیؓ	۵۔ جعفر بن حسین	۱۴ سال	
۶	علی اکبر بن حسین	۶۔ عمر بن حسین		
۷	ابوبکر بن حسنؓ	۷۔ زید بن حسن	۳۰ سال	
۸	قاسم بن حسنؓ	۸۔ حسن مثنیٰ بن حسن	۲۱ سال	
۹	عبداللہ بن حسن	۹۔ عمرو بن حسن	۲۰ سال	
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰۔ طلحہ بن حسن	۱۵ سال	
۱۱	محمد بن عبداللہ بن جعفر	۱۱۔ فضل بن عباس بن علی	۱۰ سال	
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیل	۱۲۔ عبیداللہ بن عباس بن علی		

عبدالرحمٰن بن عقیل	۱۳۔ حسن بن عباس بن علی		ان میں کون بالغ تھا اور کون نابالغ معلوم نہ ہوسکا
عبداللہ بن مسلم بن عقیل	۱۴۔ علی بن مسلم بن عقیل		۱۳ والا
مسلم بن عقیل (مقتول کوفہ)	۱۵۔ محمد بن مسلم بن عقیل		
۱۶۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اکبر بن عقیل			
۱۷۔ مسلم بن عبداللہ اکبر			
۱۸۔ عقیل بن عبداللہ اکبر			
۱۹۔ محمد بن عبداللہ اکبر			
۲۰۔ سعید بن عبدالرحمٰن بن عقیل			
۲۱۔ عقیل بن عبدالرحمٰن بن عقیل			

مقتولین میں سے چند نام بعض کتب میں اور درج ہیں لیکن کتب انساب کی تصریحات سے تصدیق نہ ہوسکی۔

جو حقائق کتاب اب تک پیش کیے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اسی سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کر دینا مناسب ہے۔ مثلاً ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ جو پہلے حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کیے جانے کا حال سُن کر بے پردہ نکل آئی اور یزیدؒ کی مجلس میں پہنچ کر واویلا کرنے لگی "پردہ دریدہ از خانہ بیروں ودیدہ مجلس آں آمد" (جلاء العیون) قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزیدؒ کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالہ عقد میں تھیں اُن کا نام اُم کلثوم تھا۔ ان اُم کلثوم بنت عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمر و عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عاتکہ جو امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔ امیر یزیدؒ کے یہ خسر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد اور منتظم تھے۔ ان ہی کی بہو حضرت علیؓ کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔

جناب ملائے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ اُم محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسینؓ کی بھتیجی تھیں۔ اُن کے چچا کا سر اس طرح اگر اُن کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ "پردہ را دریدہ از خانہ بیروں ودید" ہی پر اکتفا کرتیں، وہ ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کر لیتیں جس نے اُن کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہو اور گھر پر آویزاں کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزیدؒ کا حضرت حسینؓ سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیج داماد تھے بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے شوہر ہونے سے اُن کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حضرت حسینؓ امیر یزیدؒ کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کر ماموں کے پاس اور بہنوئی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبیداللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جب تک اُن کے خلاف تلوار نہ

اُٹھے، ایسا کوئی فعل کر سکتے تھے۔

مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں اور اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کیے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرہ و حصار ابن زبیرؓ:

حادثہ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن و امان و خوشی کا دور دورہ تھا۔ تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پا رہے تھے۔ صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ کا۔ مکہ معظّمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظّمہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا قیام تو تین برس پہلے سے اُس وقت سے برابر رہا جب عامل مدینہ نے اُنھیں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کے لیے بلایا تھا۔ وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کرو گے ہم بھی آموجود ہوں گے اور " بیعة سلیمة صحیحة" کریں گے[1]۔ مگر رات ہی رات مکہ معظّمہ روانہ ہوگئے اور یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے۔ حضرت حسینؓ بھی اسی طرح یہاں آگئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی اُنھیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں اُن کی موجودگی سے اُن کی اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا مشکل تھا۔ حضرت حسینؓ کے سانحے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائیاں تیز تر کر دیں۔

---

(۱) الامامة والسیاسة، ج/۱، ص/۲۱۶

حکومت تمام کارروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام اُن کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مؤرخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے اُنھیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجیے۔ آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد و عبادت گزاری کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں۔ اب کوئی بات ایسی نہ کیجیے کہ سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخری فقرہ یہ تھا:

" ولا تبطل ما قدمت من حسنٍ و ادخل فيه الناس ولا تُردهم في فتنة ولا تحل حرم الله" (۱)

''جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں، انھیں باطل تو نہ کیجیے لوگ جس (بیعت) میں داخل ہو چکے ہیں آپ بھی داخل ہو جایئے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجیے اور حرم اللہ (کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجیے۔''

مگر اُنھوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے۔ فكتب ابن الزبير يدعوه الى الشورىٰ گویا جو فرد تین برس سے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے۔ کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے فحلف الا يقبل بيعة الا في جامعة۔ عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے۔ اُس زمانہ میں پولیس افسر خود اُن ہی کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اُموی خاندان کے نواسے بھی تھے۔

" و كان عمرو بن الزبير و اُمه بنت خالد بن سعيد بن العاص على شرطة" (۲)

''عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔''

(۱) انساب الاشراف بلاذری، ج ۴/، ص ۱۶/ (۲) ج ۴/، ص ۲۳/، ایضاً

مدینہ کے عامل نے بہ تعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو اُن کے بھائی کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انھیں گرفتار کر لیا جائے۔ (ج ۴/ ص ۲۶/ ایضاً) عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے تو اُن کے بھتیجے یعنی عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور اُن کے ساتھیوں سے ملنے آئے۔ عمرو نے اپنے بھائی کو بیعت کر لینے کے لیے پیغام بھیجا وارسل **عمرو الی اخیه فی بیعة یزید**۔ اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے دیا بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اُنھوں نے فرمایا:

"مانی علی طاعة یزید وقد بایعتُ عامل مکه حین دخلها"[۱]

''میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ میں اُن کی بیعت کر چکا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل کیا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس جواب پر پولیس افسر چکمہ میں آ گئے پھر ان کی جماعت پر یکا یک حملہ ہو گیا۔ وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انھوں نے ہی انھیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت اُن کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے اُنھیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر عبداللہ بن الزبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑوں سے مار پیٹ کی گئی بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی۔[۲] پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دی جائے فامربه عبدالله فصلب فکان ذالك اول ما نقمه الناس۔[۳] اس حادثہ کا بہت چرچا ہوا، مرثیے لکھے گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح

---

(۱) ص/ ۲۶، ایضاً (۲) انساب الاشرف بلاذری، ج ۴/، ص/ ۲۶

(۳) انساب الاشرف، ج ۴/، ص/ ۳۸

کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں۔ نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال و زر جمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا ہے یا اس سے کم ہے وانما بطنی شبر او اقل۔(۱) شعرا نے ان کے دعوہ اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اُڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، آپ کسی چیز کے طالب بھی نہیں، آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں۔ سنت فاروق وصدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ کے کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم یہی ہے جو بیان ہوا ہے۔

تقول لنا ان سوف یکفیك قبضة — وبطنك شبراً و اقل من الشبر

وانت اذا ما نلت شیئاً قضمته — کما قضمتُ نارُ الغضی حطب

لکم سنة الفاروق لا شئی غیرها — وسُنة صدیق النبی ابی بکر

فلو ما اتقیت اللّٰه لا شئی غیره — اذاعطفتك العاصفات علی عمرو

پولیس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انھوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ مگر حضرت موصوف نے اس عامل کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ چال چلی کہ اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ روانہ کیا جسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ:

"ثُمَّ ان ابن الزُّبَیر عمل بالمکر فِي أمر الوَلِید بن عتبة' فکتب اِلَی یَزِید بن مُعَاوِیَة: انك بعثت الینا رجلا أخرق' لا یتجه لأمر رشد' وَلا یرعوي لعظة الحکیم' ولو بعثت الینا رجلا سهل الخلق' لین الکتف' رجوت أن یسهل من الأمور مَا استوعر منها' وأن یجتمع مَا تفرق'

(۱) ص/۲۷، ایضاً

فانظر فِي ذَلِكَ ' فان فِيهِ صلاح خواصنا و عوامنا اِن شاء اللّٰه' والسلام "(۱)

''پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر و حیلہ سے کام لیا اور یزید بن معاویہ کو خط لکھا کہ تم نے کس بے وقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو اُمید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اُٹھ جاتا۔ اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں اللہ نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ والسلام''

عبداللہ بن زبیر کی اس چال کو امیر المومنین اپنی طبعی نرم دلی اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کا تقرر کر دیا جو نوجوان و ناآزمودہ کار تھے اور معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ عبداللہ بن زبیر کو اب اچھا موقع مل گیا۔ سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی تو اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امیر المومنین کے وفادار سعد مولی عتبہ بن ابی سفیان نے ان لوگوں کی مقاومت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور حرم میں لا کر ان کی گردنیں مار دیں و ضرب اعناقھم فی الحرم۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا:

" لو لقیت قاتل ابی بالحرم ما قتلته" (۳)

''اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پاتا تو اس کو قتل نہ کرتا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جب حرم میں انھوں نے خونریزی

---

(۱) طبری، ج/۷، ص/۲ (۲) بلاذری، ج/۴، ص/۲۰

(۳) انساب الاشراف، ص/۳۰

کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے۔ امیر المومنین یزیدؒ کو ان افسوس ناک حالات کی اطلاع ہوئی تو کوئی سخت قدم اُٹھانے کے بجائے بعض صحابہ کا وفد ابن زبیر کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا۔ ان میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ وحضرت عبداللہ بن عصام الاشعریؓ و حضرت الحصین بن نمیر السکونیؓ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان من عبدالله یزید امیرالمومنین الی اھل المدینة (اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر ومنزلت کی اور اتنی کی کہ تمھارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وحملتکم علی راسی ثم علی عینی ثم علی نحری (۱) یعنی تم میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر مگر میرے حلم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دوشعر بھی آخر میں لکھے تھے۔

اظن الحلم دل علی قومی	وقد یستضعف الرجل الحلیم
میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا ہے	اور حلیم و نرم خوشخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے
وما رست الرجال وما رسونی	فمعوج علی و مستقیم
میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی	تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ وفساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمان بن بشیرؓ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو۔ اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المومنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ امن وآشتی سے سلجھ جائے۔ اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے لوگوں کا وفد ہمارے پاس

---

(۱) انساب الاشراف، ج ۴، ص ۳۲

بھیجو تا کہ ہم اُن کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں اور استمالت قلب کریں۔

"فكتب يزيد الى عثمان بن محمد بن أبي سُفيَان عامله أن يوجه اليه وفدًا ليستمع مقالتهم ويستميل قلوبهم" (۱)

''یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابی سُفیانؓ کوتحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو ہم اُن کی باتیں سنیں اور اُن کی استمالت قلب کریں۔''

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کیے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے۔ ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے حقیقی بھائی المنذر (۲) بن زبیر کو شامل کرلیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ امیرالمومنین نے ارکان وفد کی خوب آؤ بھگت کی۔ گرانقدر عطیات پیش کیے جو ان سب نے بخوشی لے لیے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انھی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گزرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیرالمومنین کے حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کوبچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں، بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور اُن سے بحثیں کی، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسین، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مؤقف اور طرز عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات

---

(۱) انساب الاشراف، ج/۴، ص/۲۱

(۲) کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن زبیرؓ تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہؓ کی تدفین میں بھی شریک تھے اور اُن کی وصیت کے مطابق اُن کی میت کو اُنھوں نے ہی غسل دیا تھا۔ بصرہ میں اُن کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی اور مکانات بھی اُن کے وہاں تھے۔ یہ بعد میں اپنے بھائی سے آملے اور حصار اوّل کے معرکہ میں قتل ہوئے۔ (انساب الاشراف، ص/۳۱)

امیر المومنین کی مواقفت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوہ خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے اُسے غلط بتایا۔

حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہل خاندان کو مجتمع کر کے وہ حدیث سُنائی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے گا (بخاری کتاب الفتن ج۲/ جز و/۲۹)۔ مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی۔ بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کا ایک سرغنہ تھا باغیوں کے ساتھ رہا۔ انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) وعلی بن الحسینؒ (زین العابدین)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان سب کے عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔

آل جعفر، آل علی، آل ابی بکر میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ و فساد میں ہوتا رہا ہے۔ عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آ گیا۔ دمشق سے واپسی پر کافی رقم اُن کے پاس تھی، سامان حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔ بنی اُمیہ کو تو پہلے محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا۔ طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی اُمیہ کے مرد و زن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گزرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے، خارج البلد کر دیا۔ **اخرجوا هم باتقالهم و اموالهم فمضوا الى الشام** ۔[1]

---

(۱) انساب الاشراف، ص/۳۳

یہ سب اُموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقادمت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے۔ اپنے ذی اقتدار کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی اُمیہ کی غایت درجہ عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔

ان حالات و واقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ دردِ نقرس کی وجہ سے اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی، طشت میں پاشوبہ کررہے تھے، سُن کر فرمایا:

لقد بدلوا الحلم الذی فی سجیتی	فبدلت قومی غلظةً بلیان
میری طبیعت میں حلم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا	میں نے بھی اب اپنی قوم کے لیے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کرلیا

اس سختی کی نوعیت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لیے تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے۔ افسر بالا مسلم بن عقبہ المریؓ تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی۔ انھوں نے اس خلعت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا اُن کو شرف حاصل ہوا تھا اُس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ وفساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصین [۱] بن نمیر السکونی، [۲] امیر عبداللہ بن عصام الاشعری [۳] اور امیر عبداللہ بن مسعود الفزاری [۴] اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے۔ امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اُردن تھے۔ ان کے علاوہ متعدد وہ

---

(۱) بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حصین حمص کے والی بھی رہے تھے اور اس زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے یہی لکھا ہے کہ صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے یزید اور ان کے فرزند معاویہ بھی اپنے زمانوں میں والی رہے تھے۔

(۲) الاصابہ، ج ۱، ص ۳۳۹ (۳) الاصابہ، ج ۳، ص ۳۴۶

(۴) تاریخ الاسلام ذہبی، ج ۳، ص ۳۱

حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس امیرالمومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے۔ ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیرالمومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرہ کا جو بنی اُمیہ کی تحریر لے کر امیرالمومنین کے پاس گیا تھا، یہ بیان ہے کہ جب فوج کا دستہ روانگی کے لیے تیار ہو گیا امیرالمومنین اُسے رخصت کرنے خود آئے۔ تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے۔ لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بہ تغیر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں، یہاں بلاذری و طبری سے نقل کیے جاتے ہیں۔

أبلغ أبا بكر اذا الليل سرى وهبط القوم عَلَى وادي القرى
أجمع سكران من القوم ترى أم جمع يقظان نفي عنه الكرى
يا عجبا من ملحد يا عجبا مخادع فِي الدين يقفو بالعرى

''میرا پیغام اس وقت ابوبکر (کنیت ابن زبیرؓ) کو پہنچا دینا۔ جب دیکھنا کہ رات ہوگئی اور وادی القریٰ میں فوج اُتر پڑی۔
کیا یہ مست و سرشار لوگوں کی جماعت تمھیں معلوم ہوتی ہے یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنھوں نے نیند کو پاس نہ آنے دیا۔
مجھے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) سے تعجب ہوتا ہے۔ جو دین میں مکاری کرتا اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔''

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال اورقة او السلاح او طعام فهو للجند) یہ لشکریوں کے لیے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیا کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ

کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالص روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ وشورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے، فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا گیا تھا۔ جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے اُن سے حُسنِ سلوک کی تاکید کی گئی تھی۔ حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ ''دیکھو علی بن حسین سے مراعات سے پیش آنا، اُن کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا، اُن کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا۔ وہ اُن لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آ گیا ہے۔''

امیر مسلمؒ نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مؤرخین نے یہ لکھے ہیں:

> ''اے اہلِ مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔ تمھارا خون بہانا اُنھیں گوارا نہیں۔ تمھارے لیے تین دن کی مُدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آ جائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا، ہم اُس کا عُذر قبول کر لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔''

تین دن گزرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مخاطب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''اے اہل مدینہ تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو۔''

اہل مدینہ (باغیوں نے) نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلمؒ نے پھر اُن سے یہ الفاظ کہے:

'' فَقَالَ لَھُم: لا تفعلوا ' بل ادخلوا فِي الطاعة' ونجعل حدنا و شوكتنا

عَلَی هَذَا الملحد الَّذِي قَد جمع اِلَیهِ المراق والفساق من کل أوب"(۱)

"(امیر مسلمؒ نے اہل مدینہ سے) پھر کہا: دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اُس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔"

فاسقوں اور بے دینوں سے مُراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں۔ پتھروں کے ڈھیر اُن کے پاس تھے۔ صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مُسلمؒ نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ فاتقوا الله فی انفسکم تو اُنھیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا، اُنھیں بھی گالیاں دیں فشتموه و شتموا یزید۔

مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی۔ سب شہر باغی نہ تھا۔ بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنھوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کر لی تھی پھر مورچہ بندی کی تھی۔ ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل اس طرف آباد تھا۔ یہ گھرانہ باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے حریف کا مقابلہ کر سکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر تین طرف حفاظتی دستے متعین کر سکتے۔

فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو جیسی اُس وقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ اُن کو غرّہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارضِ پاک کے رہنے والے ہیں۔ اُن کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کہا تھا۔ فرمایا تھا:

" واعلم انك تقدم علی قوم ذوی جهالة و استطالة قد افسدهم حلم

---

(۱) طبری، ج/۷، ص/۸

امیرالمومنین معاویہ وظنّوا ان الایدی لا تنالهم "

''یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جارہے ہو جو نادان و ناسمجھ، شیخی خورے اور اکھڑ ہیں۔ جنھیں امیرالمومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔ اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ اُن تک نہیں پہنچ سکتا۔''

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کیے۔ (وجعل اهل الشام يطوفون بها) جب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انھیں نشانہ بنایا والناس يرمونهم بالحجارة و النبل من فوق الاكام و البيوت(۱)۔

اتنے میں بنوعبدالاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلمؒ کو مشورہ دیا کہ اُن کے محلے سے فوج گزار کر شہر پر قبضہ کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی اُنھوں نے راستہ دے دیا۔ ففتح له طريقاً۔(۲) تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہوگئے جن میں بغاوت کا سب سے بڑا سرغنہ عبداللہ بن مطیع بھی تھا وفر ابن مطيع فلحق ابن الزبير۔(۳) چنانچہ اپنے فرار کا اقرار بھی کیا ہے اور خود کہتا ہے:

"اما الذى فورت يوم الحرة و الشيخ لا يفر المرء لاجزين كرة يضره"

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کیے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے، خواتین کی بے حرمتی کی گئی، دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں اور بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جو بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لیے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل

---

(۱) الامامۃ والسیاسۃ، ص/۲۲۲ (۲) ص/۲۲۲، ایضاً

(۳) ابن مطیع فرار ہوگیا اور ابن زبیر سے جاملا

ہوئی ہوں۔ ان اُموی اسلامی افواج نے سینکڑوں شہر فتح کیے۔ روم و ایران و دیلم و بربر میں ان اُموی اسلامی افواج کا نظم و ضبط مفتوح اقوام کے لیے حیران کُن رہا ہے تو خاص کر مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہوسکتی تھی۔

اور لُطف یہ ہے کہ یوم حرۃ و حصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی۔ لیکن ان روایتوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ طبری کی جلد ۷ لغایۃً ۱۳ پر انھی دو راویوں کا قال ابو مخنف و قال ہشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو درکنار اشارہ بھی نہیں۔

بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابو مخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں۔ لیکن اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے اُن کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں۔ حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کیے ہیں جو ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کیے ہیں کہ جب باغیان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیر المومنین نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہوگیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کے لیے متعین کیا۔ ابتدا محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظّمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل کے مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے۔ ۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن زبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المومنین

کی قسم کو پورا کر دیں تو اُن کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا، چاہیں گے تو اُنھیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا۔ (انساب الاشراف ص/۵۴) مگر اُن لوگوں نے اُلٹا جواب دیا کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام سے تین اشخاص مارے گئے اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص/۵۴ ایضاً)۔ ابن زبیرؓ کے لوگوں میں کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا۔ بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں ہے کہ:

"وکان سبب احتراقها ان رجلاً من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ ناراً فی لیفة علی راس رمح فی یوم ریح فطارت شررة فتعلقت باستار الکعبة فاحرقتها" (۱)

"(غلاف کعبہ) جلنے کا سبب یہ تھا کہ ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اُٹھا رہا تھا اُس دن ہوا تیز چل رہی تھی اُس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔"

تقریباً یہی روایت طبری میں بہ تغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔ (۲)

دو ہفتے چار دن تک محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین یزیدؒ کی وفات کی اطلاع پر اُٹھا لیا گیا اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گزرا تو حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اُن کے گھوڑوں کے لیے دانہ چارہ لے کر آئے۔

"فَاستَقبَلَهُ عَلِيُّ بنُ الحُسَينِ بنِ عَلِيّ بنِ أَبِي طَالِبٍ وَمَعَهُ قَتٌّ وَشَعِيرٌ، فَسَلَّمَ عَلَى الحُصَينِ، فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بنُ الحُسَينِ: هَذَا عَلَفٌ عِندَنَا، فَاعلِف مِنهُ دَابَّتَكَ، فَأَقبَلَ عَلَى عَلِيٍّ عِندَ ذَلِكَ بِوَجهِهِ، فَأَمَرَ لَهُ بِمَا كَانَ عِندِهِ مِن عَلَفٍ" (۳)

"علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر)

---

(۱) ص/۵۵ (۲) ج/۷، ص/۱۰

(۳) طبری، ج/۷، ص/۱۷

> کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انھوں نے حسین کو سلام کیا اور علی بن حسین نے اُن سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لیے لیجیے۔ وہ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔"

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے اُموی فوج کے گھوڑوں کے لیے دانہ چارہ بنفس نفیس لا کر اُس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا و مظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اُموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لیے خود لا کر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب:

امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کے سرحدی علاقہ میں تھی۔ رومی و بازنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسائی مذہب کے پیروکار تھے۔ طلوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اسبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے، تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہوجاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا۔ تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعت کثیرہ دین اسلام قبول کرلیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس کی بیٹی تماضر کلبیہ سے نکاح کرلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی جو سفارت نبوی ﷺ کی خدمات انجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دُہری قرابت تھی۔ یعنی آپ ﷺ کی چچیری بہن سیدہ برا بنت عبدالعزی ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالہ عقد میں تھیں اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بن خلیفہ الکلبی سے نیز اُن کی بھانجی خولہ بنت الہذیل سے نکاح

بھی کیا تھا۔ لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی وفات پا گئی تھیں۔ (۱) ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنی حضرت زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زائر اور حضرت وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔

حضرت قطنؓ بن زائر اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے لیے فرمان لکھوایا جس میں اقامة الصلوة لوقتها و ايتاء الزكاة لحقها یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ﷺ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت و مناکحت برابر قائم تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافضہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافضہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ له صحبة وهو ختن عثمان بن عفان (۲) یعنی وہ (الفرافضہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے خسر تھے۔ ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافضہ بھی مسلمان تھے اور انھوں نے ہی اپنی بہن کا جو خود مسلمہ تھیں، حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

"وضب بن الفرافضه اسلم و هو انكحها وهي مسلمةً" (۳)

"اور ضب بن الفرافضہ اسلام لائے اور انھوں نے ہی (اپنی بہن نائلہ کا) نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں۔"

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ایک خسر امراؤالقیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دستِ حق پر اسلام لائے۔ ان کی تینوں بیٹیاں محیاظ، سلمٰی اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ

---

(۱) کتاب المحبر، ص/۹۳ (۲) الاصابہ، ج/۳، ص/۲۰۳

(۳) جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۴۲۶

کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں۔ ان کے بطن سے جو مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؒ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسینؓ کے تین اشعار اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا کوئی مذکور نہیں۔ نہ والدہ علی اکبر کے لیے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر (زین العابدینؒ) کے لیے جو سلافہ نام نسباً سندھی حسباً اُم ولد تھیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:

لعمرك انني لاحب دارا تضيفها سكينه و الرباب

احبهما وابذل بعد مالي وليس للا ئمى فيها عتاب

ولست لهم وان عتبوا مطيعا حياتي اور يغيبني التراب[1]

''قسم تیری جوانی میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہوں۔

میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنے والے کے لیے ملامت کا موقع نہیں۔

ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر نہیں سننے کا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے۔''

ان سکینہؒ کے ایک شوہر مصعب بن زبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں۔ الغرض ان چند رشتوں کے بیان کرنے راقم الحروف کا مقصد اس امر واقعہ کے اظہار کرنے سے ہے کہ اکابر صحابہ و منادید قریش بنو کلب کی خواتین سے جو صفات نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانے سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ جہاں خود انھوں نے اور ان کے خاندان نے شاندار اسلامی و ملی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ

(۱) تاریخ طبری، ج ۱۳، ص ۱۹۹

تھی۔ اُن کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک عبدالرحمٰن جو صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا اور دوسرا عبداللہ جو ضعیف العقل تھا۔ اس لیے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کر رہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو۔ ایسی ایک دوشیزہ بنو کلب کے سردار بحدل بن اینف الکلبی کی دختر تھی۔ اس کلبی سردار بحدل کے جد اعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے۔ عدی، حلیم و زہیر۔ عدی کی نسل سے حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ تھیں۔ حلیم کی نسل سے حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن زبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار بحدل بن اُنیف اور اس کی دختر میسون تھی جو حسن و جمال کے ساتھ عقل و دانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"وَكَانَت (میسون) حَازِمَةً عَظِيمَةَ الشَّأْنِ جَمَالًا وَرِيَاسَةً وَعَقلًا وَدِينًا"۔(۱)

''اور وہ (میسون) زیرک ومحتاط، حسن و جمال نیز ریاست و سرداری، عقل و فراست اور دینداری میں عظیم الشان تھیں۔''

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنو کلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لیے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے، سیاسی اغراض کے لیے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بحدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اُکیدِر بن عبدالملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں تھا۔ یہ وہی اُکیدِر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت پیش کیا تھا جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اُکیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا۔

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۴۵

"وعرض محمد صلی الله علیه وسلم الاسلام علی اُكَيدِر فاسلم واصبح له حليفاً"[1]

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُکیدر کو اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور (اپنے قبیلہ کی) حلیفی کا عہد نامہ کیا۔

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے۔[2] دوسرا بھائی بشر بن عبدالملک عہد جاہلیت میں نوشت و خواند سے بہرہ یاب تھے۔ حضرت معاویہؓ کی پھوپھی الصہبا بنت حرب بن اُمیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہوگیا تھا اور اہل مکہ نے اسی سے نوشت و خواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی، یہ رشتہ زوجین کے لیے مبارک ثابت ہوا۔ اس کلبیہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب و ہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کے نام نامی پر جنھوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا، یزید رکھا۔

سن ولادت:

علامہ ابن کثیر حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"فتزوجها معاويه ولدت له يزيد بن معاويه فجاء ذكيا حاذقاً"[3]

''پس معاویہؓ کے دوشیزہ میسون سے یزید پیدا ہوا جو (فطرتاً) نجیب و ذکی اور تیز فہم تھا۔''

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایات ہیں۔ بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سنہ ولادت ۲۵ھ ہے۔ علامہ ابن کثیر ۲۲ھ کے حالات کے سلسلہ میں کہتے ہیں۔

---

(۱) حیات محمد مؤلفہ محمد حسین ہیکل، ص/۴۲۴ (۲) معجم البلدان بلاذری، ص/۶۹

(۳) البدایۃ والنہایۃ، ج/۸، ص/۸۰

"وفیھا ولد یزید بن معاویه و عبدالملك بن مروان" (۱)

''اور اس سنہ (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان پیدا ہوئے۔''

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبدالملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی و محاسن موروثی و اکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے۔ ماں نے خواب دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا۔ (البدایہ)

خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت و علو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارہ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کے ایک دو اولادیں اور بھی ہوئیں۔ یہ دونوں بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام امتہ المشارق تھا جو خورد سال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھیں جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے عقد میں آئیں اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت حسینؓ تھیں جو زید بن عمرو بن عثمانؓ کے زوجیت میں آئی تھیں (کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر ص ر ۹۴)۔ ۳۰۲ھ امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر اپنی انھی بہن رملہ کے اپنے والد محترم کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا اور وہ شعر یہ ہے۔

---

(۱) البدایۃ والنھایۃ، ج ر ۷، ص ر ۱۲۵

لما انتهينا و باب الدار منصفق
بصوت رملة ريع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دین داری:

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں۔ احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں دربار عام سے اُٹھ کر زنان خانے میں آئے۔ اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا۔ سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا۔

"دَخَلَ عَلَيهَا مُعَاوِيَةُ يَومًا وَمَعَهُ خَادِمٌ خَصِيٌّ فَاستَتَرَت مِنهُ وَقَالَت: مَا هَذَا الرَّجُلُ مَعَكَ ؟ فَقَالَ: اِنَّهُ خَصِيٌّ، فَاظهَرِي عَلَيهِ. فَقَالَت: مَا كَانَتِ المُثلَةُ لِتُحِلَّ لَهُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيهِ. وَحَجَبَتهُ عَنهَا" (۱)

''ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے اُس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انھوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہؓ سے پوچھا) یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انھوں نے جواباً کہا یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر (سیدہ میسون) نے کہ زنخا ہونے سے اللہ نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہوسکتا۔ پھر انھوں نے اس سے پردہ کیا۔''

ایسی دین دار اور پابند احکام شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور نخیف روایتیں وضع کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی یہ زوجہ سیدہ میسونؓ اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہؓ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں۔ (Jacobite Christians) (تاریخ عرب مؤلفہ حتی بحوالہ اغانی ص ۱۹۵)۔ بنو کلب کی صرف ان دو خواتین کے بارے میں جو خاندان بنی اُمیہ میں حضرت معاویہؓ و حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد

(۱) البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۵

میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ وسیر سے نہیں بلکہ ادبیات اور قصوں اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً اغانی اور اس کے مؤلف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن ان ہی خواتین کی ہم جد و ہم عصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ تینوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ایک اور کذب بیانی سیدہ میسونؓ کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ دختر صحرا شہر کی محلاتی زندگی و معاشرت پر بدوی و صحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر بھی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اشعار کو سُن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیج دیا۔ جہاں بادیہ شام میں یزیدؒ نے ایک عیسائی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی۔ (۱)

اس کذب بیانی کی تائید میں نو شعر والدہ یزیدؒ سے منسوب کیے گئے ہیں مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں لفظ ''میسون'' کے تحت محقق ہنری لامن (۱۸۶۲ء-۱۹۳۷ء) (Hanri Lammens) کا یہ قول درج ہے:

" هذا لابيات ليست لميسون و ليس الصحيح هي قائلتها "

''یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اُس نے کہے ہوں۔''

تاہم ان اشعار سے بدوی خواتین کے جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہوں گی۔

عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔

(۱) تاریخ ادبیات، مؤلفہ نکلسن، ص/۱۹۶

ابوالفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں۔ نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیفات ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصہ دوم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں اُن کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کی ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب و معنی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

الصرخة بنت البادية

دختر صحرا کی پکار

لَبَیتٌ تخفِقُ الأرواحُ فیه أحبُّ الیَّ من قصر مُنِیفِ

''خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا۔ قصر والوں سے ہے بڑھ کر پُرفضا میرے لیے''

وَلُبسُ عباءَةٍ وَتقرُّ عَینِي أحبُّ الیَّ مِن لِبس الشُّفوفِ

''رکھتی تھی بے چین مجھ کو گرچہ وہ۔ نرم جامے سے بھی تھی راحت فزا اونی قبا میرے لیے''

وَأکلُ کُسَیرَةٍ فِي کِسر بَیتي أحب الیَّ من أکل الرَّغِیفِ

''خشک ٹکڑے کھانا اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر۔ بڑھ کر نان تازہ سے ہے خوش مزا میرے لیے''

وَأصواتُ الریاح بکل فَجّ أحبُّ الیَّ من نَقر الدُّفوفِ

''وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ جس قدر۔ دف و نقارہ سے بڑھ کر خوش نوا میرے لیے''

وَکَلبٌ ینبح الطُّرَّاق عنّي أحبُّ الیَّ من قِطٍّ ألوفِ

''بھونکنا کتے کا نو آئند مہماں دیکھ کر۔ گربہ مانوس سے بھی خوش نوا میرے لیے''

وبكر يتبعُ الأظعانَ صَعبٌ أحبُّ اليَّ من بَغل زَفُوفِ

''بار اُٹھائے پشت پر یہ بن بیاہی اونٹنی۔ تیز رو خچر سے بھی ہے خوش ادا میرے لیے''

وخَرق مِن بني عمي نحيف أحبُّ اليَّ من عِلج عليفِ

''سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم۔ اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لیے''

خشونَةُ عيشتي فِي البدو أشهى الى نفسي من العيش الطّريفِ

''زندگی صحرا کی کتنی ہی ہو تکلیف دہ۔ خوش گوار اس ناز و نعمت سے سوا میرے لیے''

فما أبغي سوى وطني بديلا فحسبي ذاكَ من وطن شريفِ

''اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ ممکن نہیں۔ ہے وطن کی سرزمین راحت افزا میرے لیے''

سیدہ میسون جیسی دین دار و عقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسوب کرنے کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین نے اس سلسلے میں وضع کیے۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی تحریر کی ہے۔

''حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سُن لیا تو گانے والی کو اس کے چچیرے بھائی اور اس کے محبوب صحرا بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے بیٹے یزید کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب کہ علج علیف (منڈ منڈ گدھا) اپنے باپ دادا کے پاس دوسرے جہاں میں نہ پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شوگوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت و حقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔''

اس کے ساتھ برٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سُن کر ضرور دہل جائیں گے کہ اس ذی فہم خاتون نے اپنے شوہر کو ''منڈ منڈ گدھا'' (Fatted Ass) تک کہہ ڈالا ہے۔''(۱)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی و افترا پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ اب تک نئے نئے رُوپ میں ہوتا رہا۔ بایں ہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہوسکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں۔ ان سے حدیث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت محمدؒ (الباقر) بن علی (زین العابدینؒ) بھی ہیں۔ (ملاحظہ ہو دائرہ المعارف اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب رجال و سیر) اور یزیدؒ کا بدوشعور سے محترم والد کی آغوش محبت و دامن تربیت میں پرورش پانا روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جس کے بعض حالات و واقعات دوسرے اوراق پر آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

بچپن:

یزیدؒ کا زمانہ رضاعت اپنے ننھالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اُموی و ہاشمی گھرانوں کے دستور کے مطابق بسر ہوا۔ حجاز سے باہر علاقوں میں بھی یہ سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی دستور کے پابند رہے کہ خورد سال اطفال کو بدوی دائیوں کی پرورش میں دے دیتے۔ وہاں آب و ہوا یوں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشو ونما کے لیے بغایت اچھی ہوتی۔ بچپن سے محنت و مشقت اور سادہ و بے تکلف زندگی کی عادت اور بھاگ دوڑ، اونٹ گھوڑے کی سواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرتے۔ فصیح عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں رہ کر سیکھتے۔ یزیدؒ کی دایہ کا کنبہ بادیہ

---

(۱) ج ۲، سفرنامہ مکہ و مدینہ، سر رچرڈ الف برٹن

شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم لمائی رینا آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اُموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بن گیا تھا۔ امیر المومنین عبدالملکؒ و امیر المومنین ولید ثانیؒ نے اس صحت بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو "البادیہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

امیر یزیدؒ کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اُس کے بعد والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرنا معمولی و قدرتی بات تھی۔ مگر وضاعین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں و روایتیں وضع کیں۔ کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں، کبھی یہ کذب بیانی کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اس لیے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر میکے چلی گئیں۔ جہاں یزیدؒ نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر شراب نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ وغیرہ۔ من الھفوات

یہ سب تہمت تراشیاں قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی کے مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار نمیمت شعار "مؤرخ" کس درجہ گھٹیا الفاظ میں امیر المومنین کی سراپردہ عصمت و عفاف پر جو خود بھی بڑے زبردست عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیر بڑی دانش مند اور دیندار پابند شریعت خاتون تھیں سبّ و شتم کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افترا پردازی ہے جو مؤلفات میں بھی کی گئی ہے جن کو "تاریخ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مؤرخ لکھتا ہے۔

> "**مادر یزید**...... میسون نام داشت وا و دختر بحدل (بن) انیف کلبیہ بود و از سفاح غلام بحدل حامل گشت و چوں از بادیہ برسرائے معاویہ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہ شوی نخستین نہ بود و از میسون مہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لا جرم وقتے یزید متولد شد معاویہ اور اپسر خویش دانست دا زاں پس میسون برنجید و معاویہ را ہجا گفت و بحوارین رفت۔"(۱)

(۱) ص ۴۹۵، جلد ششم از کتاب دوم، ناسخ التواریخ، مطبوعہ ایران

''یزید کی ماں کا نام ـــــ میسون تھا بحدل (بن) انیف کلبی کی بیٹی تھی بحدل کے غلام سے اس کو زنا کا حمل اور جب وہ بادیہ سے معاویہ کے سرائے میں آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا۔ کیونکہ معاویہ اس کا اولین شوہر نہ تھا اور اس نے میسون سے بردہ بکارت کا مطالبہ نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو اُسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے بعد میسون ناراض ہوگئی اور اس نے معاویہ کو چھوڑ اور حوارین کو چلی گئی۔''

اس مفتری کذاب کو کیا کہا جائے؟

تعلیم و تربیت:

یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین و فطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ لوگوں نے برسبیل تذکرہ لکھ دیئے ہیں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات و شاعری میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے اور خطبات جمعہ و عیدین میں جو خطبے دیتے، قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت کرتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان و حاضر جواب تھے۔ بچپن کا واقعہ ہے کہ ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی:

فقال له مودبه: اخطاء ت یا غلام	اتالیق نے کہا: اے لڑکے تُو نے خطا کی۔
فقال یزید: الجواد یعثر	یزید نے کہا: اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
فقال المودب: ای والله یضرب فیستقیم	اتالیق نے کہا: ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہوجاتا ہے۔

فقال یزید: ای والله فیضرب انف سائسه — یزید نے کہا: ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔(۱)

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن کے کاموں پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا۔ فوراً بلایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزیدؒ کو سُنائے جو اسی موقع پر آپ ﷺ نے ابومسعودؓ سے فرمائے تھے۔

"اعلم ان الله اقدر علیك منك"

''یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھ کو اُس پر ہے۔''(۲)

حدیث سنا کر بیٹے سے فرمایا:

''تیرا برا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پیٹتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں اُن کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور احسن ہے۔''(۳)

یزیدؒ کے زمانہ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ قرآن و حدیث کے علاوہ ادبیات (شعر و شاعری) علم الانساب علما کی صحبت و خطبات سے حاصل کیے جاتے۔ حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزیدؒ کے اُستاد تھے۔ کان عالماً ولکن غلبه النسب (تہذیب التہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا اُن پر غلبہ تھا۔ دغفل النسابہ سے مشہور تھے۔ ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد حنبلؒ ہوئے۔ حضرت دغفلؓ کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

"یقال: له صحبة. قال نوح بن أبي حبيب القومسي: فيمن نزل البصرة

(۱) ص ر۳، ج ر۴، قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم
(۲) صحیح مسلم
(۳) ص ر۲۲۷، ج ر۸، البدایہ والنہایہ

من الصّحابة دغفل النّسابة"(۱)

''کہتے ہیں ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ نوح بن ابی حبیب القومسی نے (ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے) کہا ہے کہ ان میں دغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔''

ایسے فاضل و نساب صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے موقع ملا۔ حضرت دغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھ کر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہیے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجیے۔ (الاصابہ) چنانچہ عرصہ تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے۔ علوم دینیہ و ادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کما حقہ مہارت حاصل تھی۔ جو رومی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ و دلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں، بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب:

اس جویائے علم اُموی قریشی نوجوان کو علما صلحا و صحابہ کرامؓ کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی۔ دمشق کو جب ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزیدؒ کی عمر انیس بیس برس کی تھی۔ حجاز اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول اللہ ﷺ امیر المومنین معاویہؓ کے پاس آتے، اکثر اُن کے پاس مقیم ہوتے۔ فرزند امیر المومنین کو ان صحابہ رسول ﷺ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے۔ جو صحابہ کرامؓ دمشق میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن عبدالمطلب بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة، ص ۴۷۵

اور صحابی بن صحابی تھے، خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بنا پر اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی وفات سے پہلے اُنھوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اس کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر غایت درجہ اعتماد ہو۔

"عَبدُالمُطَّلِب بنُ رَبِيعَةَ بنِ الحَارِثِ بنِ عَبدِالمُطَّلِب بنِ هاشِمٍ، صَحَابِيٌّ جَلِيلٌ، مِمَّنِ انتقَلَ اِلَى دِمَشقَ، وَلَهُ بِهَا دَارٌ، وَلَمَّا مَاتَ أَوصَى اَلَى يِزِيدَ بنِ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ أَمِيرُ المُؤمِنِينَ" (۱)

''حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے (مدینہ سے) دمشق منتقل ہوگئے تھے وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ جب مرنے لگے (امیر) یزیدؒ بن معاویہ کو انھوں نے اپنا وصی بنایا اس وقت وہ امیرالمومنین تھے۔''

خطابت:

صحابہ کرامؓ و علما و صلحا کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہوچکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جوان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لیے درس گاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؒ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو ایک صندوقچہ امیرالمومنین معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے امیر زیادؒ نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنی حسن کارگزاری کا مؤثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر و منتظم ہونے کے

(۱) ص/۳۱۲ ج/۸، البدایۃ والنہایۃ والاستیعاب: جمہرۃ الانساب ابن حزم، ص/۶۴

علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس لن ترانی کو سُن کر اُن سے نہ رہا گیا۔ امیر زیادؒ کی تقریر کے بعد کھڑے ہوئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد ڈسپٹا کے رہ گئے۔ وہ فقرے تحریر کرنے سے پہلے قارئین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتداً دفتری خدمات پر مامور تھے۔ ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص/۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابوسفیانؓ بعنوان ''زیاد بن ابی سفیانؒ' بیان کی ہے کہ زیاد کی ماں سمیّہ نام کی ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران) کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کے جواری میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گزر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا۔ وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیّہ کا زمانہ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابوسفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا اُس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیق شرعی تسلیم کیا اور انھیں اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں ملاحظہ کریں، کہتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا:

''اِن تفعَل ذٰلِکَ یَا زِیَادُ فنَحنُ نَقَلنَاکَ مِن وَلَاءِ ثَقِیفٍ اِلَی قُرَیشٍ، وَمَنَ القَلَمِ اِلَی المَنَابِرِ، وَمِن زِیَادِ بنِ عُبَیدٍ اِلَی حَربِ بنِ اُمَیَّۃَ. فَقَالَ لَہٗ

مُعَاوِيَةُ: اجلِس فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي " (۱)

''اے زیاد تم نے یہ سب کیا (تو تعلّی کیوں ہے) کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنھوں نے تم کو (قبیلہ) ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی و رشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی گھس گھس اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا) اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن اُمیہ کے اخلاف میں شامل کیا (تو پھر تم کیا دون لیتے ہو)۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر بیٹے سے کہا: بس اب بیٹھ جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔''

دیکھیے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں "من القلم الی المنابر" گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیاد کی گویا پوری زندگی بیان کر دی۔ یہی تو کمال فصاحت و بلاغت ہے الی الحرب بن امیة کہا، ابوسفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا جو ابوسفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ اور فی البدیہہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اُٹھے اور رُوح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی۔

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر اُن کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے اُن کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیر فصیح و مختصر عبارت میں تھے:

" عزاه بعبارة فصيحة و جيزة شكره عليها ابن عباس"(۲)

''(یزید نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔''

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے۔ لفظ تو معمولی ہیں مگر جو لفظ جہاں آیا ہے گویا نگینہ

---

(۱) ص/۲۲۸ ج/۸، البدایۃ والنہایۃ (۲) ص/۲۰۸، ج/۸، البدایہ والنہایہ

کی طرح ایسے تناسب سے جڑا ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابومحمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا:

" رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا مُحَمَّدٍأَوسَعَ الرَّحمَةِ وَأَفسَحَهَا' وَأَعظَمَ اللّٰهُ أَجرَكَ وَأَحسَنَ عَزَاءَكَ' وَعَوَّضَكَ مِن مُصَابِكَ مَا هُوَ خَيرٌلَّكَ ثَوَابًاوَخَيرٌ عُقبىٰ " (۱)

اسلام میں بہترین خطبا کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیّب نے سب سے پہلے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ کے نام لیے پھر دو اُموی بزرگوں کے نیز عبداللہ بن زبیرؓ کا اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جامع دمشق میں جب امیر المومنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہری صحابی رسول ﷺ جو عامل دمشق تھے، اُن کی اس کیفیت کو دیکھ کر پاس ہی آ بیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں:

" ثم خرج (يزيد) و عليه اثر الحزن، فصعد المنبر، واقبل الضحاك فجلس الى جانب المنبر، وخاف عليه الحصر، فقال له يزيد: يا ضحاك اجئت تعلّم بنى عبد شمس الكلام؟ " (۲)

''پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر مسجد (دمشق) میں آئے ان کے چہرے پر رنج کا اثر تھا جب منبر پر چڑھے (حضرت) ضحاکؓ آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) مافی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں گے۔ یزیدؒ نے (ان کے شبہ کا احساس کر کے) ان سے کہا: اے ضحاکؓ! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لیے یہاں آ بیٹھے ہیں؟''

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کیے ہیں:

''الحمدللّٰه الذي ما شاء صنع' من شاء أعطى ومن شاء منع' ومن شاء

---

(۱) البدایہ والنہایہ (۲) العقد الفرید، ج۲، ص۱۳۷

خفض ومن شاء رفع. ان معاوية بن أبي سفيان كان حبلا من حبال اللّٰه، مدّه، ثم قطعه حين شاء أن يقطعه، وكان دون من قبله، وخيرا ممن يأتي بعده، ولا أزكّيه وقد صار الى ربه، فان يعف عنه فبرحمته، وان يعذبه فبذنبه، وقد وليت بعده الأمر، ولست أعتذر من جهل، ولا أني عن طلب، اذا كره اللّٰه شيئا غيّره واذا أراد شيئا يسّره" (۱)

''سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے، جسے چاہے سربلند کرے۔ معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے۔ جب تک چاہا اسے دراز کیا پھر جب اسے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کر دیا۔ وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جو اگر اُن کو معاف کرے تو یہ اُس کی رحمت اور اگر سزا دے تو گناہ کا بدلہ۔ اُن کے بعد میں اس امر (خلافت) کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلبِ علم سے مایوس نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یہ یقین کریں کہ اللہ جس چیز کو مکروہ سمجھتا ہے اسے دیتا ہے اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے اسے آسان کر دیتا ہے۔''

علامہ ابن کثیر نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا: واذا اراد اللّٰه شيئاً هان یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا ارادہ کرے وہی ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو ایسے متاثر تھے کہ یزیدؒ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنه وهم لا يفضلون عليه احداً (۲)

امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے آیا۔ فخطب الناس اول خطبه خطبها وهو اميرالمومنين۔ پس انھوں نے (یزید نے) لوگوں

---

(۱) العقد الفرید، ج ۲، ص ۳۷۸ (۲) ص ۱۴۴، ص ۸، البدایہ والنہایہ

کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیر المومنین ہونے کے بعد پہلا خطبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں پر ہی مشتمل ہو۔ لیکن دیکھیے یہ چند جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے کیسے فصیح و بلیغ و جامع ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا سیدھے سادھے الفاظ میں ذکر کیا۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیر المومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت سے کس مؤثر پیرایہ میں کیا ہے نہ کسی کی ستائش نہ کسی مزعومہ ''حق'' کا اشارہ۔ امیر یزیدؒ اپنے خطبات میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات اور رکوع و سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے إن احسن الحدیث و ابلغ الموعظة کتاب الله۔[1] بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے۔ تقریر کے ان جملوں میں بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔

انتخاب و بیعت خلافت کے سلسلے میں کیسے غلط اور بے اصل اقوال اُن سے اور اُن کے والد ماجد حضرت معاویہؓ سے منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہؓ کی اس وصیت کو جو اپنے آخری وقت انھوں نے اپنے لائق فرزند کو اُن کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی۔ علامہ ابن کثیر نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر کے یہاں ترجمہ درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال معاویہ یزید وھو یوصیه عند الموت (حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ سے کہا وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے۔)

> ''اے یزید! اللہ سے ہروقت ڈرتے رہنا یہ امر خلافت، تمھیں تفویض ہوا ہے اور تم اب اس کام کے بااختیار ہو جس کا میں تھا۔ تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اس کے خلاف کیا دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے اگر تکلیف دہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمھاری تنقیص ہوتی ہو تو اُن

(۱) ص/۲۷۸، ج/۲، العقد الفرید

باتوں سے اغماض برتنا۔ اس طرزِ عمل سے تمھیں چین ملے گا اور تمھارے حق میں رعایا کی اصلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمھیں اور تمھاری رعایا کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہل شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا، اُن کی توہین نہ کرنا۔ اُن کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے اُن سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اُسے کمزوری و بے چارگی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب نہ ہونے دینا۔ ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمھارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھیننا اور نہ اُن میں کمی کرنا ورنہ وہ تمھارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہو جائیں گے اور تمھارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مسن اشخاص ہوں مشورے کے لیے بلانا۔ اُن کی جو رائے قائم ہو اُس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنے رائے پر نہ اڑ جانا اور بے جا اصرار نہ کرنا۔ کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی۔ جس بات سے تم کو وقوف ہو اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اُس کی تصدیق کرنا۔ ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے ازار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا۔ اس سے تمھارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہو جائے گی۔ انھیں تم پر انگلیاں اُٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔

نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمھارے حق میں اچھی طرح مان لیں گے۔ تمھاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی اور لوگوں کی نگاہوں میں تمھارا وقار اور عظمت بڑھ جائے گی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عز و شرف کو پہچاننا۔ کیونکہ وہی تمھاری اصل

اور تمھاری برادری کے لوگ ہیں۔ اہل شام کی توقیر کا تحفظ کرنا کیونکہ وہ تمھارے اطاعت گزار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ایسے فرامین و تحریرات بھیجتے رہنا جن میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کا عہد کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس سے ان کی اُمیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمھارے پاس آئیں اُن سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں۔

بدگویوں اور چغل خوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بُرے مشیر ہوتے ہیں۔"(۱)

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لیے بے شک ادا ہوسکتی تھیں جس نے کم وبیش دس سال تک ولی عہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم ونسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔لیکن وضاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا ونصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے محض محبت پدری سے نا اہل بیٹے کو جانشین بنایا اور طرح طرح کے جملوں سے اس کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمھاری مخالفت کرائیں گے۔ ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہوجاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کررہے ہیں۔

شاعری:

اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا۔ امیر یزیدؒ کو مبدا فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی

(۱) ص/۲۲۰-۲۲۱، ج/۸، البدایہ والنہایہ

اور سخن سرائی کا بھی وہبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے۔ کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کر دیئے ہیں جن میں صریحاً کفریات اور خرافات بکی گئی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے:

لعبت هاشم بالملك فلا

ملك جاء ه ولا وحي نزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا، احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزیدؒ کا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت اور اگر اُس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رُسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنے والوں پر لعنت فلعنة اللّٰه علی من وضع علیه یشنع به علیه (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ اُن پر جڑا تا کہ اس سے اُن کی رُسوائی ہو)۔ (۱)

صاحب کشف الظنون دیوان یزید بن معاویہ کے تحت لکھتے ہیں:

"قال: أول من جمعه: أبو عبداللّٰه: محمد بن عمران المرزباني' البغدادي.

وهو: صغير الحجم في ثلاث كراريس. وقد جمعه من بعده جماعة' وزادوا فيه أشياء ليست له.

وشعر يزيد مع قلته في نهاية الحسن.

وميزت الأبيات التي له من الأبيات التي ليست له. وظفرت لكل صاحب البيت" (۲)

"(دیوان یزید کو) کوسب سے پہلے ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی

---

(۱) ص/۲۲۴، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۲) ص/۸۲۰ ج/۱، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۶۰ھ

نے جمع کیا وہ چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید نے نہیں کہیں۔ لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن و خوبی کے ہیں اور میں نے ان ابیات میں جو اُن کی کہی ہوئی ہیں اور اُن میں جو اُن کی کہی ہوئی نہیں ہیں، امتیاز قائم کر دیا ہے اور جس کا جو شعر ہے اس نام معلوم کر لیا ہے۔''

متعدد مؤلفین کتب تاریخ و سیر و ادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں۔ البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہ کے لیے جو قطعہ اشعار ناظرین کتاب کے ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے، وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً اُن ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کیے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں۔

امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

وساع يجمع الأموال جمعاً ليورثها أعاديه شقاء

''کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہے۔ تا کہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنا دیں۔''

وكم ساع ليثري لم ينله وآخر ما سعى نال الثراء

''اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کر لیں نا کام رہے۔ دوسرا (جس نے کچھ کوشش نہیں کی) مال کثیر پا گیا۔''

ومن يستعتب الحدثان يوماً يكن ذاك العتاب له عناء

''اور جس نے کسی دن (بھی) حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی۔ اس کے لیے اس یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔''

لشر الناس عبد و ابن عبد وآلم من مشى مولى الموالي

''بدترین انسان غلام ہے اور غلام زادہ۔ اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنے

والا آزاد کردہ غلاموں کا سابق آقا ہے۔"

اعص العواذل وارم الليل عَن عرض بذي سبيب يقاسي ليله خببا

"ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گزار دے۔ جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے اور رات کی تکلیفیں دُلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے۔"

أقب لم يثقب البيطار سرته ولم يدجه ولم يرقم له عصبا

"چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی نال کو بیطاء نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)۔ اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہے اور نہ اُس کے پٹھے پر کوئی نشان لگا ہے (یعنی پرانا نہیں بلکہ نیا ہے)"

حتى يثمر مالاً أو يقال فتى لاقى التي تشعب الفتيان فانشعبا

"اس امید پر کہ بہت مال بٹورے یا (کم سے کم) جوانمرد کہلائے۔ ایک احمق نے اس (بیسوا شراب) سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کر دیتی ہے تو (آخرکار) ہلاک ہو کر رہا۔"

لا خير عند فتى أودت مروء ته يعطي المقادة من لا يحسن الجنبا

"جس جوان کی مردت پژمردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی۔ جو فرمان دہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔"

کلام موعظتِ نظام:

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف بلاذری سے بر سبیل تذکرہ نقل کیے گئے ہیں ورنہ دیوان [1] یزیدؒ کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و موعظت کے اچھے اچھے

(۱) مثلاً خدابخش خان لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند و نصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ منظوم کلام کے علاوہ بعض مؤلفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند و نصائح کے نقل کیے ہیں۔ ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر بن العربی (۱) متوفی ۵۴۳ھ نے جو حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالی کے خلیفہ اور شاگرد تھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کے (۲)

---

(۱) قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے۔ الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن، بیت المقدس، دمشق، حجاز و عراق (بغداد) کے نامور علما و شیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ چند سال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوئے۔ تقریباً بیس ممالک اسلامیہ کے اساطین علم و فن سے کسب فیض کر کے وطن لوٹے۔ قاضی ابوبکر بن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مؤلف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تفصیلات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث و اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی، اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں پر تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراقش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابہ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مؤرخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے۔ (ص ۲۱۷ مطبوعہ مصر)۔ قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے مؤقف اور مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے:

'' ولكنه رضي الله عنه لم يقبل نصيحة أعلم أهل زمانه ابن عباس' وعدل عن رأي شيخ الصحابة ابن عمر۔'' (ص/۲۳۲)

'' لیکن اُنھوں نے (حسینؓ نے) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا۔''

(۲) امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے حجم میں بہت کم ہے۔ امام

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے اُن کا قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں:

"اذا مرض أحدكم مرضاً فأُشفي ثم تماثل' فلينظر الى أفضل عمل عنده فليلزمه ولينظر الى أسوأ عمل عنده فليدعه" (۱)

"تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحت یاب ہونے لگے تو اُسے غور کرنا چاہیے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کون سا برا عمل اُس نے کیا تھا اُسے ترک کردے۔"

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت انضمام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا، اس مقام پر نقل کیا ہے۔ جہاں صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات و مواعظ سے وہ اقوال نقل کیے جن کی زہد و ورع میں پیروی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور اُن کو طبقہ زہاد صحابہ و تابعین میں داخل کیا۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

موصوف کی مسند بہت کبیر حجم کی ہے اور کتاب الزہد اس مسند کی ضخامت کے ایک ثلث کے تھی۔ صاحب التعجیل المنفعة کتاب الزہد کے بارے میں لکھتے ہیں: فانه كتاب كبير فى قدر ثلث المسند مع كبر المسند وفيه من الاحاديث و الاثار مما ليس فى مسند شئى كثير۔ (خطبہ الکتاب ص/۸)۔ مطبوعہ نسخہ میں سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو سرسری نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ و امیر المومنین یزیدؒ کے بارے میں جو اوراق تھے یا دیگر ابنی اُمیہ کے متعلق وہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں۔)

(۱) ص/۲۳۳ کتاب العواصم من القواصم

" یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة و التابعین الذین یقتدی بقولهم و یرعوی من وعظهم " (۱)

امیر یزیدؒ کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و سیر و رجال میں مل ہی جاتے ہیں۔ بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

"حفظ الندیم و الجلیس و اکرامهما من کرم الخلیفة و قضاء حق النعمة" (۲)

" ندیم و جلیس کا تحفظ اور اس کی عزت و توقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔"

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداء جیسے عالم و زاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے۔ اُن کو من فقہا العلما میں کہہ کر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے:

"ان ابا الدرداء من الفقهاء العلماء الذین یشفون من الداء"(۳)

حلم و کرم:

ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مؤرخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کیے اُن سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزیدؒ کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سر لابیہ اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے و کان یزید یحدث نفسه بالتزامهد حضرت معاویہؓ کے حلم و کرم کے واقعات تو سب نے ہی لکھے ہیں خواہ وہ مخالف و معاند ہوں یا موافق و آزاد

---

(۱) ص/۲۳۲، ایضاً

(۲) ص/۱۰، ج/۴، قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم

(۳) کتاب الجرح والتعدیل الرازی

نگار۔ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ اُن کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ اُن کے شایانِ شان بھی نہ تھی۔ وہ اتنے برہم ہوئے کہ اپنے بیٹے کو رقم دے کر کہا کہ جاؤ ان درہموں کو لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر دے مارو۔ تابعدار بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سُنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہیے۔ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے والدمحترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم بزدل اور ذلیل سمجھیں گے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ''اے فرزند عزیز! حلم و بردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سُبکی بلکہ مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ۔

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر عمل کیا۔ حلم و کرم کے ساتھ مخالفین اور معترضین سے درگذر اور معافی سے پیش آتے رہے۔ مؤرخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔ انھوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر مدارت نہیں کی۔ اس پر انھوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا:

"اقتله فان حلم أمير المؤمنين مُعَاوِيَة جرأ الناس عليكم' فَقَال: جفوناه و حرمناه فاستحققناه ذلك منه' فبعث اليه بثلاثين ألف درهم' فمدحه"(۱)

''آپ ان کو قتل کر دیجیے کیونکہ امیرالمومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔ (امیرالمومنین یزیدؒ) نے فرمایا: ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اس لیے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہوگئے، اس کے بعد انھیں تیس ہزار درہم بھیج دیئے تو انھوں نے اُن کی مدح کی۔''

(۱) ص/۱۱، ج/۶، قسم ثانی، انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم

ایک اور واقعہ بھی مؤرخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی اُمیہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا:

حشینا الغیظ حتی لو شربنا دماء بن امیه مارویںا

''ہم پر اتنا غیظ و غضب سوار ہے کہ اگر ابنی اُمیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو۔''

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے۔ امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کے لیے عامل بصرہ کو حکم دیا۔ چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کر کے مالک نام کے ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط پر رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہوا:

"وقدم علی یزید فعزاه عَن مُعَاوِیَة وهنأه بالخلافة وأتی ابنه مُعَاوِیَة فاستجار به فأمنه یزید وصفح عنه و کتب الی ابن زیاد یأمره أن لا یعرض له وأوصاه به" (۱)

''(ابن ہمام) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت) معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؒ (بن یزید بن معاویہ) کی خدمت میں جا کر امان طلب کی۔ ان کی سفارش پر ان کو معاف کر دیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔''

ابن ہمام نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کر کے ان واقعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب ''امام و خلیفہ'' سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے:

وقد شهد الناس عند الا مام أنّي عدوّ لأعداء کا

اُسی وقت ثقفی قبیلہ کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی

(۱) ص ۲/ ج ۴، قسم ثانی انساب الاشراف، مطبوعہ یروشلم

وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارک باد دینے آئے اور عرض کیا۔

"أصحبت يا أمير المؤمنين فارقت الخليفة وأعطيت الخلافة' فأجرك الله على عظيم الرزية' ورزقك الشكر على حسن العطية" (۱)

''اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہوگئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق۔''

ابن ہمام بھی اُس وقت موجود تھے انھوں نے اس مضمون کو فی البدیہہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دیا۔

اصبر يزيد فقد فارقت ذا ثقه　　واشكر عطاء الذي بالملك أصفاكا

''اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمھاری جدائی ہوگئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے۔ اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے اللہ نے تمھیں برگزیدہ کیا۔''

أصبحت لا رزء في الأقوام نعلمه　　كما رزئت ولا عقبي كعقباكا

''جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی۔ اور اُمید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔''

أعطيت طاعة أهل الأرض كلهم　　فأنت ترعاهم والله يرعاكا

''آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہوگئی۔ تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔''

وفي مُعَاوِيَة الباقي لنا خلف　　اذا هلكت ولا نسمع بمنعاكا

''اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزید) اچھے خلف ثابت ہوں گے۔ لیکن اللہ کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر نہ سُننی پڑے۔''

ان ہی اوصاف حلم و کرم و معافی و درگزر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مداح و ثنا خواں

---

(۱) ص/۵، ایضاً

ہوگیا۔ الغرض والدِ محترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیرالقرون کے بقیہ صحابہ و تابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول اور تربیت کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی سیرت میں پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم مؤرخ بھی ان کے حلم و کرم و رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا کہ ایک رومی مؤرخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام میں کس درجہ محبوب تھے۔

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری:

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔ یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبرگیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب میں اس اُموی نوجوان کو جو عقیدت بدو شعور سے تھی اُس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہو چکا اس امرِ واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری و خدمت اپنی ذات پر لازم کرلی۔ اپنی جیب خرچ کی رقم اس کارِ خیر میں صرف کرتے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے والدِ محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی، بنی سہم و بنی جمح کے یتامیٰ کی پرورش کے لیے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں پڑھیے:

"فَقَالَ (مُعَاوِيَة) : مَا لَكَ وَلِأَيتَامِ بَنِي عَدِيٍّ؟

(حضرت معاویہؓ نے) کہا: بنی عدی کے یتیموں سے تمھیں کیا تعلق؟

فَقَالَ (يَزِيد): لِأَنَّهُم حَالَفُونِي وَانتَقَلُوا اِلَى دَارِي.

یزید نے کہا: انھوں نے مجھ سے حلفی کا تعلق کرلیا ہے اور میرے گھر منتقل ہو گئے ہیں۔

فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَد فَعَلتُ ذٰلِكَ كُلَّهُ. وَقَبَّلَ وَجهَهُ (۱)

(۱) ص/۲۲۷، ج/۸، البدایۃ والنہایۃ

حضرت معاویہؓ نے یہ سُن کر فرمایا کہ ہمیں سب باتیں منظور ہیں۔ پھر یزیدؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔"

واضح رہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون الاولون) بدری صحابہ و مہاجرین کے گھرانے شامل تھے جنھوں نے اجنادین، یمامہ اور شام کے زبردست معرکہ ہائے جہاد میں شریک ہوکر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اسی طرح بنی جمح میں بھی متعدد بدوی صحابہ، مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمان وقدانہ عبداللہ وسائب ابنائے حضرت مظعون بن حبیب جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہ کا گھرانا بھی تھا۔ حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام میں مؤذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے اخلاف و احفاد میں متوارث رہی۔ یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے۔ ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامیٰ کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؒ کی حساس طبیعت میں رفق و رحم دلی کے جذبات نوعمری میں پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانہ شباب میں ان مجاہدین وشہدا و صحابہ کرام کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی قدر و عظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسّی و پیروی کے لیے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

حرارتِ دینیہ و خدماتِ ملّیہ:

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ و غیر صالح نظام کے بجائے صالح و عادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیان عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ:

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ١٦ مرتبہ غزوات اور جہاد کیے۔

"فَأَغزَا مُعَاوِيَةُ أَرضَ الرُّومِ سِتَّ عَشرَةَ غَزوَةً' تَذهَبُ سَرِيَّةٌ فِي الصَّيفِ وَتَشتُو بِأَرضِ الرُّومِ"(١)

''حضرت معاویہؓ نے رومی (عیسائیوں) کے علاقہ پر ١٦ مرتبہ جہاد کیے۔ گرمیوں اور سردیوں میں (جداگانہ) عسکری نہیں بھیجا کرتے تھے۔''

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانہ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کیے ہوئے تھی۔ آخرکار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔ تولینی العام الصائفة المسلمین 'اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔'(٢)

امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لیے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں۔ سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی اور گرمیوں کی صوائف۔ ابتدائی اوراق میں جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے۔ اس جہاد کی مہم ''صوائف'' کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے وفات پا جانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا تو قیصر نے یہ دیکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس پیغامبر بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

"فأرسل الى يزيد: ما هذا الذي أرى؟ قال: صاحب نبينا' وقد سألنا أن نقدمه في بلادك' ونحن منفذون وصيته أو تلحق أرواحنا بالله"(٣)

(١) ص/١٣٣، ج/٨، البدایہ والنہایہ (٢) ص/٢٢٧، ج/٨، البدایہ والنہایہ

(١) ص/١٣٣، ج/٣، العقد الفرید، مطبوعۃ مصر

''قیصر روم نے یزیدؒ کے پاس (پیغام) بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں؟ یزیدؒ نے جواب دیا کہ یہ ہمارے نبی کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔انھوں نے تمھارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔(اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے) خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔''

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؒ کی بات سن کر قیصر کے منہ سے جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ گے تو یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے (فاذا ولیت اخرجناه الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؒ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی۔بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف بڑھے۔پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا۔اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا۔قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر امیر یزیدؒ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت اُن کے ہاتھ میں تھا اِس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔اغانی جیسے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے:

"ثم کف العسکر و حمل حتی عزم الروم فاحجرهم فی المدینة و ضرب باب القسطنطنیة بعمود حدید کان فی یده فهشم حتی انخرق" (۱)

''پھر یزیدؒ فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں کے) حملہ کو لے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا۔''

(۱) ص/۳۳، ج/۱۶، اغانی

باب قسطنطنیہ پر امیر یزیدؒ کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیر کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ جہاں انھوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں امیر یزیدؒ کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"وَكَانَ فِي جُملَةِ مَن أَغزَا ابنُهُ يَزِيدُ ، وَمَعَهُ خَلقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ ، فَجَازَ بِهِمُ الخَلِيجَ، وَقَاتَلُوا أَهلَ القُسطَنطِينِيَّةِ عَلَى بَابِهَا"(۱)

''اوران غازیوں میں جنھوں نے ان کے (معاویہؓ) کے زمانے میں جہاد کیے تھے ان کے فرزند یزیدؒ بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی، جو خلیج پار کر کے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔''

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزیدؒ نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:

"ولئن بلغني أنه نبش من قبره أو مثّل به لا تركت بأرض العرب نصرانيا الا قتلته، ولا كنيسة الا هدمتها" (۲)

''اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابوایوب انصاریؓ) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا، زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کیے رہنے دوں گا۔''

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزیدؒ کے بے باکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامن گیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی بلکہ اس کی حفاظت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر پر قبہّ بھی بنوا دیا تھا۔

"انه بنى على قبره قبّة يسرج فيها الى اليوم "(۳)

''اس نے (قیصر نے) ان (ابوایوب انصاریؓ) کی قبر پر قبہّ بھی بنوا دیا جہاں

---

(۱) ص/۱۳۳، ج/۸، البدایہ والنہایہ (۲) ص/۱۳۳، ج/۳، العقد الفرید

(۳) ص/۱۳۳، ج/۳، العقد الفرید

آج کے دن تک چراغ روشن رہتا ہے۔''

آغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزیدؒ کی اس غیرت وحمیت ملّیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حُرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کر سکے، بے خوف وخطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے کا جذبہ اس بے باکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنھیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے، اغانی کے حوالے سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہتی نے بھی امیر یزیدؒ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ اغانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے جو خلفا کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مؤرخ المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) نے اپنی تالیف " التنبیه و الاشراف" میں قسطنطیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزیدؒ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ:

"وقد حاصر القسطنطينة في الاسلام من هذه العدوة ثلاث أمراء آباؤهم ملوك و خلفاء ' أولهم يزيد بن معاوية بن أبي سفيان ' والثاني مسلمة بن عبدالملك بن مروان ' والثالث هارون الرشيد بن المهدي" (1)

''اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امرا (جیوش اسلامی) نے جن کے آبا ملوک و خلفا تھے، قسطنطیہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزید بن معاویہ بن ابی سفیان تھے، دوسرے مسلمہ بن عبدالملک بن مروان اور تیسرے ہارون الرشید بن مہدی تھے۔''

(۲) ص ۱۴۰، التنبیه والاشراف المسعودی، مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء

مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے مکتوبات میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا کہ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے (مکتوبات ج ۱/) اس کی تائید بازنطینی شہنشائیت کے غیر مسلم مؤلف نیز دوسرے مؤلفین کے بیان سے ہوتی ہے۔ کتاب Bezantine Empire میں ہے کہ:

''رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا۔ خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کیے جو بطور پیش خیمہ کے تھے۔ ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کی مثل اُس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے ملک شام سے روانہ ہوئے۔ ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی۔ جنرل عبدالرحمٰن (۱) کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولی عہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کری۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا۔''

اسی طرح ایک مسلم مؤرخ کا بیان ہے کہ:

"ان السنة التي حاصر فيها يزيد بن معاوية القسطنطينة ۵۱ للهجرة ووفق ۶۷۲مسيحية وقد جاء ها يزيد برّا و كان بسر بن أرطاة ماسكا

---

(۱) غیر مسلم مؤلف کو مغالطہ ہوا جنرل عبدالرحمٰن بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے اور امیر یزیدؒ بری فوج کے۔ (ص ۱۷۰/)

البحر. وقد انتشرت السفن الحربية العربية على طول ساحل بحر مرمرة و هاجم العرب القسطنطينة بين شهر ابريل و سبتمبر" (۱)

''جس سنہ میں یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۵۱ھ مطابق ۶۷۲ء تھا۔ یزیدؒ بری راستے سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کر کے۔ عربوں کے حربی جہازات ساحل مرمرۃ پر پھیل گئے تھے۔ عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔''

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لیے مؤرخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جنرلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابو ایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ:

" وتوفي بالقسطنطينية من ارض الروم سنة خمسين و قيل: سنة احدى و خمسين في خلافة معاويه تحت راية يزيد"(۲)

''اور ابو ایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت جہاد میں شریک تھے۔''

اس ذکر میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزیدؒ کو لشکر کا سردار بنایا گیا (فلما ولي معاويه يزيد على الجيش الى قسطنطينية) تو کسی کے کہنے پر کہ ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا ہے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کیا پرواہ کہ ایک جوان کو ہم پر مقرر کیا گیا (وما علينا ان امر علينا شاب) اس جہاد کے لیے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں۔ حجاز کے مختلف قبائل قریش و انصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں

---

(۱) حاضر العالم الاسلامی، ص/۲۱۴

(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص/۵، حاشیہ الاصابہ ج/۱

بھیجی گئیں اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فردِ واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

"فلم يتخلف عنه احد، حتى كان فيمن خرج ابو ايوب الانصاری صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱)

"کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کے لیے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔"

اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپ ﷺ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے ابو ایوب اللہ تمھاری (تمھارے جسم کی) بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے۔ صاحب کتاب (۲) "الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ھشام" لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابو ایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی۔ پھر اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا، امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کیے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور عدہ کیا کہ ان صحابی رسول کی قبر کی حفاظت کریں گے۔

جہاد قسطنطنیہ کے "اول جیش من امتی" کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ (۳) پیشین

---

(۱) ص/۱۳۲، ج/۳، العقد الفرید

(۲) ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد السھیلی (متوفی ۵۸۱ھ)

(۳) حَرَسَكَ اللّٰهُ يَا أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بِتّ تَحْرُسُ نَبِيَّهُ۔ (الروض الانف)

گوئی کا کہ یدفن عند سور القسطنطینیة رجل صالح[1] یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا، عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد و جواں صالح کے تہورانہ اقدام سے ہوا۔ ذلك فضل اللّٰہ یوتی من یشاء۔

مشہور یورپین مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف ''تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ'' میں امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکہ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کی موجودگی اور ان کی شجاعت و بسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی۔ اس مؤرخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ (حضرت) حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:

> ''حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرات و دلیری کا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔''(۲)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں پہلا اور آخری جہاد یہی معرکہ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت و سپہ سالاری امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور اس معرکہ کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آتے، حرمین شریفین کا سفر اختیار کرتے اور حج و زیارت روضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے۔ تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی و قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالہ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؒ ہی پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے

---

(۱) العقد الفرید، ج/۳، ص/۱۳۳

(۲) ص/۲۸۶، تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ، گبن

دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا۔

"اول من کساہ (الکعبة المعظمة) الدیباج یزید بن معاویہ"(۱)

"خانہ کعبہ پر سب سے اول (جس خلیفہ نے) دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہ تھے۔"

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نہ حج کیا اور نہ غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ اور ان کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے خلفاء نے۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانہ خلافت میں ہر سال بیش قیمت کپڑے کے غلاف علما وصلحا کی جماعت کے ہاتھ دمشق سے مکہ معظّمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ ومجاوران روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف وعطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ جوار رسول ﷺ کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول پڑھ چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کردیتے ہیں اُن کو دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ وعطیہ کی بیش بہا رقم لے کر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے باہر آئے تو مال واسباب سے لدے کوہانی اونٹ (بختی) باب یزیدؒ پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لے کر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست کی کہ تین بخاتی (دو کوہانی اونٹ) مرحمت ہوں تاکہ حج وعمرہ اور سفر شام کے لیے باری باری استعمال کرسکوں۔ امیر یزیدؒ نے صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں۔ صاحب کا جواب، امیر المومنین کا حکم اور ابن جعفرؓ کے کلمات کو علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں پڑھیے:

(۲) ص ۲۵۱ تاریخ الکعبة المعظمة، ص ۴۷ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۰۵، الجامع اللطیف

"فَقَالَ: يَا أَمِيرَالمُؤمِنِينَ، هَذِهِ أَربَعُمِائَةِ بُختِيَّةٍ جَاءَ تنَا مِن خُرَاسَانَ تَحمِلُ أَنوَاعَ الْأَلطَافِ وَكَانَ عَلَيهَا أَنوَاعٌ مِنَ الْأَموَالِ كُلِّهَا.

فَقَالَ: اصرِفهَا إِلَى أَبِي جَعفَرٍ بِمَا عَلَيهَا.

فَكَانَ عَبدُاللّٰهِ بنُ جَعفَرٍ يَقُولُ: أَتَلُومُونَنِي عَلَى حُسنِ الرَّأيِ فِي هَذَا؟ يَعنِي يزِيدَ"(۱)

"صاحب نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چار سو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف قسم کے ہدایا لے کر آئے ہیں اور ان پر وہ سب مال لدا ہوا ہے۔

(امیر یزید نے) فرمایا: یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو اُن پر ہے ابن جعفرؓ کو دیا جائے۔

عبداللہ بن جعفرؓ (لوگوں سے) کہا کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے میں کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو؟"

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی جود و سخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان "اجواد الاسلام" یعنی زمانہ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریا دل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود و سخا کے حالات لکھے ہیں یعنی :

(۱) عبید اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب

(۲) امیر المومنین عبد اللہ السفاح بن علی بن عباسؓ

(۳) محمد بن جعفر بن عبید اللہ بن عباسؓ

(۴) طلحہ بن حسن بن علی بن ابی طالب

اور

---

(۱) ص/۲۳۰ ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۵) جعفرؓ بن ابی طالب

ہیں۔ ان کے جود و سخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت و دریا دلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیارِ نبی ﷺ ہی کے لوگ تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال و اسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں اُن کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی:

منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؒ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیر نے سلامہ نام کی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قراءت سے سُناتی، شاعرہ اور مغنیہ بھی تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا، اس کنیز کی امیر یزیدؒ سے بہت کچھ ثنا و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

"وَدَلَّهُ عَلی سَلَّامَةَ وَجَمَالِهَا وَحُسنِهَا وَفَصَاحَتِهَا" وَقَالَ: لَا تَصلُحُ اِلَّا لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤمِنِينَ، وَأَن تَكُونَ مِن سُمَّارِكَ" (۱)

''اور انھیں (امیر یزیدؒ کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا کہ اے امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لیے رکھ لیں۔''

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکور مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزیدؒ

(۱) ص ۲۳۴/، ج ۸/، البدایہ والنہایہ

نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی۔ ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے تو کیا اب رُوح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی؟

حُبًّا شَدِيدًا جَرَى كَالرُّوحِ فِي جَسَدِي
فَهَل يُفَرِّقُ بَيۡنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ

امیر یزیدؒ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

"خُذهَا يَا أَحوَصُ فَهِيَ لَكَ، وَوَصَلَهُ صِلَةً سَنِيَّةً" (۱)

''اے احوص! اب یہ (سلامہ) تمھاری ہے تم اسے لے لو۔ پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔''

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات کا احترام کیا۔

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مؤرخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی و عدل گستری اور رحم دلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمٰن تھے جو خراسان کے والی تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ نے ان کو اس خدمت سے سبکدوش کر کے اُن کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو اُم ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے، اُن کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ اُن کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اُس وقت کوفہ اور بصرہ کے والی تھے، بعض اعیان کا اُن کے ساتھ جانا ناگوار تھا اُنھوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کروا دیے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہیں امیر یزیدؒ نے اُن پر

---

(۱) ص ۶/۲۳۶، البدایہ والنہایہ

عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرادیں۔

"فکتب الیه یزید بن معاویه ان یبنیها بالجص والآجر والساج من ماله فبناها"۔(۱)

"پس (امیر) یزید بن معاویہ نے ان (عبیداللہ) کو تحریراً حکم بھیجا کہ ان (منہدمہ مکانات) کو اینٹ چونہ اور ساگوان کی لکڑی سے تعمیر کرائیں، یوں اُنھوں نے ان کو پھر تعمیر کروایا۔"

جن لوگوں پر عمالِ حکومت کی جانب سے ظلم وزیادتی ہوتی، امیر المومنین یزیدؒ کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مؤرخ المدائنی کی یہ روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن برثن جن کے باپ کا نام فیروز حصین تھا مگر اپنی ماں اُم برثن کی نسبت سے مشہور تھے، یتیم و لاوارث بچے کی حیثیت سے اُن کی پرورش ہوئی۔ فضائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔ امیر عبیداللہ بن زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے۔ اُنھوں نے ناراض ہوکر برطرف کردیا اور دو لاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا۔ یہ (عبدالرحمٰن بن برثن) فریادی بن کر امیر المومنین کے پاس آئے اپنا سب حال اور دکھ درد کہہ سُنایا۔ امیر موصوف نے اُسی وقت عبیداللہ کو تحریری حکم بھیجا کہ ان کے دو لاکھ روپے فوراً واپس کردیئے جائیں اور کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ عبدالرحمٰن کا خورد سال بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مارا گیا تھا اُنھوں نے سزا دینے کے بجائے اُسے آزاد کردیا۔ امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع الشخص کا دکھ درد دور کردینے سے ایسی مسرت ہوئی کہ اس دن تیس غلام آزاد کردیے۔

"واعتق ذلك اليوم ثلاثين مملوكا وقال: من احب ان يقيم فليقم ومن احب يذهب فليذهب" (۲)

"اور اُس دن تیس غلام (امیر یزید نے) آزاد کردیے اور اُن سے فرمایا (یعنی

---

(۱) ص ۸۰، البلدان للیعقوبی، مطبوعہ لیڈن ۱۸۶۰ء

(۲) ص ۱۰، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم

غلاموں سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور جو جانا چاہے جائے۔"

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت ابن زبیرؓ کا طرز عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انھوں نے جب عامل مکہ کی شکایت میں اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین کو تحریر بھیجی، اُس پر لحاظ کیا اور اپنے عامل کو تبدیل کر دیا۔ وہ تحریر یہ تھی:

"وكتب ابن الزُّبَيرِ الى يزيد عَن أهل مَكَّة: انك بعثت الينا رجلًا أخرق لا يتجه لأمر رشد ولا يرعوي لعظمة الحليم' فلو بعثت الينا رجلًا سهل الخليقة لين الكتف لرجونا أن يسهل من هذه الأمور ما استوعر' وأن يجمع منها ما تفرق' فانظر فِي ذلك' فان فيه صلاح خواصنا و عوامنا. والسلام" (۱)

"اور ابن زبیرؓ نے یزیدؒ کو اہل مکہ کی جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا اور نہ کسی حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے۔ اگر کسی خوش اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے تو اُمید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان ہو جاتیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے میں تمھیں غور کرنا چاہیے کیونکہ اسی میں خواص و عوام سب کی بہتری ہے۔ والسلام۔" (۲)

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سب جانتے ہیں کہ ابن الوقت اور مفسد تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہ بنت ابی عبید بن مسعود ثقفی جو صالحات العابدات سے تھیں

---

(۱) ص/۳۰، ج/۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری و طبری، ج/۷

(۲) عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انھیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے کہ اُمت کی امامت انہیں کے ہاتھ میں ہے اور اسی لیے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انہیں درخواست بھیجی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں، اُن کے کہنے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امیر یزیدؒ کو سفارشی خط لکھا۔ امیر موصوف نے عبیداللہ بن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

"فارسل ابن عمرؓ الی یزید بن معاویة یتشفع فیه فارسل یزید الی ابن زیاد فاطلقه و سیره الی الحجاز" (۱)

''ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہ کو اس (مختار) کی سفارش میں تحریر بھیجی (امیر یزیدؒ) نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ (مختار) کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔''

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی (۲) کا ہے۔ ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابوسفیانؓ کی دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی رہائی کی سفارشیں بھی امیر یزیدؒ نے قبول کر کے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

"فوجه یزید رسولاً وکتب معه الی ابن زیاد بتخلیة سبیله' وکتب للرسول منشوراً فانطلق الرسول الی عبیداللّٰه فأخرجه' وکان مع المختار في محبس واحد حین حبس ابن زیاد المختار"

''یزیدؒ نے ایک پیغامبر کے ذریعہ تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا کر دیں اور پیغامبر کے لیے بھی فرمان لکھا۔ وہ عبیداللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے سے کہ مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں قید تھے، نکالا کیونکہ ابن زیاد نے

---

(۱) ص/۳۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ) (ص/۸۷، انساب الاشراف بلاذری

(۲) مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اُس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لیے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سُنی۔ یہ لوگ تو بہت بعد میں بے نقاب ہوئے لیکن داد دینی چاہیے کہ امیر عبیداللہ بن زیاد نے مختار ثقفی کو اُسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں ختم کر دیا جاتا تو اُمت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

جب مختار کو قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔"

عبداللہ بن الحارث کا لقب ببّہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبیداللہ کے خلاف نمایاں حصہ لیا تھا۔ ببّہ کی حرکت سیاسی تھی لیکن مختار کی مذہبی۔ یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگرداں ہو چکا تھا۔

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور و نزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعرا۔ المدی نے فضالہ بن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدحیہ اشعار پڑھے دو شعر یہ تھے:

اذا ما قریش فاخرت بطریفها　　فخرت بمجد یا یزید تلید

"قریش جب اپنے آبا و اجداد پر فخر کرنے لگیں۔ تو اے یزید تم جواباً بزرگی رکھتے ہوا پنی بزرگی پر فخر کرو۔"

بمجد أمیر المؤمنین ولم یزل　　أبوك أمین اللّٰه جد رشید

"امیر المومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر۔ کہ تمھارے والد اللہ کے امین تھے (بوجہ کاتب وحی ہونے کے) اور تمھارے دادا قائد دانش مند۔"

امیر یزیدؒ نے اس قریشی کو جن کا نام عاصم بن عمر تھا، تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لیے معاف کردو۔ پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔(۱)

سیرت یزیدؒ پر آزاد و بے لاگ آرا:

سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مؤرخین و محققین کی آرا ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ

(۱) ص۱۰، ج۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری

آرا ہوسکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنا بے جا نہ ہوں گے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں:

> یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لا اُبالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مؤرخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی بہت ہی مختصر سی مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لیے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی وطریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا، موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعرا کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔
>
> مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی ''قند قنسرین'' قائم کرکے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی اور انتظامی نظام کو مکمل کردیا۔ مالیات کی از سرِ نو تنظیم کی۔ نجرانی (۱) عیسائیوں کے جزیہ کی شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے محکمانہ طور سے خارج البلد کیے گئے، ہلکا کردیا۔ برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بصلہ خدمات جزیہ سے مستثنٰی کیا گیا تھا، جزیہ عائد کردیا۔
>
> یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی۔ دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آب

---

(۱) نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کیے تھے تو اُن کے مفسدانہ و باغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا وطن کرکے عراق کے علاقہ میں بسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف کردیا تھا۔ امیر یزیدؒ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہوگئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند پڑ گئی تھی اس لیے ان کی درخواست پر از رُوئے انصاف جزیہ کی مقدار کو ہلکا کردیا گیا۔

پاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جوان
کے نام سے ''نہر یزید'' کہلاتی ہے اور مضافات سلیحیہ کی اس سے آب پاشی
ہوتی ہے۔ خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو ''مہندس'' (نہر
کاریز کا ماہر وانجینئر) کا لقب دیا گیا تھا۔''

سیرت یزیدؒ کے پیش پا افتادہ تصویر کشی کے قطعاً خلاف مؤلف Continuatica by Zanito Arabaa اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے:

''یزید حد درجہ متواضع وحلیم، سنجیدہ ومتین، خود بینی وتکبر سے مبرّا، اپنی زیر دست
رعایا کا محبوب، تزک واحتشام شاہی سے متنفر، معمولی شہریوں کی طرح سادہ
زندگی بسر کرنے والا اور مہذب تھا۔''(۱)

ولہازن مؤرخ کا قول ہے کہ:

''کسی بھی خلیفہ کی مدح وثنا اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں
سے نکلے ہیں۔''(۲)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار دے خوئے امیر یزیدؒ کی سیرت کے بارے میں رومی مؤرخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ ونرم خُو ومہذب بتایا گیا ہے، لکھتے ہیں:

''اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہو جاتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزید)
کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزید کے مخالفین
نے بغض وتعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں سے اور
بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مؤرخ کے) اس
بیان سے ہو جاتی ہے۔ شراب نوش ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے

---

(۱) علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے تھے۔

(۲) ص/۱۱۶۳، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہ (برادر حسین) کی ہے جنھوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزامات (یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزید شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند و صلح جو اور فیاض و فراخدل شہزادہ تھا۔"

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیر نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے۔ ان سے اُن بیانات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم و کرم، فصاحت و شجاعت کی عمدہ صفات تھیں اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی اور متانت و تہذیب کے بارے میں رومی مؤرخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ ذیل ایک روایت سے ہوتی ہے جو قدیم مؤرخ المدائنی کی سند سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت و بلاغت کے موتی لُٹائے گئے۔ جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا:

"عنکما فقد احسنتما وما قلتما فحشا" (۱)

"بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کی۔"

گویا مہذب اور دین دار مسلمانوں کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی سے بھی نفرت تھی اور فحش و شنیعہ افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کے ایک ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین یزیدؒ نے سزا کے طور پر کوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کی الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) ص/۹، ج/۴، انساب الاشراف

"وقال المَدَائِنِيّ: لاط خالد بن اِسمَاعِيل بن الأشعث بغلام له فِي استه فشهد عليه امرء ان من مواليه وامرأتاهما وغلام لم يحتلم فحده يزيد و كان ماقتًا له" (۱)

''اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اور ان کی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔''

سادہ زندگی:

امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ مبارک جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کر کے اپنے قلوب کومجلّی ومصفّی و مزکی کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت وثروت کی بہتات وفراوانی کے جو اس زمانہ میں غنائم وفتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی، یہ حضرات اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداؓ جو وہاں کے عہدہ قضا پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت ومجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزیدؒ کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش وتنعم دنیاوی کی کبھی پروا ہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف و کناف سے محاصل وغنائم کا کثیر المقدار زر و مال آتا۔ قومی وملی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالتخصیص بنو ہاشم کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانے اور بوسیدہ کپڑے پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیحہ درج کی ہے:

(۱) ص ۱۰۷، ج ۴، قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری، مطبوعہ یروشلم

"رَأَيتُ مُعَاوِيَةَ عَلَى المِنبَرِ بِدِمَشقَ يَخطُبُ النَّاسَ وَعَلَيهِ قَمِيصٌ مَرقُوعٌ"۔(۱)

''میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹی ہوئی قمیص تھی۔''

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"رَأَيتُ مُعَاوِيَةَ فِي سُوقِ دِمَشقَ وَهُوَ مُردِفٌ وَرَاءَهُ وَصِيفاً عَلَيهِ قَمِيصٌ مَرقُوعُ الجَيبِ"۔(۲)

''میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا ان کے پیچھے خادم بیٹھا تھا اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔''

ایسے پاک نفس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین وفطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں جسے زاہدین اور صفواۃ الصالحین کی مجالست اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اُس نے بھی ساری زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گزاری کہ ہم عصر مؤرخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزیدؒ شان وشوکت سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم من القواصم کے مرتب محبّ الدین خطیب نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ امیر المومنین سلطان عبدالحمید خاں ثانیؒ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دارالعلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں ''سیرت وخلافت

(۱) ص/۱۷۲، کتاب الزہد، طبع مکہ (۲) ص/۱۳۵، ج/۸، البدایہ والنہایہ

معاویہؓ" موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہم درس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہ پاک سیرت خلیفہ تھے۔ خطیب موصوف لکھتے ہیں:

"فوقف صديقي الشهيد السعيد عبدالكريم قاسم الخليل وكان شيعيا، فقال: أنتم تسمون سلطاننا خليفة، وأنا أخوكم الشيعي أعلن أن يزيد بن معاوية كان بسيرته الطيبة أحق بالخلافة وأصدق عملا بالشرع المحمدي من خليفتنا، فكيف بأبيه معاوية" (۱)

پھر میرے دوست شہید عبدالکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے) کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا: آپ حضرات ہمارے ان موجود سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؒ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے تو پھر کہاں ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور منزلت۔

نہر یزید:

متقدمین نے دنیا کی جنتوں "جنان الارض" کے یہ چار مقامات بتائے ہیں:

(۱) غوطہ، دمشق (۲) صغد، سمرقند (۳) شعب بوّان اور (۴) جزیرہ الایلہ، مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت حموی جنھوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے، دمشق کو ہی فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوہ ہند میں ہندوستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعہ آخر میں لیے ہیں:

(۱) ص/۲۰۸، حاشیہ العواصم من القواصم، مطبوعہ قاہرہ، باہتمام لجنۃ الشباب المسلم

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بُھلا
شعب بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہان

عرب شعرا نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کیے ہیں۔ ان میں سے یہ تین شعر دیکھیے۔

ان تكون جنة الخلود بأرض فدمشق' ولا تكون سواه

''اگر خلد بریں زمیں پر ہے تو وہ دمشق ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں''

أو تكن في السماء فهي عليها قد أبت هواء ها و هواها

''اور اگر بہشت آسماں پر ہے تو وہ دور دمشق ہی پر ہے۔ کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات اسی امر کی مؤید ہیں۔''

بلد طيب و رب غفور فاغتنمها عشية وضحاها

''(دمشق) پاکیزہ شہر ہے (جنت کی نعمتیں اس میں ہیں) اور وہ رب غفور ہے۔ تُو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست)۔''

اس عروس البلاد دمشق کی حسن و خوبی، سرسبزی و شادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت و فرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بنا پر ہے جس میں ''نہر یزید'' کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا اور آب روانی کے اصولوں اور آب گزاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ''نہر یزید'' کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری و ابن حوقل وغیرہ نے ''نہر یزید'' کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے، بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے نهر عظيم اجراه يزيد بن معاوية يعرض فی کثیر۔ ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر تضاۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں ''نہر یزید'' بہتی ہے جو اب بہترین اور شاداب علاقہ

ہے، پہلے خشک پڑا تھا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کرکے اس کو گلزار بنادیا اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی ان مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صیلحیہ و غوطہ کی آب پاشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر حتی دمشق کے ذریعہ وطریقہ آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''بنی اُمیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو اُن کے ہم عصر مشرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ ''نہر یزید'' کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور یہ ''نہر یزید'' وہ ہے جو (حضرت) معاویہؓ کے فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا اغلباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آب پاشی کو مکمل کردیا جائے۔ مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دارومدار بردہ کے پانی سے ہے۔ نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور جھیے بھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔''(۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے ''دمشق میں آب رسانی'' کی ذیلی سُرخی سے لکھا ہے کہ:

''دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جا سکا اور یہ بنی اُمیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی برادہ کو ''کریسوروہاس'' کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی آب شیریں اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے ایسے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک خاندان بنو اُمیہ کے سلاطین کا رہین منّت ہے۔''(۲)

---

(۱) ہسٹری آف دی عربس، ص ۴۳۱ (۲) ہسٹری آف سیرینز، جسٹس امیر علی، ص ۱۹۳

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آب رسانی کے سسٹم کو بنی اُمیہ کے حکمرانوں اور سلاطین کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے، مگر اپنے مسلک کے اعتبار سے ''نہر یزید'' کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہم عقیدہ ''نہر یزید'' کے پانی کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ (ج ۲) کے آخری صفحات میں اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنوائی ہیں اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح ''نہر یزید'' سے پانی نہیں پیتے حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باولیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے، حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں کا بُنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی اُمیہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبہ میں بار بار نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ ''نہر یزید'' کا نام مؤلف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بنا پر نہ آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زد خاص و عام ہے۔ شعرا کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی، نہر ثور اور نہر یزید کے نام ابو عبداللہ محمد بن الاصفہانی نے دیکھیے کس صنعت گری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:

یزید شوقي و ینمو کما یزید یزید و ثور یثور

ومن بردی برد القلبی المشرق فها انا من صرة مستجیر

بعض آزاد نگار مؤرخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو، مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن مہندسی سے آب گزاری کے موالغات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو اور اس اٹھارہ بیس میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا، نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں

میں تبدیل کر دیتا ہو (ص ر۷ ۴۲ لامن) اس پر یہ اہتمام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لا یعقل اور دوں فطرت ہی عائد کر سکتا ہے جوالیقی نے المہندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں جو نہر و کاریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کے لیے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ المهندس الذي يقدر مجاري القني (لغت جوالیقی)۔اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی اس میں بہت سے غار ہیں۔جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتائے جاتے ہیں۔چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہے تھے۔ پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں۔آیہ کریمہ ﴿وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾[1] کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا جہاں آب شیریں کا چشمہ ہے، سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اسی مقام ربوہ پر جس کے پاس سے نہر یزید نکالی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔اسی مقام کا ذکر قرآن شریف میں ہے ﴿وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾[2] یہاں عالی شان مسجد واقع ہے اور دوسری چھوٹی مسجد کہف ہے۔

اسی مقام کے قریب سے نہر یزید کس خوبی سے نکالی گئی ہے جو آج تک اس کے نزدیک بہتی ہے اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے اور غوطہ و دمشق کے حسن و خوبی کو دوبالا کر کے شاعروں سے کہلواتی ہے:

---

(۱) (المؤمنون: ۵۰) رحلۃ ابن جبیر، مؤلف ابن جبیر، متوفی ۶۱۴ھ

(۲) (المؤمنون: ۵۰) معجم البلدان، ص ر۷ ۵۲، ج ر۲

أما دمشق فجنّةٌ ینسی بها الوطنَ الغریبُ

''دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے)۔ اس لیے مسافر اس جگہ آ کر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے۔''

للّٰہ أیام السبوتِ بها ومنظرها العجیبُ

''ایام سبت میں (بخدا غوطہ جا کر)۔ اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔''

أنظر بعینك هل تری الا محباً أو حبیبُ

''ذرا آنکھ کھول کر دیکھو۔ سوائے محبّ اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔''

وغدَتْ أزاهرُ روضهِ تختال في فرح وطِیبُ

''اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے (انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں)۔ ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔''(۱)

خلیفہ اور منصب خلافت:

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصطلاحیں عنادیں ہیں۔ ملت کے امور داخلی و خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہو اُسے خلیفہ و امیر و امام کہا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ و امیر المومنین و امام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مبحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظّمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی۔ فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علیؓ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور

(۱) رحلة ابن بطوطة، وقال فیها ابوالحسن علی بن موسی بن سعید العنسی الغرناطی

تمام بلاد المسلمین پر تسلط و اقتدار ان کا قائم نہ ہوسکا تھا بایں ہمہ وہ امام المسلمین تھے۔ اسی طرح امیر المومنین عبدالملکؒ و دیگر خلفاء بنی اُمیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے، شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:

"وَكَذَلِكَ الخُلَفَاءُ الثَّلَاثَةُ وَمُعَاوِيَةُ تَوَلَّوْا عَلَى جَمِيعِ بِلَادِ المُسلِمِينَ، وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ لَم يَتَوَلَّ عَلَى جَمِيعِ بِلَادِ المُسلِمِينَ.فَكَونُ الوَاحِدِ مِنْ هَؤُلَاءِ إِمَامًا، بِمَعنَى أَنَّهُ كَانَ لَهُ سُلطَانٌ وَمَعَهُ السَّيفُ يُوَلِّي وَيَعزِلُ، وَيُعطِي وَيَحرِمُ، وَيَحكُمُ وَيُنَفِّذُ، وَيُقِيمُ الحُدُودَ وَيُجَاهِدُ الكُفَّارَ وَيَقسِمُ الأَموَالَ أَمرٌ مَشهُورٌ مُتَوَاتِرٌ لَا يُمكِنُ جَحدُهُ. وَهَذَا مَعنَى كَونِهِ إِمَامًا وَخَلِيفَةً وَسُلطَانًا، كَمَا أَنَّ إِمَامَ الصَّلَاةِ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي بِالنَّاسِ. فَإِذَا رَأَينَا رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ كَانَ القَولُ بِأَنَّهُ إِمَامٌ أَمرًا مَشهُودًا مَحسُوسًا لَا يُمكِنُ المُكَابَرَةُ فِيهِ. وَأَمَّا كَونُهُ بَرًّا أَو فَاجِرًا، أَو مُطِيعًا أَو عَاصِيًا، فَذَاكَ أَمرٌ آخَرُ. فَأَهلُ السُّنَّةِ إِذَا اعتَقَدُوا إِمَامَةَ الوَاحِدِ مِنْ هَؤُلَاءِ: يَزِيدَ، أَو عَبدِالمَلِكِ، أَوِ المَنصُورِ، أَو غَيرِهِمْ كَانَ بِهَذَا الِاعتِبَارِ. وَمَنْ نَازَعَ فِي هَذَا فَهُوَ شَبِيهٌ بِمَنْ نَازَعَ فِي وِلَايَةِ أَبِي بَكرٍ وَعُمَرَ وَعُثمَانَ، وَفِي مُلكِ كِسرَى وَقَيصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ وَغَيرِهِم مِنَ المُلُوكِ" (۱)

''اور اسی طرح تینوں خلفا (یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور معاویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پاس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزیدؒ اور اُموی خلفا جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اسی معنی و اعتبار سے امام تھے کہ ان کو اقتدار حاصل تھا اور قوت عسکر یہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل و نصب کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان

(۱) ص/۲۴۰، ج/۲، منہاج السنۃ

کا انکار ممکن نہیں۔ اس معنی و اعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بین ہے جس میں کسی حجت و تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر ہے، پرہیز گار ہے یا گنہگار امر دیگر ہے۔ پس اہل سنت جو یزیدؒ کو یا عبدالمالکؒ کو یا المنصورؒ یا اُن کے علاوہ دوسرے (خلفا) کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔"

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپیگنڈہ سیاسی مناقشات کی بنا پر بنی اُمیہ اور خاص طور سے امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا ریمارک تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور سے گزریں۔ خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی حالانکہ ان کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلکاً شیعہ ہونا اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا، حبیب بن ابی ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابن

عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (ص ۲۰۹، میزان الاعتدال)۔ حبیب بن ثابت فرماتے ہیں:

"كَانَ عَلِيٌّ فِي بَيتِهِ اِذْ أُتِيَ فَقِيلَ لَهُ: قَد جَلَسَ أَبُوبَكرٍ لِلبَيعَةِ، فَخَرَجَ فِي قَمِيصٍ مَا عَلَيهِ اِزَارٌ وَلَا رِدَاءٌ، عَجِلًا، كَرَاهِيَةَ أن يُبطِيءَ عَنهَا، حَتَّى بَايَعَهُ ثُمَّ جَلَسَ اِلَيهِ وَبَعَثَ اِلَى ثَوبِهِ فَأَتَاهُ فَتَجَلَّلَهُ وَلَزِمَ مَجلِسَهُ"(۱)

"حضرت علیؓ اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لیے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے بدن پر چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لیے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے منگوائے، کپڑے آگئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔"

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا:

"اشهدت وفاة رسول الله ص؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَتَى بُويِعَ أَبُوبَكرٍ؟ قَالَ: يوم مات رسول الله ص كَرِهُوا أَن يَبقَوا بَعضَ يَومٍ وَلَيسُوا فِي جَمَاعَةٍ قَالَ: فَخَالَفَ عَلَيهِ أَحَدٌ؟ قَالَ: لَا اِلَّا مُرتَدٌّ أَو مَن قَد كَادَ أَن يَرتَدَّ، لَولَا أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنقِذُهُم مِنَ الأَنصَارِ قَالَ: فَهَل قَعَدَ أَحَدٌ مِنَ المُهَاجِرِينَ؟ قَالَ: لَا، تَتَابَعَ المُهَاجِرُونَ عَلَى بَيعَتِهِ، مِن غَيرِ أَن يَدعُوهُم" (۲)

"کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے؟ انھوں

(۱) ص ۲۱۰، ج ۲، تاریخ طبری، طبع اوّل مصر

(۲) ص ۲۱۰، ج ۲، تاریخ الطبری، طبع اوّل مصر

نے کہا: کہ ہاں۔ پھر انھوں نے سوال کیا: ابو بکرؓ سے بیعت کب کی گئی؟ اس کے جواب میں فرمایا: جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اُسی دن، صحابہؓ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گزاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں۔ اس پر عمرو نے پوچھا کہ کیا ابو بکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا: نہیں، البتہ مرتد نے یا انصار میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا، اگر اللہ عزّ وجل اس کو اس سے نہ بچا لیتے۔ عمرو نے پوچھا: کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلو تہی کی تھی؟ حضرت سعید نے کہا کہ: نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے۔''

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصلی بنیاد ہے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا اُسی کو ہم نے اپنی دُنیوی قیادت کے لیے منتخب کرلیا اور ابو بکرؓ کو اپنا امیر بنالیا۔ جب انھوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انھوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کرلیا اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں، کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام دیتے رہے جو خلیفہ رسول اللہ ان کو سپرد کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کیے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (ص ۲۲۳، ج ۳، تاریخ طبری)۔ پھر جب نواح مدینہ میں غدار قبیلوں کی سرکوبی کے لیے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذو القصہ تشریف لے جانے لگے تو حضرت علیؓ نے آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ:

''اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ! آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر درمند نہ کریں۔''(۱)

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے تخلف عن البیعة کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنج وقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا تو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ برابر اپنے زمانہ میں اسی طرح عمل کرتے رہے جیسا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انھیں اندر بلایا اور باتیں کیں۔ (الموافقه بین اهل بیت و الصحابه زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی و ملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے، ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے، کسی کچھ قدر ہے۔ انھوں نے تو اپنے کانوں سے سنا تھا جب آنحضور ﷺ نے حضرت حسّان مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنھیں سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو اپنا بزرگ جانتے، ان کے فرمانے کو مانتے، ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوشدلی سے قبول کرتے تھے۔ یہ خفگی اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسّانؓ کے وہ شعر سنیے جنھیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔ فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى بَدَت نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ:

---

(۱) ص/۳۱۵، ج/۱، البدایہ والنہایہ

صَدَقتَ یَا حَسَّانُ هُوَ کَمَا قُلتَ (طبقات ابن سعدباب ذکر الغار و الهجرة الی المدینة)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے اور فرمایا اے حسّان تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

یہ اشعار یہ تھے:

اِذَا تَذَکَّرتَ شَجوًا مِن أَخِي ثِقَةٍ فَاذکُر أَخَاكَ أَبَابَکرٍ بِمَا فَعَلَا

''مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسہ کے آدمی کی یاد کرو تو اپنے بھائی ابوبکر کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انھوں نے انجام دیں۔''

خَیرُ البَرِیَّةِ أَتقَاهَا وَأَعدَلُهَا اِلَّا النَّبِيُّ وَافَاهَا لِمَا حَمَلَا

''نبی کے بعد خلائق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں۔''

وَالثَّانِي التَّالِي المَحمُودُ مَشهَدُهُ وَأَوَّلُ النَّاسِ مِنهُم صَدَّقَ الرُّسُلَا

''نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا ہر کارنامہ پسندیدہ ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنھوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔''

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذا صعدو الجبلا

''اور بلند غار میں وہ دو میں ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے۔''

وکان حب رسول اللّٰه قد علموا من البریة لم یعدل به احدا

''وہ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں۔''(۱)

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی

حاکباً عن قاضی القضاۃ(۱) اس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں ان ابا بکر ہو الذی صلی علیٰ فاطمۃ و کبر اربعا (ص۸۸۰، ج۲، شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)۔ یہی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہوکر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا: رحمك الله ابا بكر كنت اول الناس اسلاما 'یعنی اے ابو بکرؓ رحمت ہو اللہ کی آپ پر آپ ہی ہیں جو سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔'

اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہتے ہیں:

"ان علياً لم يخاطب عمر منذ ولى الخلافة بالكنية وانما كان يخاطبه يامره المسلمين هكذا ينطق كتب الحديث و كتب السير و التواريخ"(۲)

''(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث و کتب سیر اور تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔''

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ خلافت فاروقی میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج۴، ص۸۲)۔ ۱۳ھ میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں داد شجاعت دے رہے تھے، ان کے سردار ابو عبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کرکے عراق کی طرف کوچ کیا۔ چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے دی کہ امیر المومنین کا محاذ جنگ پر بذات

---

(۱) ص۷۰۹، ج۲، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ ایران

(۲) ص۲۳۴، ج۲، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ ایران

خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کردیا (ج۴، ص۸۲)۔ مؤرخین نے حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا۔ بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

"قال علی کثیراً ما کنتُ اسمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول کنت انا و ابوبکر و عمر وفعلت انا و ابوبکر و عمر و خرجت انا و ابوبکر و عمر و دخلت انا و ابوبکر و عمر" (۱)

''حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ میں اور ابوبکر و عمر تھے۔ میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا۔ اور میں اور ابوبکر و عمر نکلے، میں اور ابوبکر و عمر چلے، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔''

بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ہی ان کے سن وصال کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قد علمنا بالروية الصحيحة و الشهادة القائمة انه (علی) اسلم هو حديث غرير و طفل صغير فلم نكذب الناقلين ولم نستطع ان نلحق اسلامه باسلام البالغين" (۲)

''ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کرسکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام

(۱) ج۱، ص۱۴۹، ازالۃ الخفاء، طبع اول (۲) ص۷۰۶، ج۲، نہج البلاغہ

کے برابر رکھ سکیں۔"

ان سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا۔ ادھر سے عقیدت و احترام تھا اُدھر سے محبت و شفقت۔ اسی اتحاد و محبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ اُم کلثوم (۱) بنت فاطمہ الزہراؓ کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا۔اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو جنازہ اُٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرمائے تھے:

"قال (علی) ما من الناس احد احب الی ان القی اللّٰہ بما فی صحیفة من ھذا المسجی" (۲)

"(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامہ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت ان صاحب جنازہ کے نامہ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامہ اعمال ان ہی کے نامہ اعمال جیسا ہو۔"

نام اعمال کا اشارہ حضرت فاروق اعظمؓ کی عظیم ترین خدمات دینیہ وطیبہ کی جانب سے جو انھوں نے قبل خلافت اور عہد خلافت میں انجام دیں۔حضرات شیخین کا زمانہ اخوت و مساوات اور یک جہتی کا مثالی زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی اان الفاظ میں کی ہے:

"تمام مسلمین در زمان ایشان باہم موتلف و با یکدیگر مراحم و برکفار شدید و بر جہاد متوافق، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ سپاہ و رعایا خلیفہ را از جان خود دوست دارتر وخلیفہ بر رعایا و سپاہ از پدر مشفق و مہربان تر۔" (۳)

"تمام مسلمان ان کے (شیخینؓ) کے زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے

---

(۱) سیدہ اُم کلثومؓ کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں ایک صاحبزادے زید بن عمر اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر۔

(۲) ص/۲۱۸، ج/۱، ازالة الخفاء، طبع اول (۳) ص/۱۴۹، ج/۱، ازالة الخفاء، طبع اول

مہربان تھے، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے۔ مخالفت کا نام بھی ان کے
درمیان نہیں آیا تھا۔ سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور
خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ مشفق اور مہربان تھے۔"

اس زمانہ کی برکات خلیفہ سوئم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں۔ اور نشو ونمائے ملت اسی منہج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا۔

"آنحضرت برائے نشو ونمائے ملت اسلامیہ صورتے معین فرمودن کہ تا آخر عہد
حضرت عثمانؓ متحقق شد۔"(۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ کی نشو ونما کے لیے ایک صورت
معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمانؓ تک یقیناً رہی۔"

نشو ونمائے ملت اسلامیہ کے لیے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا قدرے اندازہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو اُمت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے۔ ارشاد ہوا تھا:

"ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان
تلقوا ربکم کحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا
الاھل بلغت اللھم اشھد" (۲)

"لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال، تمھاری عزتیں قیامت کے دن تک ایک
دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی
اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔ دیکھو میں نے (اللہ کا) پیغام پہنچا دیا۔
اے اللہ گواہ رہ۔"

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی۔

"الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض"

---

(۱) ص/۱۳۰، ج/۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول (۲) ص/۱۴۹، ج/۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول

''خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

حضرت فاروق اعظمؓ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے مجوسی [1] غلام نے خنجر سے زخم کاری لگایا تھا۔ جب تحقیق ہو گیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدہ ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور میرا زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا تھا۔

حضرت عمرؓ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے کیونکہ اس بلند معیار پر جو اُن کے پیش نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انھوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اُترتا تھا۔ لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہ کی مجلس شوریٰ بنادی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کرلیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کردی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک ان کے مخالف تو اس کی گردن ماردی جائے۔ اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کردیا جائے اور اگر رائے مساوی ہو تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اُڑادی جائے۔ گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ تھا اور اُمیدوار بھی، یہ صورت پیدا کردی کہ ایک صاحب نے اپنے آپ کو اُمیدوار ہونے سے علیحدہ کرلیا اور بقیہ حضرات نے اظہار رائے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مختار کردیا کہ وہ اپنی صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور آرا معلوم کرکے عثمانؓ و علیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔ طبری نے بیان کیا ہے حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا

---

(۱) حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا۔ ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا۔

بشکست عمر پشت ہژبران عجم را | برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست | با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

ملال ہوا اور انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرف داری کا الزام لگایا۔ جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:

''اے علی! اپنے خلاف مجھے قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کرو۔ میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے۔''

یہ سُن کر حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چل دیے: یبلغ الکتاب اجله یعنی تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائے گی۔

لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جاتے دیکھا تو پکار کر کہا:

"ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفی بماعاهدعلیه الله فسیوتیه اجرا عظیما"

''جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا۔''

اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کر لی مگر برابر یہ کہتے رہے فریب ہے اور کتنا بڑا فریب۔ (طبری)

معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اس انتخاب کے بعد سے اُمت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی و خاندانی و نسلی امتیازات کی باتیں ہونے لگیں۔ اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ سالہ عہد خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال و غنائم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہؓ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے۔ عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ و بصرہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ چینیاں شروع ہوئیں اور دولت و اقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ عبداللہ

بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر طہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جس طرح بعض مؤرخین نے کربلا میں حسینی شہادت کا انکار کیا ہے وہ پُرفریب پروپیگنڈہ شروع کردیا جس کے تلخ نتائج سے آج تک اُمت کو چھٹکارا نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس ولحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کے لیے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ ﷺ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً ستر برس کے امام المسلمین جو رسول اللہ ﷺ کے دوہرے داماد تھے، آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے، سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض و رحم دل او رسول اللہ ﷺ کے چہیتے تھے، تلاوت قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کردیے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اُٹھانے یا اُٹھوانے کے لیے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کے خط کے مضمون سے جو اُنھوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کیے تھے، ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پروتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصبہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۰، ص ۶۸) میں درج کیا ہے۔ ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے:

مضمون خط سیدہ نائلہؓ بیوہ حضرت عثمانؓ:

"واني أقص عليكم خبره' لأني كنت مشاهدة أمره كله' حتى أفضي

اليه:

وان أهل المدينة حصروه في داره' يحرسنه ليلهم ونهارهم. قيام على يحرسنه ليلهم ونهارهم. قيام على أبوابه بسلاحهم' يمنعونه كل شيء قدروا عليه' حتى منعوه الماء' يحضرونه الأذى' ويقولون له الافك. وأهل مصر قد أسندوا أمرهم الى محمد بن أبي بكر ص عمار بن ياسر' وكان عليّ مع المحرّضين من أهل المدينة' ولم يقاتل مع أميرالمؤمنين' ولم ينصره' ولم يأمر بالعدل الذي أمر اللّٰه تبارك وتعالى به. فضلت تقاتل خزاعة و سعد بن بكر و هذيل' وطوائف من مزينة و جهينة' وأنباط يثرب' ولا أرى سائرهم' ولكني سميت لكم الذين كانوا أشد الناس عليه في أول أمره و آخره. ثم انه رمي بالنّبل والحجارة' فقتل ممن كان في الدار ثلاثة نفر' فأتوه يصرحون اليه'ليأذن لهم في القتال' فنهاهم عنه' وأمرهم أن يردوا عليهم نبلهم' فردّوها اليهم' فلم يزدهم ذلك على القتال آّلا جراء ة' وفي الأمر الا اغراء. ثم أحرقوا باب الدار' فجاء ه ثلاثة نفر من أصحابه' فقالوا: ان في المسجد ناسا يريدون أن يأخذوا أمر الناس بالعدل' فاخرج الى المسجد حتى يأتوك' فانطلق فجلس فيه ساعة' وأسلحة القوم مطلة عليه من كل ناحية' وما أرى أحدا يعدل' فدخل الدار' وقد كان نفر من قريش على عامتهم السلاح' فلبس درعه' وقال لأصحابه: لولا أنتم ما لبست درعا' فوثب عليه القوم' فكلمهم ابن الزبير' وأخذ عليهم ميثاقا في صحيفة' بعث بها الى عثمان: ان عليكم عهد اللّٰه وميثاقه آّلا تعرّوه بشيء' فكلموه و تحرجوا' فوضع السلاح' فلم يكن الا وضعه' حتى دخل عليه القوم يقدمهم ابن أبي بكر' حتى أخذوا بلحيته'

ودعوه باللّقب. فقال: أنا عبداللّٰه و خليفته' فضربوه على رأسه ثلاث ضربات' وطعنوه في صدره ثلاث طعنات' وضربوه على مقدم الجبين فوق الأنف ضربه أسرعت في العظم' فسقطت عليه وقد أثخنوه وبه حياة' وهم يريدون قطع رأسه' ليذهبوا به' فأتتني بنت شيبة بن ربيعة' فألقت نفسها معي عليه' فوطئنا وطئا شديدا' وعرّينا من ثيابنا' وحرمة أمير المؤمنين أعظم.فقتلوه رحمة اللّٰه عليه في بيته' وعلى فراشه. وقد أرسلت اليكم بثوبه' وعليه دمه' وانه واللّٰه لئن كان أثم من قتله' لما يسلم من خذله. فانظروا أين أنتم من اللّٰه جل وعز' فانا نشكي ما مسنا اليه' ونستنصر وليه وصالح عباده"(۱)

''میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے۔
اہل مدینہ نے ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کر رکھا تھا۔ دن رات دروازوں پر پہرا تھا۔ ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ پانی سے بھی منع کر دیا تھا۔ان پر الزامات لگاتے رہے گالیاں دیتے رہے۔مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر تھے اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے۔ انھوں نے نہ امیر المومنین کی کوئی مدد کی نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انھوں نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہے۔خزاعہ،سعد بن بکر، ہذیل، مزینہ وجھینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے سب نہ سہی اکثر ضرور تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے اُن کے نام لکھ دیئے ہیں۔ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھر مار کر دی۔ تین آدمی گھر میں قتل ہو گئے۔مجبور ہو کر گھر کے اور آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ انھوں نے اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس کر دو مگر اس سے وہ کچھ جنس نہ

(۱) کتاب الأغانی

پڑے بلکہ اور دلیر ہو گئے۔ پھر انھوں نے دروازہ میں آگ لگا دی۔ آخر کار تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت کے لیے رو بہ رو بات کرنے کے لیے بلوایا۔ وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا اور پھر وہ گھر واپس آ گئے اُس وقت قریش سب مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی ذرعہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمھاری وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں اُن پر حملہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے اُن لوگوں کو سمجھایا اور اُن سے تحریری معاہدہ کیا جس میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی حملہ نہ ہوگا۔ وہ باز آ گئے ابن زبیرؓ نے بھی ہتھیار اُتار دیئے مگر فوراً موقع پا کر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے آگے محمد بن ابی بکر تھے اندر آ کر حملہ کر دیا اور آتے ہی ڈاڑھی پکڑ لی اور گالی دی۔ (حضرت) عثمانؓ نے کہا کہ میں تو اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہوں۔ اسی اثنا میں ان لوگوں نے تین وار نیزے کے آپ کے سینے پر کیے اور تین وار سر پر کیے اور ایک تلوار سر کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک بیٹھ گئی۔ میں عثمانؓ پر چھا گئی تا کہ اُن کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی۔ اُن لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی۔ اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں اُن کو مار ڈالا۔ میں اُن کا خون لگا کرتا تم کو بھیجتی ہوں۔ اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں جنھوں نے رُسوا ہوتے دیکھا اور مدد نہیں کی۔ اب سوچ لو اللہ کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے مصیبت کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا۔ ہم اللہ کے روبرو اپنی شکایت کرتی ہیں۔ اور خون عثمانؓ کے وارثوں اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کرتی ہیں۔"(۱)

---

(۱) نائلہ بیوہ عثمان

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو، خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا اور اس وقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قران میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمانؓ فریادی نہ بھی ہوتیں تو قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رُو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کو جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کرسکیں گے۔ سازش کا تو الزام کسی طور ثابت نہیں بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے اُن کی بیٹیاں رو رہی تھیں اُنھیں دیکھ کر آنسو پونچھنے لگیں، پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ قلن نبکی علی عثمان فبکیٰ، وقال ابکین۔ (انساب الاشراف) انھوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔ (یہ سُن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا: ہاں روؤ۔

فتنہ اولیٰ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ایک موقع پر لکھا ہے:

''پس فتنہ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و مابعد اوست تا آنکہ خلافت معاویہ بن ابی سفیانؓ مستقر شد و فتنہ ثانیہ بعد موت معاویہ بن ابی سفیانؓ ت استقرار خلافت عبدالملک۔''(1)

''پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور اس کے بعد کے واقعات ہیں اس وقت تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن ابوسفیانؓ قائم نہ ہوئی۔ اور دوسرا فتنہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے اُس وقت تک رہا جب تک کہ خلافت عبدالملک (بن مروان) قائم نہ ہوئی۔''

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے اُمت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف

---

(1) ج/۱، ص/۱۳۰

کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہوگئے۔ اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''چوں نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد و اکثر بلدان از طاعت خلیفہ بر آمدند۔''(۱)

''جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی تقدیر الٰہی سے اُمت میں تفرقہ پڑ گیا اور اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگئے۔''

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنا مقصود نہیں۔ عرض کرنا یہ ہے کہ جھگڑے بھی شدید ہوئے، خون ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہیں تھا، سبائیوں کی در اندازیوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر ایک ہوگئے۔ یہ صحابہ اور تابعین ہی تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

عام الجماعت:

اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے بعد میں صلح بیعت کر لی تو اتحاد المسلمین کی پھر وہی کچھ کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت المسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال۔ حضرت معاویہؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسن تدبر سے تمام فتنہ پرورانہ سرگرمیوں کو دور کر کے ہر خطہ مملکت میں امن و امان بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی۔ وہاں کا نظم و نسق حکومت درست کرنے کے لیے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ کو متعین کیا

(۱) ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۱۴۷

جو حضرت علیؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا اُن کو نوشیرواں[1] ثانی کہتی تھی۔ اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؒ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ مفسدین کے لیے درشت مزاج امن پسندوں کے لیے نرم خو بقول شاعر:

درشتی و نرمی بہم دربہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہوگئی۔ چنانچہ اُمت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رُکے پڑے تھے اب حضرت معاویہؓ نے تیزی سے شروع کیے۔ ہر طرف خوشحالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی حلم و کرم، عدل و انصاف، جودوسخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: كانت سيرة معاويه مع رعيته من خيار امير الالاة و كان رعيته يحبونه (یعنی حضرت معاویہؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی طرح تھا اور ان کی رعایا اُن سے محبت کرتی تھی)۔

صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

" خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ " (۲)

"تم میں بہترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں۔"

سرداری و حکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہی ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے:

---

(۱) ص/۲۸۵، جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۵۰ء مقالہ ایڈورڈ تھامس

(۲) صحیح مسلم، باب خیار الائمہ وشرارہم، ح:۱۴۸۱

" مَا رَأَيتُ رَجُلًا كَانَ أَخلَقَ بِالمُلكِ مِن مُعَاوِيَةَ"

'' میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی (حضرت) معاویہؓ کو ہے۔''

اسی طرح دیگر معاصرین کے اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے تھے:

" مَا رَأَيتُ أَحَدًا أَسوَدَ مِن مُعَاوِيَةَ"

'' میں نے (حضرت) معاویہؓ سے زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا۔''

سننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا:

"كَانَ عُمَرُ خَيرًا مِنهُ ' وَكَانَ مُعَاوِيَةُ أَسوَدَ مِنهُ."

'' حضرت عمرؓ اُن سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہؓ سرداری میں بڑھ کر تھے۔''(۱)

علامہ ابن کثیر نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی و متورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"مَا رَأَيتُ أَحَدًا بَعدَ عُثمَانَ أَقضَى بِحَقٍّ مِن صَاحِبِ هَذا البَابِ. يَعنِي مَعَاوِيَةَ"

'' میں نے (حضرت) عثمانؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا یعنی معاویہؓ۔''

حضرت عمیر بن سعد الانصاریؓ جو زاہد صحابی تھے اور حمص کے عامل تھے حضرت فاروق اعظمؓ نے اُن کو معزول کر کے حضرت معاویہؓ کا تقرر کیا۔ کسی نے اُن کے سامنے حضرت معاویہؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیرؓ نے فرمایا:

" لَا تَذكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيرٍ ' فَإِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ

(۱) ص/۱۳۵، ج/۸، البدایہ والنہایہ

وَسَلَّمَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اهْدِ بِهٖ "(۱)

''معاویہؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ: اے اللہ اسے ہدایت کا ذریعہ بنا۔''

واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہؓ نے رُشد و ہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مسلمان نسلیں رہتی دُنیا تک حضرت امیر معاویہؓ کی شکرگزار رہیں گی کہ عین اُس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ جوں ہی صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادرکشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ پڑ جائیں، اُن پر حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اُتار دے، حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کر کے قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک قدم بھی تُو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کر لیں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"فَلَمَّا رَأَى مَلِكُ الرُّومِ اشْتِغَالَ مُعَاوِيَةَ بِحَرْبِ عَلِيٍّ تَدَانَى اِلَى بَعْضِ البِلَادِ فِي جُنُودٍ عَظِيمَةٍ ' وَطَمِعَ فِيهِ ' فَكَتَبَ اِلَيهِ مُعَاوِيَةُ : وَاللّٰهِ لَئِن لَم تَنتَهِ وَتَرجِع اِلَى بِلَادِكَ يَا لَعِينُ لَأَصطَلِحَنَّ أَنَا وَابنُ عَمِّي عَلَيكَ وَلَأُخرِجَنَّكَ مِن جَمِيعِ بِلَادِكَ ' وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيكَ الْأَرضَ بِمَا رَحُبَت. فَعِندَ ذٰلِكَ خَافَ مَلِكُ الْرم فَكَتَبَ اِلَيهِ مُعَاوِيَةُ : وَاللّٰهِ لَئِن لَم تَنتَهِ وَتَرجِع اِلَى بِلَادِكَ يَا لَعِينُ لَأَصطَلِحَنَّ أَنَا وَابنُ عَمِّي عَلَيكَ وَلَأُخرِجَنَّكَ مِن جَمِيعِ بِلَادِكَ ' وَلَأُضَيِّقَنَّ عَلَيكَ الْأَرضَ بِمَا رَحُبَت. فَعِندَ ذٰلِكَ خَافَ مَلِكُ الرُّومِ وَانكَفَّ ' وَبَعَثَ يَطلُبُ الهُدنَةَ" (۲)

---

(۱) البدایہ والنہایہ (۲) ص/۱۹۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ

''جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔ معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا۔ اے لعین! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کرلیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کردیں گے۔ قیصر اس سے خائف ہوا، لوٹ گیا اور طلب صلح کے لیے وفد بھیجا۔''

بعض یورپین مؤرخین گبن وغیرہ لکھتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلوخلاصی کے لیے قیصر سے دب کر صلح کرلی تھی لیکن مسلمان مؤرخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے۔ گبن کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرنے ہی سے خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کردی تھیں۔ جن میں جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے کہ ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیر حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

" وَالجِهَادُ فِي بِلَادِ العَدُوِّ قَائِمٌ ' وَكَلِمَةُ اللّٰهِ عَالِيَةٌ ' وَالغَنَائِمُ تَرِدُ اِلَيهِ مِن أَطرَافِ الأَرضِ ' وَالمُسلِمُونَ مَعَهُ فِي رَاحَةٍ وَعَدلٍ وَصَفحٍ وَعَفوٍ" (۱)

''دشمن ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا۔ مالِ غنیمت تمام اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام و انصاف، ترحم و درگزر کے ساتھ رہتے تھے۔''

مؤرخ گبن کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آجانے سے بچالیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہوجانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی قارئین کو بتاتا ہے۔

''اس تحقیق و تفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی

---

(۱) ص ۱۱۹/، ج ۸/، البدایہ والنہایہ

معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے، جن سے روم کا کروفر و عظمت و جلال محفوظ رہا۔ جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہوجانا رکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں) کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق و زوال کی تخم ریزی ہوسکی۔''(۱)

اس عیسائی مؤرخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بے جا بھی نہیں۔ مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادت عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگر انتشار و اضمحلال کی کیفیت رونما نہ ہوگئی ہوتی، جنگ جمل و صفین و نہروان میں تقریباً ستر اسّی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہوگئے ہوتے، یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور آج مسیحیت کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسا کی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجتیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو ''خاموش اذانوں اور سجدوں کے پوشیدہ نشانیوں'' کا حسرت کے ساتھ ذکر نہ کرنا پڑتا۔ اور نہ گبن کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا۔ وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا اور طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کرکے کاروانِ ملت کو جادہ پیمائی کے لیے پھر مستعد کردیا۔ محدث دہلوی نے خلیفہ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

''چناں کہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض و ازالہ مواد مرض او می نماید وحمیہ می فرماید ہم چناں ایں خلیفہ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند و ازالہ مادہ مرض می سازد و ارشاد حمیہ می نماید''(۲)

''جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اور مادہ مرض کی دفیعہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا ہے اس طرح خلیفہ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت و تندرستی کے حصول کا اور مادہ مرض کے دفیعہ کا ازالہ کردیتا ہے اور پرہیز بتا دیتا ہے۔''

یہ خلیفہ راشد ہی کی خدمت تھی جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی۔ اگرچہ حضرت علیؓ چند

(۱) تاریخ عروج و زوال، رومۃ الکبریٰ (۲) ص/۱۴۲، ج/۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول

سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ:

''مقاصد خلافت خاصہ علی وجہہا (در زمان علیؓ) متحقق نگشت بعد مرتضیٰؓ چوں معاویہؓ بن ابی سفیانؓ متمکن شد و اتفاق ناس بردے بحصول پیوست و فرقت جماعت المسلمین از میان برخاست دے سوابق (۱) اسلامیہ نداشت............ الی آخرہ''

''(حضرت علیؓ کے زمانہ میں) خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے اور حضرت مرتضیٰؓ کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ (خلافت پر) متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق و اتحاد حاصل ہوگیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اُٹھ گیا وہ اگرچہ سوابق اسلامیہ (بمقابلہ حضرت علیؓ کے) نہ رکھتے تھے۔ (مگر مقاصد خلافت کے برآئے)''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں:

"واما خلافة معاويه بن ابی سفيان فثابتة صحيحة"(۲)

''لیکن (حضرت) معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔''

پس ایسی خلافت کو جس میں ملت کا اتحاد و اتفاق قائم و برقرار رہا ہو اور اُمت مسلمہ

---

(۱) شاہ صاحب اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرات سے گلو خلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوابق ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں جانتے تھے جو کتاب وحی کی خدمت ان کے سپرد کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جنھوں نے اہم ترین مناصب کا انھیں اہل جانا اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بنا پر انھوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی ﷺ کی پیروی میں انھیں ہادی و مہدی باور کیا۔ اور اسی طرح ان کے حقوق کی رعایت کی جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے۔)

(ص/۱۳۲، ج/۱، ازالۃ الخفاء، طبع اول)

(۲) ص/۲۱، غنیۃ الطالبین

ایک صحابی وکاتب وحی کے زیرقیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو، زبردست فتوحات حاصل ہوئی ہوں، تمام اُمت امن وامان اور راحت وآرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافتِ راشدہ کیوں نہ کہلائے۔ کیا محض اس لیے اس کو ''ملک عضوض'' کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد ''ازالہ مادہ عرض'' اور ''جلب صحت طبیعت عالم'' کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جس کو آج کی اصطلاح میں ''مارشل لا'' کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقے سے فتنہ وفساد کے دفیعہ کے لیے۔

ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ:

" الخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكًا بَعدَ ذٰلِكَ " (۱)

اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نُباتہ العبسی کوفی ہیں وہ سعید بن جمہان سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں خلافت تیس برس رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ یہ حدیث بہ تغیر الفاظ ابو داؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ العبسی کوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں۔ منکر حدیث ہیں۔ یہ حشرج، سعید بن جمہان البصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ انھوں نے یہ حدیث اُن سے کب، کیونکر اور کہاں سُنی۔ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو نظام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیشین گوئی کرتی ہو، روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے اثر کو زائل کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی جو حضرت جابر بن سمرہ

(۱) مسند احمد، سنن الترمذی، السنن الکبری للنسائی، مسند ابی داؤد الطیالسی

صوابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں:

"سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الاِسلَامُ عَزِيزًا اِلَى اثنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُم مِن قُرَيشٍ" (۱)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ: دین اسلام قوت سے رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ (۲) ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔"

ان بارہ خلفا میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزیدؒ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "بادشاہت" کا نام دیا جائے یا "ملک عضوض" کا اس کامیاب عہد کا مفاد ملیہ کے لیے مبارک ہونا واقعات تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص و عام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آتا اور شعرا کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا۔ (۳) عرب کے مشہور شاعر الراعی عبید بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اُس زمانہ میں

(۱) صحیح مسلم، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، ح:۱۸۲۱

(۲) ایک فرقے نے شاید اسی بنا پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارھویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغر سنی میں غائب ہو گئے لیکن زندہ ہیں قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔

(۳) کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافت نبوت کے عالموں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے؟ فرمایا: "بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو، ان کے حق ادا کرو، ان کی رعیت کی بابت اللہ اُن سے پوچھے گا۔" یہ بارہ کی تحدید آخر عہد اُموی تک کے لیے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

امیر یزیدؒ کو بھیجے تھے جب بہتیرے علم و دانش رکھنے والے اور نزاکت وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ سابقہ حالات کے پیش نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کے لیے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کے لیے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا نام پیش کرتے تھے جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اور اُس عہد کی فوجی قوت جس کی قیادت متعدد معارک عظیمہ میں وہ کر چکے تھے کلیتاً اُن کے ساتھ ہی تھی۔ مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضا سمجھنے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متأمل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد اُن کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعر ان اشعار میں امیر یزیدؒ کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضا یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولی عہدی قبول کر لیں، وہ کہتا ہے:

یزید یا ابن أبي سُفیان هل لکم   الی ثناء وود غیر منصرم

''اے یزید، اے ابوابوسفیان کے بیٹے! کیا تمھیں کچھ رغبت ہے (لوگوں کی)
غیر منقطع مدح و ثنا اور محبت (ہر دلعزیزی) کی طرف''

انا نقول ویقضي اللّٰه مقتدرًا   وما یشأ ربنا من صالح یدم

''ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری
کرے گا اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہے تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے''

فاعهد نقاتلکم خذها یزید وقل   خذها معاوي غیر العاجزالهرم

''اپنے سے جنگ کرنے والوں پر نگرانی [1] رکھو اور اے یزید اس خلافت کو

---

(۱) غالبًا یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ کے شروع سے ہی مخالف تھے اور اس ولی عہدی کی مخالفت انھوں نے کی تھی اور کرائی تھی۔

حاصل کرواور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض بنو کمزوری اور ناتوانی مت دکھاؤ''

ولا تحط بها فِي غير داركم　　اني أخاف عليكم حيرة الندم

''اور اس (خلافت) کو (اپنے گھر کے سوا) کسی دوسرے گھر میں نہ اتارو میں تمھارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سیڈرتا ہوں''

ان الخلافة ان تعرف لثالثكم　　تثبت معادنها[1] فيكم ولا ترم[2]

''اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا) کسی تیسرے کے لیے معروف ومنسوب ہوئی (جب بھی) اس کے مراکز تمھیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے (کیونکہ اس کی اہلیت تمھیں میں ہے اور کسی میں نہیں)''

ولا تزال وفود فِي دياركم　　فِي ظل أبلج سباق الى الكرم

''اور تمھارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گیا یک بشاش چہرے والے بزرگی وکرم کی طرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیرِ سایہ (یعنی معاویہؓ)''(۳)

یہ اشعار اُس زمانے کےلوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوف ناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سال عہد خلافت میں بالکل دور ہوکر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملت اسلامیہ پھر متمتع ہوگئی۔ حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی۔ غرض یہ کہ جب ولی عہدی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور کُل اُمت کی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا خوش دلی سے حاصل ہوگئی تو شاعر نے یہ دو شعر اور لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کیے۔

---

(۱) معدن الشے مرکز (منتخب اللغات)　(۲) فلا ترم ولا یزال (تاریخ دمشق ابن عساکر)

(۳) (انساب الاشراف بلاذری) بنیادی طور پر انساب الاشراف میں مرقوم یہ اشعار ''طبقات فحول الشعراء'' مؤلف محمد بن سلاّم بن عبید اللہ الجمحی بالولاء متوفی ۲۳۲ھ سے منقول ہیں۔

راحت کما راح أو تغدو کغدوته عنس و خود علیها راکب یفد

''ایک مضبوط تیز رفتار ناقہ ہے اور اس پر ایک سوار وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو چلا تو چل پڑی پیغام لایا ہے''

تنتاب آل أبي سُفیَان واثقة بسیب أبلج منجاز لما بعد

''کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے اب خلافت پر آل ابی سفیان ہی یکے بعد دیگرے فائز ہوں گے''(۱)

اسلامی عقیدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور افضل البشر اور انسان کامل تھے۔ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مؤرخ بھی جنھوں نے حال ہی میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں، یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ غور و خوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کی وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ استعجاب ہوگا۔''

اسی کے ساتھ اس مؤرخ نے عہد نبوی ﷺ کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمال میں غالب اکثریت بنی اُمیہ کی تھی۔ اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ، ان کے فرزندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا۔ خلافت صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملّیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرور کائنات ﷺ نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام

(۱) انساب الاشراف بلاذری

خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشین گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلفا کے زمرہ میں شامل ہیں۔

سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملت میں سوائے خلیفہ کے نہ کوئی دوسرا امیر المومنین ہوسکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفا ہی کے لیے مخصوص تھا۔ بعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر اُن کے جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہ لی۔ اُن کے انتقال کے بعد جب بیعت لی تو کسی ہاشمی نے اُن سے بیعت نہیں کی۔ دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی بن الحسینؒ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسیٰ (الرضا) اور ان کے فرزند محمد بن علی خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے اور ان کی بیعت میں شامل۔

کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملت کے سیاسی نظام میں وہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملت کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا۔ کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب سے مخاطب ہوسکتا تھا اور نہ کیا جاسکتا تھا۔ ملت کی سربراہی اپنے وقت میں جیسی آل ابوسفیان کی کامیاب رہی اس کا ثبوت کتب تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی امیر زیاد اور اُن کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہوتا اور اگر کوئی قصور ہوتا تو امیر المومنین یزیدؒ ان کو سزا دیئے بغیر کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

شرقی ممالک کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ پہلوی زبان کے رسم الخط میں امیر زیاد اور ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے مونوگرام اور طغروں سے جو اس عہد کے سکہ جات پر کندہ ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و استحکام کا قدرے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُس زمانے میں ملت کی سیاسی قیادت اور مملکت کی انتظامی مشین کی درستی آل ابوسفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھی۔ مگر وضعی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ طرح طرح کے بہتان تراشے گئے اور مسلسل پروپیگنڈے سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ:

امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص و عام ہیں، سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں۔ مؤرخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں اکثر کو آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مؤرخ بلاذری نے جن راویوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے، گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے، شکاری کتوں باز و بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں، ذرا اُن کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں:

"حَدَّثَنِي العَمرِيّ عَن الهَيثَم بن عدي عَنِ ابن عياش و عوانة وعن هشام ابن الكلبي عَن أبيه وأبي مخنف وغيرهما" (۱)

''العمری نے مجھ سے بیان کیا، اُن سے الہیثم بن عدی نے اُن سے ابن عیاش وعوانہ نے اُن سے ہشام بن کلبی نے اُن سے اُن کے باپ نے اور (اسی طرح) ابومخنف وغیرہ (نے بھی بیان کیا ہے)۔''

ابومخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مندرجہ بالا راویوں میں

(۱) ص ۱/، ج ۴/، انساب الاشراف، مطبوعہ یروشلم

پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن سائب الکلبی ابوالنصر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں۔ (۱)

دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے۔ جس کو ابن عساکر نے رافضی نا قابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (ص/۲۵۶، ج/۳، ایضاً)۔ تیسرے راوی عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا جاتا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے نا قابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (ص/ ۲۵۶ ج/۳، ایضاً)۔ پانچویں راوی العمری متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (ص/۳۵۴، ج/۳ ایضاً)۔ ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دوسو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی۔ اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے عینی شاہد تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ، حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ)، حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المومنین یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، پرہیزگاری اور علم وفضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کیے گئے اُن کی پُرزور تردیدیں کیں۔ یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات کا پروپیگنڈہ اس شدومد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب و دروغ و بدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائریکٹر نشرواشاعت گوئبلز نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلہ میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو بے دھڑک بولو، شدومد سے بولو اور مسلسل ومتواتر بولو اور پروپیگنڈہ کرو تو بالآخر

---

(۱) ص/۶۲، ج/۳، میزان الاعتدال، ذہبی

لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے۔[1] یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپیگنڈے کی ہوئی۔ طرح طرح کے قصے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے، مثالاً پیش کی جاتی ہے۔ مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ:

"ولمّا حج [۲] في خلافة أبيه جلس بالمدينة على شراب' فاستأذن عليه عبدالله بن عباس' والحسين بن علي' فأمر بشرابه فرفع وقيل له: انّ ابن عباس ان وجد ريح شرابك عرفه. فحجبه وأذن للحسين' فلما دخل وجد رائحة الشراب مع الطّيب فقال: للّه درّ طيبك هذا ما أطيبه' وما كنت أحسب أحدا يتقدّمنا في صنعة الطيب' فما هذا يا ابن مُعَاوِيَةَ؟ فقال: يا أبا عبدالله' هذا طيب يصنع لنا بالشأم. ثم دعا بقدح فشربه' ثم دعا بقدح آخر فقال: اسق أبا عبدالله يا غلام. فقال الحسين: عليك شرابك أيها المرء' لا عين عليك منّي. فشرب" [۳]

''یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن عباسؓ و حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت چاہی۔ (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا کہ ابن عباسؓ کو اگر تمھاری شراب کی بُو آگئی تو پہچان جائیں گے۔ اس لیے شراب کو چھپا دیا۔ پھر حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی وہ جب داخل ہوئے تو انھیں

---

(۱) یہ طریقہ کار یہودیوں کا چلن رہا ہے جسے روافض وسبائی گروہ نے خوب استعمال کیا اور گوئبلز چونکہ خود یہودی تھا اس لیے اپنی قوم کے اس طریقہ کار کو سائنٹفک طریقہ سے استعمال کرنے کا جدید دور میں بانی کہلایا۔

(۲) کتاب الاغانی میں لفظ ''رجع'' استعمال ہوا ہے۔

(۳) ص ۶۱/، ج ۱۳/، کتاب الاغانی

خوشبودار شراب کی خوشبو آئی۔ (حسینؓ نے یزیدؒ سے) کہا تمھاری یہ خوشبو کیسی اچھی ہے۔ مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ خوشبو کہ صنعت میں کوئی ہم سے سبقت[1] لے جائے گا۔ اے ابن معاویہ! یہ کیا خوشبو ہے؟ (یزید نے کہا) اے ابوعبداللہ[2] یہ خوشبو ہمارے لیے شام میں بنائی جاتی ہے۔ پھر انھوں نے ایک پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالہ منگا کر چھوکرے سے کہا کہ یہ ابوعبداللہ کو پلاؤ۔ اس پر (حضرت حسینؓ نے) کہا کہ اے شخص یہ شراب اپنی تم اپنے لیے ہی رہنے دو میری نظریں تم پر نہیں (گویا میں منہ پھیر لیتا ہوں تم پی جاؤ) پھر انھوں نے پی لی۔''

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؒ مے نوشی کر رہے تھے۔ اس کے لیے ''شراب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق مسکّر اور غیر مسکّر دونوں پر ہوتا ہے پھر یہ تو خوشبودار شراب تھی بمعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں کل مائع یشرب یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے وہ شراب ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

"يَخرُجُ مِن بُطُونِهَاشَرَابٌ مُختَلِفٌ أَلوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ" [3]

''وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یعنی شہد۔''

اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کے لیے آیا، مثلاً:

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنهُ" [4]

'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شراب لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی

---

(۱) حضرت حسینؓ کے دادا ابو طالب بن عبدالمطلب خوشبوؤں اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ اشیا اپنے ہاں تیار کراتے تھے۔ یہ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

(۲) حضرت حسینؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

(۳) النحل: ۶۹

(۴) صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، ح: ۵۶۲۰

شربت نوش فرمایا۔"

اسی طرح دیگر کتب احادیث موطا (ج۲، ص ۱۶۱) و ترمذی (ص ۹۱) میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکّر و غیر مسکّر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے تو آپ نے فرمایا میں نے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا۔ شراب شام (مثلث) میں نشہ (سکّر) نہیں اس لیے حلال ہے (موطا امام مالک)۔ آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسرؓ میں اس کی مزید تصریح ہے۔

"مَا رُوِيَ عَن سَيِّدِنَا عُمَرَ أَنَّهُ كَتَبَ الَی عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ : اِنِّي أُتِيت بِشَرَابٍ مِن الشَّامِ طُبِخَ ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ يَبقَى حَلَالُهُ وَيَذهَبُ حَرَامُهُ وَرِيحُ جُنُونِهِ فَمُر مَن قِبلَكَ فَلیَتَوَسَّعُوا مِن أَشرِبَتِهِم" (۱)

"حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے پاس ملک شام سے شراب آئی ہے وہ پکائی گئی یہاں تک کہ اس کا دوتہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا۔ حلال باقی رہ جائے گا نشہ کرنے والی اُڑ جائے گی۔ پس تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کر سکتے ہیں (یعنی استعمال کر سکتے ہیں)۔"

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؒ بھی خوشبوئیں شامل کر کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سُنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"إحلَالَ المُثَلَّثِ مِن شَرَائِطِ مَذهَبِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ، وَأَن لَا يَحرُمَ نَبِيذَ الخَمرِ، لِمَا أَنَّ فِي القَولِ بِتَحرِيمِهِ تَفسِيقَ كِبَارِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَی

(۱) ص ۱۱۵، ج ۵، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

عَنهُم، وَالکَفُّ عَن تَفسِیقِهِم، وَالاِمسَاكُ عَنِ الطَّعنِ فِیهِم مِن شَرَائِطِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ. (۱)

''مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت و الجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔ اور نبیذ کو حرام نہ سمجھنا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق نہ کرنا اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سنت و الجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔''

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سنت و الجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں کی ہو سکتی، اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا تو امیر المومنین یزیدؒ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے۔ محض سیاسی مخالفت کے پروپیگنڈے کی بنا پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے۔ عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی:

''حُرِّمَتِ الخَمرُ بِعَینِهَا، وَالسَکرُ مِن کُلِّ شَرَابٍ'' (۲)

''یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی۔'' لا عبرة التسمية

مشروبات میں کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا۔ اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اُسی خوشبودار شربت مثلث (شراب شام) کے لیے ہے اور وہ ایسا خوشبودار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی اہل عراق کو نبیذ

---

(۱) ص ۱۱۶، ج ۵، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

(۲) کتاب الاشربہ، سنن النسائی، ح: ۵۶۸۴

مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ و تابعین استعمال کرتے تھے۔ اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابو حنیفہؒ نے شرائط اہل سُنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے شربت کو سراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شراب شام کی جب یہی نوعیت ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام ایں چہ بوالعجبی است۔

وجد و منع بادہ اے زاہد تو کافر نعمتی است
دشمن مے بودن و ہمرنگ مستان زیستن

عجیب عجیب لغو قصے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کے لیے تراشی گئیں جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے شرالقرون میں بھی اُم الخبائث کے اعلانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے ممتاز تابعی پر جس نے ید وشعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل کی ہو اور جو فریضہ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت سے دمشق سے ارض مقدس حجاز پہنچا ہو، یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے دو ممتاز ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالہ عقد میں ہوں بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو تشریف لائے۔ حضرت حسینؓ نے شراب کی خوشبو کی تعریف کی تو دو قدحے منگوائے ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی، انتہائی لغو بیانی ہے۔ پہلی بات تو اس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ یہ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے خورد تھے۔ سن وصال میں بھی اور رشتے و قرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت حسینؓ کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقاق اور پرہیزگاری میں شان امتیاز رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہو سکتی تھی۔ چہ جائیکہ بادہ مے سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں خاموش رہتے۔ وہ تو اپنے اس عزیز کی

وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہو جاتا۔

اس لغو حکایت کے وضع کرنے والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ یعنی حضرت حسینؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے عليك شرابك أيها المرء ' لا عين عليك منّي (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار ہم تجھے نہیں دیکھ رہے بالفاظ دیگر ہم نظر بچائے لیتے ہیں تُو نوش کر جا)۔ کس درجہ مہمل قصہ تراشہ ہے اگر کچھ بھی اصلیت اس حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی خوشبودار شربت سے شراب شام کہلاتی تھی، تواضع کی گئی ہوگی۔ اس کی خوشبو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے تعریف بھی کی تھی۔ لیکن ''قدحِ آخر'' کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور چیز کے پینے سے پرہیز کرنا نہ تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہوگی۔

یہ عارضہ حضرت حسینؓ کو اپنے والد محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کر گیا تھا اور اسی لیے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زبان اور آلات تکلم متاثر تھے۔ ابن جریر طبری نے فرزدق شاعر کا یہ اسی کے بیٹے لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ:

> ''جب میں نے حضرت حسینؓ سے حدودِ حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسک حج اور دعائیں معلوم کیں اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا۔''

فرزدق کے الفاظ ہیں:

> "واذا هُوَ ثقيل اللسان من برسام اصابه بِالعِرَاقِ"(۱)

> ''یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام) میں آپ کو عارض ہو گیا تھا،

(۱) ص/۲۱۸، ج/۶، طبری

ثقیل اللسان تھے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہو جاتے ہیں، آپ محفوظ رہے۔(۱) زبان موٹی پڑ جانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے۔

"فَلَقِيتُ حُسَيناً، فَرَأَيتُهُ أَسوَدَ الرَّأْسِ وَاللِّحيَةِ، فَقُلتُ لَهُ: السَّلَامُ عَلَيكَ أَبَا عَبدِاللّٰهِ. فَقَالَ: وَعَلَيكَ السَّلَامُ. وَكَانَت فِيهِ غُنَّةٌ" (۲)

"اور میں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ دیکھے پھر میں نے اُن سے کہا: السلام علیک یا ابوعبداللہ، اُنھوں نے فرمایا: وعلیک السلام۔ اور وہ ناک میں بولتے تھے۔"

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کہ آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے تکلم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے پوتے

---

(۱) مرض برسام کے بارے میں عہد مامون کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں:
"البرسام وهی ورم يتحدث فی الحجاب و يتبع ذلك اختلاطا لذهن لما قيادی عنه الضروا لی الدماغ بالمشاركة۔" (ص ۳۵۷، کامل الصناعۃ الطبیہ، مطبوعہ مصر) یعنی حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں۔ اس ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالمشارکت صدمہ پہنچتا ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہو جاتا ہے یعنی مریض خبط الحواس ہو جاتا ہے۔
"بر" صدر و سینہ کو کہتے ہیں (ص ۴۵، العرب للجوالیقی)۔ برسام اور سرسام دو جداگانہ مرض ہیں۔ برسام کو "الموم" بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب)۔ شعاء الغلیل للخفاجی (ص ۳۱۴ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی مرض کہا ہے مگر سرسام سے سر متاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہو جاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلات تکلم پر پڑتا ہے۔)

(۲) ص ۱۶۹، ج ۸، البدایہ والنہایہ

(جناب زید بن علی بن حسین) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

"فَحَدَّثتُ بِهِ زَيدَ بنَ عَلِيٍّ فَأَعجَبَهُ وَكَانَت فِيهِ غُنَّةٌ. قَالَ سُفيَانُ بنُ عُيَينَةَ: وَهِيَ فِي الحُسَينِيِّينِ"(۱)

"(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسین سے وہ بات بیان کی جو اُنھیں بڑی اچھی لگی۔ وہ بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ حسینیوں میں یہ چیز پائی جاتی تھی۔"

اگر یہ واقعہ یہی ہے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض کی وجہ سے جس سے آلات "تکلم" متاثر تھے، حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا قدح آخر نوش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالات مرض میں پرہیز ہی کرنا چاہیے تھا۔ مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس "قدح آخر" کو "قدح مے" سے تعبیر کرکے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کردیا۔ امیر یزیدؒ کو اگر بادہ پرست و مے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال تک متواتر امیر یزیدؒ امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اُن کی اقتدا میں مناسک حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا۔(۲) جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے۔ اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک "بادہ پرست" کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کے لیے اپنے آپ کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائل ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا گفتگوؤں میں اظہار بھی فرماتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار و مے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ

---

(۱) ص/۱۶۹، ج/۸، البدایہ والنہایہ

(۲) حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۲۵ حج کیے جن میں سے متعدد پاپیادہ کیے۔ (کتاب نسب قریش ص/۲۵)

بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر اور شجیع شخصیت کو اظہار حقیقت سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق و فاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شرب خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں، سُنی سُنائی باتوں سے۔ بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی اس کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

"ثم بسط ابن الزُّبَيرِ لسانه فِي يزيد بن مُعَاوِيَة وتنقصه وقال: لقد بلغني أنه يصبح سكران ويمسي كذلك"[1]

''ابن زبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔''

یا انھوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو تھا لوگوں سے سُن سُنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی۔ حضرت ابن الزبیرؓ پر اُن کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کا تہیہ کیا۔حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

"يا اميرالمؤمنين ان ابن الزبير رجل ابى لجوج فدعى على امره"[2]

''اے امیر المومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں اُنھیں اُن ہی کے حال پر چھوڑ دیجیے۔''

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا۔اپنی قسم پوری کرانے کے لیے اُن کو گرفتار کرانا چاہا۔ چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاۃ الاشعری بھی تھے۔ اُن سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہیثم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے۔عضاۃ کو

---

(۱) ص ۲۱/، ج ۴/، انساب الاشراف (۲) ص ۲۰/، ج ۴/، انساب الاشراف

دوسری جگہ عضام بھی لکھا ہے۔

"قَالَ ابن الزُّبَیرِ لابن عضاہ: انّما انا حمام هذا المسجد' أفكنتم قاتلي حمامةٍ من حمام المسجد؟"

''ابن زبیرؓ: میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوتران حرم سے بھی لڑائی کرو گے؟''

ابن عضاہ نے یہ الفاظ اُن کے منہ سے سُن کر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اُٹھالاؤ۔ جب تیر کمان آ گیا ابن عضاہ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا:

"يا حمامة أيشرب يزيد الخمر؟ قولي نعم' فواللّٰه لئن قلت لأقتلنك"

''اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں؟ تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔''

پھر کہا:

"يا حمامة أتخلعين أمير المؤمنين يزيد وتفارقين الجماعة و تقيمين بالحرم ليستحل بك؟

فَقَالَ ابنُ الزُّبیرِ: ويحك يا ابن عضاه أو يتكلم الطير ؟

قَالَ: لا ولكنك أنت تتكلم' وأنا أقسم باللّٰه لتبايعن طائعًا أو كارهًا أو لتقتلن' ولئن أمرنا بقتالك ثم دخلت الكعبة لندمنّها أو لنحرقنّها عليك أو كما قَالَ'

فَقَالَ ابنُ الزُّبَیرِ: أو تحل الحرم والبيت؟

قَالَ: انما يحله من ألحد فيه" (۱)

''اے کبوتر! کیا تُو امیر المؤمنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت

---

(۱) ص ۲۱، ج ۴، انساب الاشراف

(مسلمین) سے علیحدگی اختیار کرلے گا اور حرم کعبہ میں مقیم ہوگا تاکہ یہاں (پناہ گزین ہونا) تجھے حلال ہو جائے؟

اس پر ابن زبیرؓ نے کہا: اے ابن عضاہ یہ کیا کہہ رہے ہو کیا پرند بھی بات چیت کر سکتے ہیں؟

(ابن عضاہ نے) کہا: پرند تو بات نہیں کر سکتے مگر تم تو بول سکتے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضامندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے اور اگر تم خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمھیں وہیں سے پکڑیں گے چاہے اس میں ہمیں انہدام واحراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

ابن زبیرؓ نے کہا: کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال و جائز کرو گے؟

(ابن عضاہ نے) کہا: یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھ کر خلاف ورزی (احکام شریعت) کا مرتکب ہوگا۔''

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ کہہ نہ سکے۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لیے فوجی دستہ بھیجا ہے اس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں۔ ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کرکے کہا تھا کیا تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو یا اُس ہوشمند کی جو (بغاوت فرو کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے۔ آخری شعر تھا:

واعجباً من ملحدٍ واعجباً مخادعٍ فی الدین یقفوا بالفری

''افسوس اُس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر افسوس جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے''

مخادع فی الدین سے سیاسی اغراض کے لیے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر بغاوت و فتنہ پیدا کرنے کا پروپیگنڈہ مراد ہے اور "یقفوا بالفری" سے شراب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب اشارہ ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر ''ملحد'' کہا۔ اور ابن عضاہ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر سیاسی نظام درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں ''الحد فیہ'' کہا تھا۔

غرضیکہ یہ باتیں تو اُن کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گزرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی مکذوبہ لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دوزخی جنتی کی گود میں جارہا ہے۔ حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ ﷺ کی وفات کے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی۔ جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بہ عہد وضع ہوکر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے۔

ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے تجاوز کرکے ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط کرہ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں اور لکھا ہے کہ بی بی حوّا کی تلاش میں تمام کرہ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گزر ہوا تو یکایک ان پر ''اندوہ بزرگ'' طاری ہوگیا، سینہ میں تنگی محسوس ہوئی، پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی ''وخون از پائے ادبر دمید'' (ص۱۱۲، ج۲) یعنی اُن کے پیروں سے خون جاری ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ساری دُنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی، کیا خطا مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا۔ جواب میں یہ وحی آئی:

''یادم ما حدث منك ذنب ولکن یقتل فی هذه الارض ولدك الحسین

ظلماً فسال دمك موافقة لدمه" (۱)

"اے آدم گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن اس زمین پر تمھاری اولاد میں
سے حسین قتل ہوگا اس لیے یہ تمھارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہہ گیا
ہے۔"

حضرت آدم علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ قاتل حسین کون ہوگا "خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا و زمینہا است" چنانچہ جبرائیل کے مشورہ سے اُنھوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا اُس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی و پیغمبر کو جن کے نام اُنھیں یاد تھے کربلا پہنچا کر اُن کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگوئیں درج کی ہیں اُن میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے۔ زہیر بن القین کے تو یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ:

"اے لوگو! حسین کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے
دو۔"

کیا ایک بادہ پرست کے پاس جا رہے تھے اور وہ بھی بیعت کرنے کو۔

بقول محقق دے خوئے حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجاً افسانے کی شکل اختیار کر لی۔ وضعی روایتوں اور مسلسل پروپیگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں، مناقب کی جھوٹی حدیثوں سے واقعات تاریخ مسخ صورت پیش کیے گئے۔ حقیقت تعصّبات کے پردوں میں روپوش ہوگئی اور ایسی فضا پیدا کر دی گئی کہ سبّ و شتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ:

انھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہ مے نوش و فاسق اور ستم گر تھا

---

(۱) ص/۱۱۲، ج/۶

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ:

جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضا تھے۔ قد بلند و بالا، جسم مضبوط، رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ (۱)

"ویقال کان ابیض و کان حسن اللحیة خفیفھا"(۲)

''یہ بھی کہتے ہیں کہ یزید سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت ڈاڑھی تھی۔''

وفات:

بروایت اصح ۱۴؍ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پُرفضا مقام ہے وفات پائی۔ ان کے فرزند اور ولی عہد معاویہ بن یزید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہردلعزیز امیرالمومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں اُن کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وقال الواقدي: دفن يزيد بدمشق فِي مقبرة الباب الصغير ومات بحوارين فحمل على أيدي الرجال اليها ' وفيها دفن أبوه مُعَاوِيَة" (۳)

''واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ انتقال اُن کا حوارین میں ہوا وہاں سے جنازے کو لوگ اپنے ہاتھوں سے دمشق لائے اور اُن کے والد معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔''

---

(۱) ص ر۳، ج ر۴، انساب الاشراف (۲) ص ر۳، ایضاً

(۳) ص ر۶۰، ج ر۴، انساب الاشراف بلاذری

سیدنا معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دشمنی نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

یا ایھا القبر بحوارینا ضممت خیر الناس اجمعینا

''اے قبر جو حوارین میں ہے سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے''

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے:

یا ایھا المیت بحوارینا اصبحت خیر الناس اجمعینا

''اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا''

امیر المومنین یزیدؒ نے بیالیس برس کی عمر پائی۔ تقریباً یہی عمر اُن کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبدالملکؒ کی ہوئی۔ مُدت خلافت تین برس نو مہینے تھی اور تقریباً یہی مُدت خلافت اُن کے ہم نام نواسے یزید بن عبدالملکؒ کی بھی ہوئی۔

ازواج و اولاد:

امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولیٰ والدہ معاویہ ثانی کلبیہ خاتون تھیں۔ اُن کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو باوقات مختلف حبالہ عقد میں لائے۔

(۱) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس، نام فاختہ تھا اور لقب حبّہ۔

(۲) اُم کلثوم بنت عبداللہ بن عامر اُمویہ

(۳) اُم محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ

(۴) اُم مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق

اولاد میں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں۔

بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبدالملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ اُن سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبدالملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی۔ قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت اُن ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام اُن کے محرم تھے یعنی:

(۱) اُن کے دادا حضرت معاویہؓ

(۲) اُن کے والد امیر یزیدؒ

(۳) اُن کے بھائی معاویہ ثانیؒ

(۴) اُن کے خُسر مروان بن الحکمؒ

(۵) اُن کے شوہر عبدالملکؒ

(۶) اُن کے فرزند یزید بن عبدالملکؒ

(۷) الولید

(۸) سلیمان

(۹) ہشام، اُن کے پوتے

(۱۰) ولید بن یزید

اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبدالملک کے دو بیٹے

(۱۱) یزید بن ولید بن عبدالملک

(۱۲) ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی اُم یزید کی شادی الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی جو امیر عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے۔ تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں۔ اُن کے فوت ہوجانے پر چوتھی بیٹی اُم عبدالرحمٰن بھی اُن ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیر المومنین یزیدؒ کی اُم محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی اُم عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھیں۔

امیر المومنین یزید کے تیرہ بیٹوں میں:

(۱) معاویہ ثانیؒ سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے۔

(۲) خالد

(۳) عبداللہ الاکبر

(۴) ابوسفیان

(۵) محمد

(۶) ابوبکر

(۷) عبداللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا۔

(۸) عمر

(۹) عثمان

(۱۰) عبدالرحمٰن

(۱۱) عتبہ

(۱۲) یزید

(۱۳) عبداللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔

امیر المؤمنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانی اپنے والد کے فرزند اکبر تھے۔ اُن کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں۔ ۴۲ھ میں ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔ بلاذری کہتے ہیں کہ:

"فلما مات يزيد بايع الناس مُعَاوِيَة وأتته بيعة الآفاق الا ما كان من ابن الزُّبَيرِ، فولي ثلاثة أشهر، ويقال أربعين يوماً، ويقال عشرين يوماً"(۱)

''جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ (ثانی) سے بیعت کی سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی، تین مہینے خلیفہ رہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چالیس یوم اور یہ بھی کہ بیس یوم۔''

معاویہ ثانی بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم وکریم تھے۔ خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سُرخ وسفید تھا۔ کان شاباً صالحاً (وہ جوان صالح تھے)۔(۲) حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اُن کے استاد عمر المخصوص تابعی عقیدتاً قدریہ تھے۔ اُستاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی۔ بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق وحجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرف داروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت

---

(۱) ص/۶۲، انساب الاشراف (۲) تاریخ الاسلام ذہبی، ج/۲، ص/۱۸۲

ضحاکؒ بھی اُن ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانی نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی۔ اپنے اُستاد سے مشورہ کیا اُنھوں نے کہا اگر معدلت کے ساتھ سیاسی حالات کو درست کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہو تو خلافت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اعیان حکومت، سردارانِ قبائل اور علما و فضلا کا بڑا جلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کیے تھے اور ان کے مخالفوں سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانی اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ اُن کی اس تقریر کے بعض جملے مؤرخین نے نقل بھی کیے ہیں۔ یہ فقرات اُن سے منسوب ہیں:

"ان كانت الخلافة خيرًا فقد استكثر آل أبي سُفيَان منه' وان كان شرًا فلا حاجة لنا فيه' فاختاروا لأنفسكم امامًا تبايعونه هو أحرص على هذا الأمر مني وأخلعوني فأنتم فِي حل من بيعتي" (۱)

''خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابو سفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے۔ اگر بُری چیز ہے تو ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ پس آپ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں اور ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہش مند ہو اور آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں۔''

اور پھر حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے اُن کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کرکے مشہور کیے ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا کی برائیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کے لیے اُنھوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا جو اُن کے باپ دادا کی پالیسی

---

(۱) ص/۶۵، انساب الاشراف بلاذری

کے طرف دار اور اُن کے کارگزار عمال رہے تھے۔ مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ حجازی بلوائی، بدگوئی کرتے بھی کس کے سامنے کس کے مواجہہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کے لیے بھی کسی نے چالیس دن بیان کیے ہیں کسی نے بیس دن۔ لیکن تحقیق سے یہ مدت تین ماہ سے لے کر چھ ماہ ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی ہیضے میں فوت ہوئے۔ اُن کے چھوٹے بھائی علامہ خالد بن یزید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں۔ اپنے باپ دادا کی طرح اُن کی کنیت عبدالرحمٰن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابولیلیٰ کہتے تھے۔

علامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

﴿مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنس دان اور بابائے کیمیا﴾

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علما و فضلا کی اچھی جماعت تھی لیکن خود بیت معاویہؓ ''بیت الخلافہ'' کے ساتھ ''بیت الحکمہ'' بھی بن گیا تھا۔ اُن ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث وتفسیر ولسانیات کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبیعیہ، فنون، طب اور کیمیا سے اُن کو خاص شغف تھا۔

صاحب ضاجۃ الطرب فی تقدمات العرب نیز ابن خلکان (ص/۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''کان اول من اشتهرفي الطب بين الاسلام خالد بن يزيد بن معاوية الاموی کان اعلم القريش بفنون العلم وله کلام فی صنعة الکيمياء والطب ورسائله فيهما دالة علی معرفته وبراعته'' (۱)

''زمانہ اسلام میں سب سے پہلے علم طب میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید بن معاویہ اُموی تھا جو قوم قریش میں فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب کے رموز اُس نے بیان کیے ہیں اور اس پر جو رسائل ہیں اُن سے اُس کی معرفت

---

(۱) مطبوعۃ بیروت، ص/۴۳۵

علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے۔''

البیرونی نے علامہ خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم بتایا ہے[1]۔ زمانہ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ہتی لکھتے ہیں کہ:

''علم طب سے فن کیمیا کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتسابات علمیہ میں سے ہے جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنسدان اور فلاسفر (حکیم) بتایا گیا ہے۔''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی یہی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے:

"لا خلاف في ان العرب هم الذين اسسوا الكيمياء الحديثة بتجاربهم و استحضراتهم"[2]

''اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے موجودہ فن کیمیا کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی۔''

جملہ مؤرخین و محققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کدوکاوش سے کیمیا کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حددرجہ انہاک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی خالد بن یزید کے اس شغف و انہاک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"خالد بن يزيد بن معاوية بن أبي سفيان . وكان من رجالات قريش سخاء وعارضة وفصاحة' وكان قد شغل نفسه بطلب الكيمياء فأفنى بذلك عمره' وأسقط نفسه۔"[3]

---

(۱) آثار الباقیہ البیرونی، ص ۳۰۲ (۲) تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳، ص ۱۸۴

(۳) کتاب الاغانی، ج ۱۰، ص ۸۴

''خالد بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان۔ سخاوت و قابلیت وفصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں انھوں نے اپنی ذات کومصروف رکھااور اپنی عمر اس میں صرف کرڈالی اور اپنے کوفنا کردیا۔''

زمانہ حال کے ایک اور شیعی مؤرخ جسٹس امیر علی خالد بن یزید کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطۂ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم وفضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت وفضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''بنی اُمیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو علوم طبیعیہ اور علم و ادب میں اپنے اکتسابات علمیہ کے لیے نامور ہے۔ خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھا، ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔''

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استادفن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُن کے ایک رسالہ میں ان امور اور رموز کا بیان بھی ہے۔ سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے شاعر بھی تھے۔

"وله فيها ثلاث رسائل تضمنت احدا من ما جرى له مع موريانس المذكور وصورة ما تعلمه منه و الرموز التى اشار اليها وله فى ذلك اشعار كثيرة"(۱)

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب و کیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان ومصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہوسکیں اُن کو حاصل کیا۔ ان کے تراجم عربی زبان میں کرائے اور اس کے لیے دمشق اور مصر میں دارالتراجم قائم کیے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی مسٹر براؤن نے ۲۰-۱۹۱۹ء میں ''طب عربی'' پر جو لیکچر کالج

---

(۱) صناجتہ الطرب فی تقدمات الطرب، ص/۲۳۵

آف فزیشنز میں دیئے تھے وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے لیکچر میں Early Story of Alchemy کے عنوان کے تحت کہتے ہیں کہ:

''یونانیوں کے علم وحکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اُموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ کے دل میں جو علم کیمیا سے خاص شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی۔ فہرست ابن الندیم کے بیان کے مطابق جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی و مصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ان کو مقرر کیا۔ یہ ترجمے تھے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کیے گئے تھے۔ ان مترجموں میں سے سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق کے دارالترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔''

"و استفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد مشار الیه وقد ترجم له عدة مصنفات من الرومی الی العربی"(۱)

''خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اُس نے متعدد تصانیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔''

پروفیسر آر۔اے نکلسن (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۵ء) نے اپنی مشہور کتاب A Literary History of Arabs میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مؤلف کلیمنٹ ہوار نے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے

(۱) صناجتہ الطرب فی تقدمات العرب، ص/۴۲۹

پہلے شخص جنھوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا اس کے تجربات کیے اور اس فن میں کتابیں لکھیں، خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوار نے ایک دوسرے موقع (ص/۳۱۳) پر لکھا ہے کہ ازمنہ متوسط کا مشہور ماہرفن کیمیا جابر بن حیان غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جعفر الصادقؒ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادقؒ کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزید کی مساعی علمیہ سے کرنا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ عالم اسلام میں اُنھی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی اور اس میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جاحظ ''البیان والتبین'' میں فرماتے ہیں کہ:

''کان خالد بن یزید بن معاویة خطیباً شاعرًا وفصیحاً جامعاً وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا'' (۱)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہوسکتی ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آ کر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب وقرابادین میں اشیا کے اجزا و خواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر و ادیب بھی۔ کیمیا کی دھن میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیا کے تجربات کے بارے میں غور وخوص کرتے رہتے تھے۔ (۲)

---

(۱) ج/۱، ص/۲۱۲

(۲) انساب الاشراف بلاذری، قسم ثانی، جز/۴، ص/۶۶، مطبوعہ بیروت

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیاوی کارخانہ ''لیبارٹری'' میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسر پیکار رہنا پڑا تھا۔ اور ''آتش یونان'' سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں، بڑے نقصانات اُٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیاوی مرکب تھا جس کی ایک پچکاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھی۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے اس کو ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے جو بنی اُمیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہنچا تھا۔ خالد کی لیبارٹری میں حل وعقد سے اس کا نسخہ معلوم کرلیا گیا اس کا جزو اعظم روغن نفت تھا لہٰذا عربی میں اس کو نفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اُڑتا اژدھا کہتے تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کرسکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہنچ کر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر تضرع و زاری سے کہتا کہ: ''اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو اس بلا سے بچالے۔''(۱)

علامہ خالد نے علم کیمیا پر جو تصانیف کی ہیں اُن میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنھیں ''رموز'' سے تعبیر کیا گیا ہے بیان کیا ہے۔ اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیا کے ''رموز'' لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

" باخراج كتب القدماء في الصنعة خالد بن يزيدبن معاوية وكان خطيبا شاعرا فصيحا حازما ذا رأي وهو أول من ترجم له كتب الطب والنجوم وكتب الكيمياء ورأيت من كتبه كتاب الحرارات كتاب

(۱) تمدن عرب، ص/۴۲۹

الصحيفة الكبير كتاب الصحيفة الصغير كتاب وصيته الى ابنه في الصنعة" (۱)

''خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدماء کی کتابوں کے حصول میں بڑی دردسری اُٹھائی۔ وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوشمند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے طب و نجوم و کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارات و کتاب صحیفہ کبیر و صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز وصیت کیے ہیں۔''

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں۔ معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں اُن کی اور کیا تالیفات ہوں گی جو ضائع ہوگئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک لیکچر میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کیمیا کے علاوہ دیگر علوم فلسفہ و طب وغیرہ پر بھی خالد نے قدما یونان و مصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔ پروفیسر ہتی اور براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف ان کے جورجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی (ج۳/، ص۱۸۴/) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادق نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد و مؤسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا اور اس کے لیے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو، اُن کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اور اُن کے اخلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے۔ کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔ مصعب بن زبیر کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔

حضرت زبیرؓ کی پوتی سے نکاح اُسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اُس نے

(۱) فہرست ابن ندیم، ص/۳۵۴

رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:

"قل له ما كنت أراك تخطب الى آل الزبير حتى تشاورني ' ولا كنت أراك تخطب اليهم وليسوا لك بأكفاء وقد قاتلوا أباك على الخلافة ورموه بكل قبيح "

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے۔ وہ خاندان تو آپ کا کفوو ہمسر بھی نہیں۔ ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور بُرے بُرے الزام لگائے تھے۔''

جس وقت علامہ خالد نے یہ رقعہ پڑھا تو بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا:

"لو كانت الرسل تعاقب لقطعتك آرابًا ثم ألقيتك على باب صاحبك"

'' اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو تمھارے ٹکڑے کرکے حجاج کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔''

پھر کہا کہ: جاؤ اس کو جواب دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے آپ کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے خاندان قریش میں بغیر تمھارے مشورہ کے میں رشتہ بھی نہ کروں۔ کیا وہ یہ بات نہیں جانتا ہے زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے اُم الحجاج کے بیٹے تیرا بُرا ہو کیا تُو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبد المطلب سے۔ آل ابو سفیان اور بنو اُمیہ کے تو یہ آل زبیر ہمسر ہیں اور ہم کفو بھی۔ آخر میں فرمایا تھا۔

"وأما قولك: قاتلوا أباك على الخلافة ورموه بكل قبيح' فهي قريش تقارع بعضها بعضًا حتى اذا أقرّ اللّٰه الأمر مقره عادت الى أحلامها وفضلها" (۱)

---

(۱) ص/۶۷

''اور تمھارا یہ کہنا کہ (آل زبیر نے) تمھارے والد سے خلافت پر جنگ کی اُن پر قبیح الزام لگائے۔ سُنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ و جدل کر بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنی خاندانی نجابت و شرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔ (شتر کینہ نہیں رکھتے)''

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبداللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے جو بنو کلب کی نواسی تھیں، نکاح کیا۔ انھی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی بلاذری نے لکھے ہیں:

أحب بني العوام طرًا لحبها ومن حبها أحببت أخوالها كلبا

''میں ان کی محبت میں بنو العوام (زبیریوں سے) محبت کرتا ہوں اور انھی کی محبت کی بنا پر ان کی ننھیال بنو کلب سے''

ولا تكثروا فيها الضجاج فانني تنخلتها عمدًا زبيرية قلبا

''مجھ سے ان کے بارے میں زیادہ تکرار مت کرو میں نے قصداً انھیں منتخب کیا ہے کہ ان کا دل زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے''

امیر المومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے بھی ان اکاذیب کی تردید ہو جاتی ہے جو کعبہ کی بے حرمتی اور اہل مکہ پر مظالم کی تراشی گئی ہیں۔ زبیری خاندان کے علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے یہاں کیا تھا۔ اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں بلاذری نے ان کے یہ اشعار لکھے ہیں:

منافيه جادت بخالص ودها لعبد منافي اغر مشهر

''بنو عبد مناف کی اس ذی مرتبہ خاتون نے عبد مناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خالص محبت سے نوازا ہے''

مطهرة بين النبى محمدٍ وبين الشهيد ذى الجناهين جعفر

''وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف محمد جیسے رسول ہیں اور دوسری طرف جعفر ذوالجناحین جیسے شہید''

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے:

مقابلة بين النبی محمد وبين علی ذی الفخار و جعفر

''ان کے ایک طرف محمد جیسے نبی ہیں اور دوسری طرف علی و جعفر جیسے قابل فخر بزرگ''

ہاشمی خاندان میں فرزند امیر المومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ و خاندان علیؓ میں کوئی خاندانی و نسلی عناد یا مغایرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی و فنی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔ عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انھوں نے اپنے صرف سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

"وکان خالد علی حمص فبنی مسجدها ، وکان له أربعمائة عبد یعملون فِي المسجد ، فلما فرغوا من بنائه أعتقهم" (۱)

''اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے وہاں اُنھوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی تعمیر میں اُن کے چار سو غلام کام کرتے تھے۔ جب تعمیر سے یہ لوگ فارغ ہو گئے اُن سب کو آزاد کر دیا۔''

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے حبر الامۃ کے غلام شاگرد ابو عبداللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تا کہ اپنے پاس رکھ کر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

"مَاتَ ابنُ عَبَّاسٍ وَعِكرِمَةُ عَبدٌ فَاشتَرَاهُ خَالِدُ بنُ يَزِيدَ بنِ مَعَاوِيَةَ مِن عَلِيّ بنِ عَبدِاللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ بِأَربَعَةِ آلافِ دِينَارٍ" (۲)

(۱) انساب الاشراف بلاذری ص/۶۹ (۲) الطبقات الکبری ابن سعد

''حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہوگئی تو اُس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت میں تھے۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے اُنھیں علی بن عبداللہ بن عباس سے چار ہزار دینار میں خرید لیا۔''

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ جب عکرمہ نے علی بن عبداللہ بن عباس سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کردیا۔ اُنھیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع و شراء کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کردیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح ہفتہ و اتوار کو اہل کتاب کی عیدیں ہیں۔ محدث ابوزرعہ دمشقی کا قول ان کے اور ان کے بھائی معاویہ ثانی کے بارے میں ہے کہ: کان خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش و عطا و جود و سخا میں بڑے دریا دل تھے۔ شعرا نے ان کی مدح میں جو کہا ہے، یہ دو شعر سُنیے:

سَأَلْتُ النَّدَا وَالجُودَ حُرَّانِ أَنتُمَا فَقَالَا جَمِيعًا اِنَّنَا لَعَبِيدُ

''میں نے مہربانی اور سخاوت سے پوچھا کیا تم غلام ہو یا آزاد تو اُن دونوں نے جواب دیا کہ ہم آزاد نہیں غلام ہیں''

فَقُلتُ وَمَن مَولَا كُمَا فَتَطَاوَلَا عَلَيَّ وَقَالَا خَالِدُ بنُ يَزِيدِ

''میں نے اُن سے پوچھا کہ تمھارا آقا اور مالک کون ہے تو اُن دونوں نے میری طرف بڑھ کر کہا ہمارے آقا خالد بن یزید ہیں'' (البدایہ والنہایہ)

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ کسی نے ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے ۹۰ھ۔ ابن کثیر کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں وفات ہوئی۔ واللہ اعلم

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعید، یزید، حرب، عتبہ، ابوسفیان اور عبداللہ۔ آخر الذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علی مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں۔ جن کے

بطن سے ان کے فرزند علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید تھے۔جنھوں نے امیر المومنین عبداللہ المامون عباسی کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کرلیا تھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اوران کی اولاد کا تذکرہ دوسری جلد میں ملاحظہ ہو۔

توضیحات

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلّیہ:

عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لیے دو کلیے وضع کیے گئے ہیں۔ ایک ان سنین کے لیے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہوں۔ دوسرا اُس کے بعد کے سنین کے لیے ہے۔ یہ دونوں کلیے پروفیسر خواجہ دل محمد ایم-اے کی Dil's New Arithmetic میں دیئے گئے ہیں۔ اُردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے۔ پہلا کسی غلطی سے ترک ہوگیا۔ بعض لوگ جو اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے اس کتاب کی تردید پر تُلے ہوئے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے ایک جز پہلے کلیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد "تحقیق مزید" میں یہ دونوں کلیے وضاحت سے پیش کر دیئے گئے ہیں اور بعض ان تاریخوں کے دن جو پہلے سے صحیح طور پر معلوم ہیں۔ اسی کلیہ کی مدد سے نکال کر چند مثالیں بھی درج کر دی ہیں۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

مثال نمبر ا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ و سنہ ولادت عیسوی سنہ کے اعتبار سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے اور یوم ولادت متفقہ طور سے دوشنبہ (پیر) ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ نبوی میں لکھا ہے:

’’تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔‘‘(۱)

کلیہ حساب کی مدد سے ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقہ سے معلوم کرلیا جاتا ہے۔

اس مثال میں: س = ۵۷۰   د = (دن) جنوری ۳۱

ل = ۱۴۲   فروری ۲۸

د = ۱۱۰   مارچ ۳۱

مجموعہ = ۸۲۲   اپریل ۲۰

مجموعہ = ۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۷ / ۸۲۲

```
    ۱ ۱ ۷
۷ ) ۸ ۲ ۲
    ۷
    ---
    ۱ ۲
    ۷
    ---
    ۵ ۲
    ۴ ۹
    ---
    ۳ باقی
```

یعنی س = اس سال سے ایک سال پہلے کا سنہ

ل = لوند کے سالوں کی تعداد جو اس سنہ تک ہو

د = جنوری سے اس تاریخ تک کے دن

مجموعہ کو سات (۷) پر تقسیم کرنے سے تین (۳) باقی بچتا ہے۔ کلیہ کے مطابق باقی عدد کو شنبہ (سنیچر) سے شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ سنیچر سے تین (۳) دن آگے شمار کرنے سے مطلوبہ دن دوشنبہ (پیر) آتا ہے۔ اور یہی دن آپ کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

اسی ایک مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح و

---

(۱) سیرۃ نبوی، جلد/۱، ص/۱۷۱

کارآمد ہے۔ حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۰ ر محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰/۱ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ تھا۔ چنانچہ اسی کلیہ سے یہ دن معلوم کر لیا گیا ہے۔ جو پچھلے اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دسویں محرم ۶۱ھ کو چونکہ جمعہ نہ تھا جیسا افسانوی طرز کی موضوع روایتوں میں بیان ہوا ہے بلکہ چہار شنبہ تھا۔ شیعہ مؤرخین کو یہ دشواری پیش آئی کہ چہار شنبہ (بدھ) کو جمعہ کیسے ثابت کریں۔ ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤرخ کو یہ تدبیر سوجھی کہ سانحہ کربلا ہی کو ایک سال پہلے قرار دے لیا جائے اور اس غرض سے حضرت معاویہؓ کی وفات بھی ایک سال قبل کی بتائی جائے۔ چنانچہ تعین سال وفات معاویہؓ ''سال شہادت سید الشہدا'' کے ذیلی عنوان سے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو نہ جمعہ تھا نہ شنبہ اور نہ دو شنبہ بلکہ اس سے ایک سال پہلے ۶۰ھ میں دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے۔ اس لیے:

''وفات معاویہ را در سال پنجاہ و نہم ہجری رقم کنم و قتل سید الشہداء در سال شصتم ہجری بعد از ظہر جمعہ عاشورا دانیم۔''(۱)

بالفاظ دیگر قتل حسینؓ کا دن جمعہ بتانے کے لیے معاویہؓ کی وفات بھی جو متفقہ طور سے ۶۰ھ میں ہوئی تھی اس سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں قرار دے لی جائے اور حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ جو ۶۱ھ کی دسویں محرم چہار شنبہ کے دن پیش آیا تھا اُسے بھی ایک سال پہلے ۶۰ھ کی دسویں محرم کو قرار دیا جائے کیونکہ اسی سال کی دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں کہ:

''در سالے کہ سید الشہداء در عاشورا شہید شد اول ماروز چہار شنبہ برآمد واجب میکند کہ روز عاشورا جمعہ باشد و ایں راست پناید گر در سال ۶۰ھ۔''(۲)

بایں ہمہ یہ شیعہ مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو کون سا دن تھا۔ ایک جماعت تو جمعہ کا دن بتاتی ہے۔ دوسرا گروہ شنبہ کہتا

(۱) ص/۱۵۰، جلد ششم از کتاب دویم (۲) ص/۱۵۰، ایضاً

ہے اور بعض دوشنبہ۔ ایک اور قدیم مؤرخ ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۸۴ھ بھی کہتے ہیں:

"وکانت مقتله لعشر لیل خلون من المحرم ۶۱ھ و اختلفوا فی الیوم السبت وقالوا یوم لاثنین وقالوا یوم الجمعة"

''اور وہ (حسینؓ) دسویں محرم کو مقتول ہوئے اس دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شنبہ تھا بعض دوشنبہ اور بعض جمعہ۔''

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں ایک جگہ (ص/۴۶۴) تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جانسوز دسویں محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا وہ دن یا تو جمعہ تھا یا دوشنبہ۔ مگر دوسرے صفحہ (ص/۴۶۵) پر اپنے ایک امام (جناب جعفر) سے یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نور کو اول ماہ رمضان یوم جمعہ میں پیدا کیا تھا اور ظلمت کو چہار شنبہ عاشورا کے دن اور یہی چہار شنبہ وہ دن تھا جب حسینؓ شہید ہوئے۔

یہی روایت بہ تغیر الفاظ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی درج کی ہے (ص/۴۱۹، جلد ششم از کتاب دوم)۔ ''مجاہد اعظم'' کے شیعہ مؤلف نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے قواعد علم ریاضی سے تفصیلاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد/۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے۔''(۱)

تقویم سنین ہجری وعیسوی اور کلیہ حساب سے ۱۰/ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ آتا ہے نہ جمعہ۔ بظاہر تو یہ بات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ حضرت حسینؓ کا واقعہ جس تاریخ کو پیش آیا وہ دن چہار شنبہ تھا یا جمعہ یا شنبہ دوشنبہ۔ لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے سبائی راویوں نے جس طرح دیومالائی انداز کی روایتیں گھڑ ڈالی ہیں۔ جن کے چند نمونے پچھلے اوراق میں پیش کیے گئے ہیں اسی طرح تاریخوں کے دن بھی اٹکل پچو قرار دے لیے ہیں اس لیے یہاں یہ بحث اُٹھائی گئی۔ مستند تقویم سے ہجری وعیسوی تاریخوں کی مطابقت ہو جائے تو اس کلیہ سے صحیح

---

(۱) مجاہد اعظم، ص/۴۰۲

دن قرار دیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی مندرجہ بالا
مثال سے واضح ہے۔مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ''تحقیق مزید'' کے صفحات۔

مفروضہ صحابیت وموروثی فضیلت

عرض مؤلف'' (طبع سوئم) میں حضرات حسنین کے سنین ولادت کا ذکر ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت حسنؓ کی کم سنی کا یہ واقعہ مذکور ہے۔ نیز مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب نسب قریش (ص/۲۳) اور ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک دن اپنے ابتدائی ایام خلافت میں نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے کہ حسنؓ کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (**والحسن یلعب مع الصبیان**۔ کتاب نسب قریش ص/۲۳) اُن کے چہرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت آتی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرطِ محبت سے گود میں اُٹھا لیا اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وابأبي شبه بالنبي ليس شبيهاً بعلي

''اے وہ جو نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں تجھ پر میرا باپ فدا۔''

یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دن بعد کا ہے۔ (**وذلك بعد وفاة النبي** ﷺ ص/۲۳ ایضاً) اب دیکھیے جب حسنؓ ہی بعد وفات نبی ﷺ اتنے کم سن بچے تھے کہ چونسٹھ پینسٹھ برس کے کمزور جثہ کے بزرگ گود میں اُٹھا کر کاندھے پر چڑھا لیں (**فاحتمله علی رقبته**) تو حسینؓ جو اُن سے سال بھر چھوٹے تھے یقیناً اور بھی کم سن و ناسمجھ بچے ہوں گے مگر اُن کی ولادت کے بارے میں عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ

حسینؓ شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہے (جلاء العیون ص۳۱۳/۳۱۲ مطبوعہ ایران ۱۳۳۴ھ)۔ پھر اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اپنے ایک امام کی سند سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے جسے میری اُمت میرے بعد شہید کر دے گی۔

یہ سُن کر انھوں نے کہا مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی بالآخر جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بیٹا اور اس کے فرزندان پیشوایان دین اور میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے خزانہ ہوں گے، تو وہ راضی ہوگئیں۔ ''پس حاملہ شد بحضرت امام حسین و بعد از شش ماہ آن حضرت متولد شدد۔'' (ص۳۱۲/) اسی کے ساتھ کہتے ہیں ''چھ ماہ کا پیدا شدہ بچہ زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت حسین اور حضرت عیسیٰ کے۔'' شاید اس روایت سے حضرت حسینؓ کی عمر میں چند ماہ کا اضافہ مقصود ہو ورنہ جو جنین شکم مادر میں پورا نشوونما نہ پاسکے اگر بعد وضع حمل وہ زندہ بھی رہے تو قویٰ کی کمزوری تو بہرنوع قائم رہے گی۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی عہد رسالت میں تو حسین طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ روایت پرستی کی سحر کاری ہے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت حسینؓ کی صحابیت اور فضیلت کے ثبوت میں شیعہ ٹکسال کی گھڑی ہوئی اور دو کٹر شیعہ راویوں کی ہی سند سے یہ روایت حضرت عمار بن یاسرؓ کے ترجمہ میں درج کر ڈالی ہے کہ:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات سات نجبا و وزرا و رُفقا عطا ہوئے تھے مجھ کو چودہ عطا ہوئے۔ یعنی حمزہ و جعفر و ابوبکر و عمر و علی و حسن و حسین و عبداللہ بن مسعود و سلمان و عمار و ابوذر و حذیفہ و مقداد و بلال۔''

حضرت عثمانؓ کا نام شیعہ راویوں نے ترک کر دیا۔ راویوں میں ایک تو کثیر بن اسمٰعیل النواہی جس کے متعلق محدث ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا اور دوسروں نے بھی اسے گمراہ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج۲/، ص۳۵۲/)۔ اور دوسرا فطر بن خلیفہ ہے۔ المعارف میں جو فہرست شیعہ راویوں کی امام ابن قتیبہ نے درج کی ہے اس میں اٹھارواں نام اسی فطر کا

ہے (ص/۲۶۰)۔ جامع ترمذی میں بھی ایک شیعہ راوی مسیّب بن نجیہ کوفی سے اسی مضمون کی روایت ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ جب آپ ﷺ سے دریافت کی گیا کہ وہ چودہ نجبا و رُفقا (رقبا) آپ کے کون کون سے ہیں فرمایا: أنا و ابنای یعنی میں اور میرے یہ دونوں بیٹے (یعنی حسن و حسین)۔ پھر وہ سب نام گنائے جن میں حضرت عثمان کا نام شامل نہیں تھا۔ شیعہ راویوں کا آپ ﷺ سے یہ قول منسوب کرنا کہ اپنے نجبا و وزرا و رفقا و رقبا میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی شامل فرمائیں اور ایسے کم سن بچوں کو جو سن تمیز کو بھی نہ پہنچے تھے جس درجہ بے معنی ہے ظاہر ہے۔

یہاں اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس قسم کی سب روایتیں اگر شیعوں اور سبائیوں کی من گھڑت ہیں تو پھر سُنیوں کی کتابوں میں کیوں ہیں؟ مختصر جواب یہ ہے کہ منافقین عجم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کر لینے کے بعد مناقب و مثالب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مراکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پھیلانی شروع کر دیں۔ پھر شہادت عثمانؓ اور اس کے نتیجے میں جنگ جمل و صفین کے واقعات پھر شہادت علیؓ پھر واقعہ کربلا اور فتنہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ سیاسی انتشار پیدا کرنے کے باوجود مسلمانوں کی دینی وحدت کا قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑا تو مناقب و مثالب کی حدیثوں کے علاوہ اختلاف قرأت کی روایتیں، تفسیری روایتیں بنا بنا کر مشہور کرنے لگے۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس فتنہ روایات کا احساس ہوا تو اُنھوں نے ابوبکر بن حزم جو والی مدینہ بھی تھے، حکم دیا کہ صحیح روایتیں و حدیثیں جمع کریں۔ مگر جلد ہی امیر المومنین کی وفات ہوگئی اور ابوبکر بن حزم بھی عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے تو ہر طرف جامعین احادیث کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ائمہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتابیں مدوّن کر لیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ، سُنی، خارجی، معتزلی، قدریہ وغیرہ سب ملے جلے رہتے تھے۔ دینی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہر فرقے کے راویوں سے جو بظاہر حال ثقہ معلوم ہوتے تھے، جامعین احادیث روایتیں لے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح کی کتابوں میں شیعوں کی

روایتوں کا حصہ رسدی بھی کافی موجود ہے۔ یہ سب حدیثیں جو ''اہل البیت'' سے متعلق ہیں نیز فضائل علیؓ و فاطمہؓ وحسن وحسین میں مروی ہیں تمام تر تو نہیں اکثر وبیشتر شیعوں کی ہیں جو حصہ رسدی کی حیثیت سے سُنیوں کی کتابوں میں آ گئی ہیں۔

بعض شیعہ مصنّفین نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تصانیف کیں۔ مثلاً حاکم صاحب المستدرک کہ ان کی کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے شیعیت نمایاں ہے۔ اُس زمانہ میں جسے زمانہ اجمال کہتے ہیں، سُنیت کی نمائش کرنا اُن کے لیے ضروری بھی تھا۔ چنانچہ فضائل ابوبکر و عمروعثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی درج کردی ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن جریر طبری ہیں جن کے مسلکاً شیعہ ہونے کا ذکر پچھلے اوراق میں مجملاً ہو چکا ہے اُن کی تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کو سُنّی اپنی کتابیں سمجھنے لگے اور اُن کی مندرجہ روایتوں وحدیثوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

''عرض مؤلف'' (طبع سوئم) میں ضمناً بیان ہوا ہے کہ سورۃ احزاب کا چوتھا رکوع اول سے آخر تک ازواج مطہرات نبی کریم علیہ وعلیہن الصلوات والتسلیم کی شان پاک میں نازل ہوا ہے جس سے کوئی صاحب عقل و ہوش انکار نہیں کرسکتا۔ اس رکوع کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو''۔ پھر درمیان میں یا نساء النبی (اے نبی کی بیویو!) کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے اور یہ مخاطبت آخر رکوع تک قائم ہے۔ ایک آیت اس رکوع کی یہ ہے:

''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' (۱)

''(اے نبی کی بیویو!) اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اور اگلی جاہلیت والی زینت کی نمائش (غیروں کے آگے) نہ کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا

(۱) الاحزاب: ۳۳

کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے اے اہل خانہ پلیدی دُور کردے اور اچھی طرح تمھیں پاک کردے۔"

اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے ہی مخاطبت ہے اُن کے سوا کسی سے نہیں۔ اور پھر اسی آیت کے بعد بھی اور خود اس آیت میں بھی ان ہی بیویوں سے خطاب ہے۔ اب دیکھیے ابن جریر طبری نے اپنی کتاب "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کے جز ۲۲/ ص/ ۵ میں ایک دونہیں اکٹھی سترہ (۱۷) موضوع احادیث اس ثبوت میں درج کی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ وحسن وحسین رضوان اللہ علیہم کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نزلت ھذہ الآیة فی خمسة فی و فی علی رضی اللّٰہ عنہ و حسن رضی اللّٰہ عنہ و حسین رضی اللّٰہ عنہ و فاطمة رضی اللّٰہ عنہا"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسنؓ کے بارے میں اور حسینؓ کے بارے میں اور فاطمہؓ کے بارے میں۔"

اس وضعی اور قطعاً جھوٹی حدیث کے آئینہ ہی میں علامہ ابن جریر طبری کی شیعیت کا جنھیں سُنیوں نے اپنا امام قرار دے رکھا ہے صاف اور صحیح عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں متعدد سبائی شیعہ شامل ہیں۔ یعنی عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی جو ایک جغادری سبائی محمد بن سائب الکلبی سے روایت کرنا ظاہر کرتا ہے اور خود ہی اس کی کنیت بھی "ابوسعید" گھڑ ڈالتا ہے (میزان الاعتدال ج/۲، ص/۲۰۱ وتہذیب التہذیب)۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ صحابی رسول سے روایت کررہا ہے۔ عطیہ نے تو "ابوسعید" پر اکتفا کیا تھا، الخدری کا اضافہ نہیں کیا تھا مگر علامہ ابن جریر طبری "ابوسعید" کے

ساتھ صراحتاً ''الخذری'' بھی لکھتے ہیں۔اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی شیعی فطرت بھی عطیہ سے کچھ کم نہ تھی۔ان آیات کی تفسیر میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ (اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو) اور درمیان میں يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منسوبہ قول کو اپنی تفسیر میں درج کرنا کی یہ آیت میری ازواج کے بارے میں نہیں بلکہ خود میرے اور علی و فاطمہ وحسن و حسین کے بارے میں ہے پھر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ زبان مبارک سے ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ کہلوانا کیا ابن جریر کے غالی شیعہ ہونے کی واضح دلیل نہیں؟ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تاریخ میں ابومخنف کذاب سبائی رافضی کی موضوعات کی بھرمارس جیسا ذکر ہو چکا شیعی پروپیگنڈے کی تشہیر کی ہے۔ یہاں یہ ذکر تو ان مفسرین ومحدثین ومؤرخین کی شیعیت کے سلسلہ میں آ گیا جن کی موضوعات سے اکثر سُنّی بھی متاثر ہوئے۔ ثاقب وفضائل کی حدیثوں کے گھڑنے کی ابتدا تو بقول ابن ابی الحدید شیعوں نے کی اور جیسا کہ مفتی محمد عبدہ وسید رشید رضا کی تفسیر القرآن کے حوالے سے عرض مؤلف (طبع سوم) میں عرض کیا گیا ہے کہ آیت مباہلہ کے سلسلہ کی جملہ روایتیں شیعوں کی ساختہ ہیں۔مگر خاصے پڑھے لکھے اہل سنت بھی ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ ایک دیوبندی ''حکیم الاسلام'' نے جو مجموعہ خرافات اس کتاب کی تردید میں شائع کرایا ہے جس کی شیعہ حلقوں میں خاص طور سے اشاعت بھی کی گئی ہے۔اس میں انھی وضعی روایات کی آڑ لے کر نجرانی عیسائی کو حضرات حسنینؓ کی صحابیت کے ثبوت میں بطور شاہد یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ اس نے ''حسن وحسین کے مبارک چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار بھی آثار مقبولیت ومحبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرف صحابیت کے آثار تھے۔'' چنانچہ اس عیسائی کے منہ میں گھس کر ''حکیم الاسلام'' نے یہ الفاظ کہلوائے ہیں کہ ''میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔''

قصہ گوئی اور بات ہے اور واقعات تاریخی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکنا دوسری چیز

ہے۔ پہاڑوں کا ٹلا دینا تو درکنار حضرت حسینؓ کی شرطوں کے باوجود گورنر صوبہ عبیداللہ کا حکم بھی نہ ٹلایا جا سکا تھا مگر آنحضورﷺ کے صرف یہی دو نواسے تو نہ تھے اور بھی تھے۔ خصوصاً حضرت علی بن ابی العاصؓ سبط رسولﷺ کو یہ سعادت عظمٰی حاصل تھی کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے اور سن تمیز میں آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینبؓ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں۔ ان ہی کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ھی افضل بناتی یعنی میری بیٹیوں میں یہ سب سے افضل و برتر ہیں۔ انھی کے یہ فرزند اور آپﷺ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابی العاصؓ تھے جو آپﷺ کی وفات کے وقت ابعان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے یعنی پندرہ سال کے نوجوان تھے اور آنحضورﷺ کو اُن سے ایسی محبت و اُلفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسے جو بنی اُمیہ کی دوسری شاخ سے تھے آپ کے ردیف تھے۔ یعنی آپﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے۔(۱)

دوسرے دونوں نواسے حسن وحسین تو اتنے چھوٹے بچے تھے کہ صغیر سنی کی وجہ سے کسی سفر میں آپﷺ کے ردیف ہونے کا شرف انھیں کبھی حاصل نہ ہوا حالانکہ حضرت فاطمہؓ اور اُن کے بچے، ازواج مطہرات اور ہاشمی خاندان کے دیگر افراد حجۃ الوداع ۱۰ھ کے سفر میں آپﷺ قافلہ کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت علی بن ابی العاصؓ کی حقیقی بہن سیدہ اُمامہ بنت زینبؓ بنت النبیﷺ آنحضورﷺ کی سب سے بڑی نواسی تھیں۔ جن سے آپﷺ کی محبت و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاری نے خاص باب باندھا ہے یعنی باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلاة (یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن پر چڑھا لینے کے بارے میں)۔ اور ایک بدری صحابی ابو قتادہ انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نماز پڑھتے ہوئے اُمامہ کو دوش مبارک پر بٹھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اُتار

(۱) الاصابہ والاستیعاب وکتاب نسب قریش ۸ھ میں اُن کے وفات پانے کی روایت صحیح نہیں۔

دیتے، کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔

"عَن أَبِي قَتَادَةَ الأنصَارِيِّ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنتَ زَينَبَ بِنتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ ، وَلِأَبِي العَاصِ بنِ رَبِيعَةَ بنِ عَبدِ شَمسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا ، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا" (۱)

آپ ﷺ نے اپنے بڑے داماد حضرت ابو العاصؓ کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ اُنھوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا جو وعدہ کیا وفا کیا۔

یہ ارشاد آپ ﷺ کا اُس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابو جہل کی بیٹی کو پیام دیا تھا۔ آپ کے یہ بڑے داماد اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے تھے اور قریش کے بڑے تاجر۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا ۱۲ھ میں فوت ہوگئے۔ مناقب و فضائل کی اکثر و بیشتر روایتوں اور حدیثوں میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینبؓ و رقیہؓ و اُم کلثومؓ کا کچھ ذکر آتا ہے نہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں اُن کے نام لیے جاتے ہیں کیا محض اس بنا پر کہ وہ بنی اُمیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور اُن کی اولاد کے نام تو لیے جاتے ہیں مگر اُن ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کر دیئے جاتے ہیں۔ آخر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ مناقب و فضائل کا معیار بیشتر نسبی تعلق و قرابت کو ان وضعی روایتوں میں بتایا گیا ہے مگر کیا یہ معیار صحیح ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ "راس الحسین" کے ایک حاشیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے:

"وهل يلزم من فضل رسول الله صلعم و حمزة و علي و عبيدة ان يكون كل بني هاشم و ابناء هم فاضلين و كل الصلاح و الفضل

(۱) صحیح بخاری، ح:۵۱۶

یورث کما یورث المال والملك فاین ما ذکر اللّٰه سبحانه عن ابراهیم فی قوله (۲:۱۲۴) ﴿قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ وقوله (۳۷:۱۱۳) ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ﴾ وما قص من نباء ابن نوح علیه السلام وقوله سبحانه یشرح حین تحرکت فیه عاطفه الابوه علی ابنه (۱۱:۴۶) ﴿فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ولقد کان ابولهب من بني هاشم' وابو طالب مات علی دین ابیه عبدالمطلب المشرك......ان الشرف والفضل لا یورث و انما یکون بالعلم والایمان والاستقامة والعمل ولقد وقع بنو هاشم فی غرور کبیر بهذا الزعم الذي زعموه لانفسهم' او زعمه لهم الناس: ان مجرد النسب یشفع لهم ویغني عنهم فجرا ذلك کثیرا منهم علی الاعراض عن العلم والعمل بل وجراهم علی الترف الذي یکرهه اللّٰه ورسوله کان فیمن خرج مع الحسین من بنی هاشم اطفال مقرطون باللؤلؤ کما ذکر لك ابن کثیر (ج۸/ص۱۸۶) وجراهم علی الادلال علی الناس والتعاظم والتکبر بذلك. فکان من آثار هذه فی نفس بني هاشم وفی الناس شر کثیر وضلال مبین وهذا رسول اللّٰه صلعم یقول لهم ولابنته ام الحسین : یا عباس یا عم محمدا یا صفیه عمة محمدا یا فاطمة بنت محمدا اعملوا فلن اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً فجزی اللّٰه رسوله خیر الجزاء عن هذه النصیحة لامته ولا سرته-وغالب الظن: ان هذا الادلال بالنسب والاغتراء بالسیادة والشرف الذی زعموه موروثا: هو کان السبب الاکبر فی نکبة الحسین وفی الفتنة لمسلمین هذه الفتنة

الکبری بمقتل الحسین وکان امراللّٰہ قدراً مقدوراً. ورضی اللّٰہ عن الحسن فی صافته وحکمته ورشدہ فی سدباب الشر علی المسلمین یدل علی انه لم یکن من المغرورین بالنسب وانما کان من المستمسکین اشد الاستمساك برسالة جدہ صلی اللّٰہ علیه وسلم" (۱)

''اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حمزہؓ و علیؓ و عبیدہؓ کے فضائل سے سارے بنی ہاشم اور ان کے بیٹوں پوتوں کا بھی صاحب فضائل ہونا لازم سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا فضیلت اور نیکوکاری بھی ایسی چیزیں ہیں جو وراثت میں وارثوں کو مال و ملک کی طرح ملا کریں؟ تو پھر وہ کہاں جائے گا جو ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے کلام پاک میں کہ'' میں تمھیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ان سے جو لوگ ظالم ہوں گے ان کے ساتھ میرا وعدہ پورا نہ ہوگا۔ (۲۔۱۲۴) اور انھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسحٰقؑ کو برکتیں دیں اور ان کی اولاد میں کچھ نیک کردار ہوئے اور کچھ اپنی جانوں پر آپ کھلم کھلا ظلم کرنے والے ہوئے (۳۷۔۱۱۳) اور پھر پسر نوح کو خبر دی گئی جس وقت نوح علیہ السلام کے دل میں شفقت پدری کا جوش ہوا تھا اور اپنے بیٹے پر ترس کھانے لگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس بات کا تجھ کو علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کریں میں تجھ کو جاہلوں میں شامل ہونے سے باز رہنے کی نصیحت کررہا ہوں۔ (۱۱۔۴۶) اور پھر ابولہب بھی تو بنی ہاشم ہی سے تھا اور ابو طالب بھی اپنے مشرک باپ عبدالمطلب کے دین پر مرے......
شرافت و فضیلت اور صلاح و تقویٰ وراثت کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں ہر شخص کو اس کے علم و ایمان و عمل و استقامت کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم

---

(۱) حاشیہ راس الحسین، سطر/۶، ص/۲۲

اپنے زعم باطل کی وجہ سے بڑے غرور نفس میں پڑ گئے جو زعم غلط انھوں نے اپنی ذات کے لیے اپنے دماغوں میں پیدا کرلیا یا لوگوں نے ان کے متعلق اپنے دماغوں میں پیدا کرلیا ہے کہ صرف نسبی تعلق (جو اُن کا رسول اللہ ﷺ سے ہے) ان کی شفاعت کے لیے کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب باتوں سے مستغنی کردے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہتیرے بنی ہاشم کو علم وعمل کی طرف سے بے پروائی سی ہوگئی اور وہ جری اور دلیر ہوگئے۔ علم وعمل کی طرف سے بے پروائی پر یہاں تک کہ وہ عیش وعشرت پر اُتر آئے جس کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اس حد تک کہ حضرت حسین کے ساتھ ایسے بچے نکلے جو کانوں میں موتیوں کے آویزے ڈالے ہوئے جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ (دیکھو ج/۸، ص/۱۸۶) اس پر دلیر کردیا تھا ان کو اس خیال نے کہ وہ عام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور صاحب عظمت سمجھتے تھے۔ اس نسبی تعلق کی بدولت اور ان کے تکبر اور غرور کے باعث بنی ہاشم اور عام لوگوں کے درمیان دلوں میں سخت قسم کا کھوٹ پیدا ہوگیا تھا۔ اور دونوں فریق کے کچھ افراد گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے تھے مگر دیکھو رسول اللہ صلعم بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی حسین کی ماں سے فرماتے تھے: اے عباس محمد کے چچا! اور اے صفیہ محمد کی پھوپھی اور اے فاطمہ محمد کی بیٹی، عمل کرو عمل۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس نصیحت کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو اُنھوں نے اپنی اُمت اور اپنے خاندانوں دونوں کو عطا فرمائی۔ اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ اور اپنی سیادت وشرافت کا غرور ہی تھا جس کو ان لوگوں نے موروثی قرار دے لیا تھا۔ یہی سب سے بڑا سبب تھا حضرت حسین کے مصیبت میں پڑنے کا اور عام مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی ایمانی آزمائش مقصود ہے حضرت حسین کے قتل کیے جانے میں

اور یہی تقدیر الٰہی تھی جو ہو کر رہی۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسن سے راضی رہے کہ ان کی دور اندیش اور حکیمانہ سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کے سامنے ساری خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نسبی فخر کے فریب میں مبتلا نہ تھے اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و ہدایت کی ڈوری کو بہت مضبوط طور سے پکڑے ہوئے تھے۔"

خروج و بغاوت

عربی زبان کے یہ دونوں لفظ سرکشی و مقابلہ پر آجانے کے معنی میں عام طور سے مستعمل ہیں خواہ یہ سرکشی حق کے مقابلے میں ہو یا باطل کے۔ بلند ترین جذبہ حب الوطنی وخدمت ملی کے تحت ہو یا پست ترین مطلب برآری کی غرض سے، رائج الوقت آئینی نظام کی اصلاح یا شکست آئین کے مقصد سے ہو یا اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے ایسے تمام اقدامات کو خروج ہی کہا گیا ہے۔

حضرت حسینؓ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لیے خروج سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود انھی کے عزیزوں مخلص دوستوں اور صحابہ کرام نے جن کے بعض اقوال اسی کتاب میں دوسری جگہ نقل ہیں ان کے اقدام کو خروج ہی کہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ مؤرخ ونساب نے جناب عمر بن علی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے ان بھائی سے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انھوں نے ساتھ نہ دیا۔
قد دعاہ الی الخروج فلم یخرج۔(۱)

یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش اُن کو عرصہ سے تھی موقع مناسب کے منتظر تھے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے مگر اُن کے دباؤ سے حضرت معاویہؓ سے بالآخر بیعت کر لی تھی۔ عراق

(۱) عمدۃ الطالب، ص/۹۹

کے مفسدین اُن کے اِن خیالات سے بخوبی واقف تھے اور وقتاً فوقتاً ورغلاتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ایک مرتبہ جب اس کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے حضرت حسینؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:

"تمھارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لیے جدوجہد کی خواہش ترک کر چکے ہو۔ اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو......حسین! اللہ سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو اور انھیں خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔" (بلاذری)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد کوفی مفسدین کو تحریص و ترغیب کا پھر موقع مل گیا۔ اس مضمون کی تحریرات بھیجنے لگے کہ اگر اس امر (خلافت) کے طلب کرنے کی آپ کو خواہش ہے تو ہمارے پاس پہنچ جایئے۔ ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم لوگ اُس وقت تک اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو جب تک یہ معاویہؓ زندہ ہیں اگر ان کا وقت آ گیا تو دیکھا جائے گا تم بھی سوچنا اور ہم بھی سوچیں گے (اخبار الطّوال ملخظاً) چنانچہ یہ وقت جب آ گیا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گورنر مدینہ کو چکمہ دے کر اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یہ اور ابن الزبیرؓ کہ دونوں بعد میں طالب خلافت ہوئے، مدینہ سے مکہ چلے آئے۔ وہ تو خانہ کعبہ میں جا بیٹھے اور حضرت حسینؓ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس مقیم ہوئے جو اُس وقت ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان حالات میں امیر المومنین یزیدؒ نے جن پر بحیثیت حکمران خلیفہ کے انقلابی اور تخریبی تحریک کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوری ذمہ داری عائد تھی اول تو اپنے طبعی حلم و کرم سے افہام و تفہیم کی کوشش کی۔ حضرت ابن عباسؓ کو مراسلہ بھیجا جو پہلے بھی نقل ہوا ہے اور ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف نے بھی درج کیا ہے۔ اس میں امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے پاس عراق کے لوگوں کے زیادہ آنے جانے اور خروج پر آمادہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ چونکہ

ان کے خاندان کے بزرگ اور سردار ہیں، انھیں سمجھایئے اور اُمت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھیے۔

حضرت ابن عباسؓ نیز حضرت ابن عمرؓ دوسرے صحابہؓ اور خود اُن کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جس جس طرح اُنھیں سمجھایا، خروج سے روکنے کی کوششیں کیں اُن کا ذکر آچکا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ صحابی رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا: اتق اللّٰه فی نفسك والزم بیتك ولا تخرج علی امامك (البدایہ) یعنی اپنے دل میں اللہ سے ڈرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو۔ امام سے مراد ان صحابی رسول کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے تھی جن کی بیعت خلافت کئی مہینے پہلے ہوچکی تھی اور یہی صحابی اس حدیث کے راوی بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لیے بیعت ہو تو اس دوسرے کو (یعنی جس کی بعد میں بیعت لی جائے) قتل کردو۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد رجب ۶۰ھ میں امیر یزیدؒ جو چند سال قبل سے ولی عہد تھے۔ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے اُس کے پانچ مہینے کے بعد حضرت حسینؓ نے مکہ معظّمہ سے اس حالت میں خروج کیا تھا کہ سوائے اپنے چند نوجوان عزیزوں کے صحابہ و تابعین میں سے فرد واحد بھی نہ اُن کے ساتھ ہوا اور نہ اُن کے مؤقف کی کسی نے موافقت کی۔ اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرام نے خروج سے منع کرنے اور روکنے کی غرض سے احکام شریعت کی متابعت میں کیا کچھ نصیحتیں اُن کو نہ کی ہوں گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ ''رأس الحسین'' کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت میں حضرت حسینؓ کی اپنے مخلصین کے نصائح سے بے اعتنائی برتنے اور اُس کے افسوس ناک نتائج کا حقیقت پسندانہ بیان ہے جو قابل توجہ ہے۔

"ولقد کان للحسین عن کل ذلك مندوحة اذا هو قبل نصح ابن عباس وابن عمر وأخیه محمد بن الحنفیة ' وغیرهم ممن نصحه الألباء المخلصین بعدم الخروج من مکة ' وقد قال جده صلی اللّٰه

عليه وسلم ((اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الثانى منهما)) وهو يعلم أنه قد سبق من أهل العراق الغدر بأبيه ' وعرف منهم ذلك أخوه الحسن رضى الله عنه ' فاعتزلهم ' وأراح المسلمين من هذه الفتن ' وحقن دماء هم' ولكن الحسين غلبه الشباب والادلال بالنسب والخديعة بالشيعة ' وعدم التمرس فى سياسة الحياة العملية التجريبية ' والأغرار الذين كانوا معه من اخوة مسلم بن عقيل الذين أعماهم عصبية الجاهلية والحرص على الأخذ بثار مسلم بن عقيل ' كل ذلك غلب الحسين على الرشد والحكمة ' فزج بنفسه وبمن معه من شباب بنى هاشم فى الأخطار التى أهلكتهم ' ولم يكن شى ء من كل ذلك يرضي الله ولا رسوله صلى الله عليه وسلم ' وكان أمر الله قدراً مقدورا . وما كان يسع يزيد ولا عبيدالله بن زياد ' والفتن تموج بالجزيرة ' قلب العالم الاسلامى ' ودماء صفين لا تزال تلمح بالفتنة ' ما كان يسعهم الا ما كان ' ولو أن الحسين أو غيره من بنى هاشم كان مكانهم ما وسعه الا ما وسعهم ' ولقد كان من بنى العباس مثل ما كان من يزيد و عبيدالله بن زياد وأشد ' ولم ير الناس صنيعهم بالعين التى رأوا بها صنيع يزيد و عبيدالله بن زياد ' لهوى غلب' أو اتقاء لسخط العامة ' ورغبة فى رضاهم ' أو لعاطفة تحكمت بغير بصيرة ولا عدل. فكان من ذلك التجافى عن النصفة ' والميل عن وزن الأمور بالقسطاس المستقيم . ولو قام الناس بالقسط. كما أمر الله ' لخمدت نيران تلك الفتن العمياء التى طالما حذر منها الرسول صلى الله عليه وسلم' والتى يصطلى المسلمون الى اليوم بنارها ' ولا يتشجعون أن يطفئوها . ولا حول ولا قوة الا بالله" (۱)

---

(۱) رسالہ رأس الحسین، طبع ۱۹۸ء

''اور حسینؓ کو ان تمام باتوں سے بے پروائی و بے اعتنائی سی تھی کہ وہ ابن عباسؓ و ابن عمرؓ اور اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کی نصیحتوں کو قبول کرے جو ان دانش مند مخلصین نے ان کو کی کہ مکہ سے خروج نہ کریں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لیے بیعت ہو تو اُن میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔ اور وہ جانتے تھے کہ اہل عراق سے اُن کے والد کے ساتھ بے وفائی ہو چکی ہے اور ان کے بھائی حسن بھی اس بات کو جانتے تھے اسی لیے انھوں نے عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچا لیا اور باہمی خونریزی نہ ہونے دی لیکن حسینؓ پر جوانی اور نسبی غرہ اور شیعوں کا فریب غالب آ گیا تھا اور پھر عملی زندگی کی سیاست سے ناواقفیت اور ناتجربہ کاری بھی تھی۔ ان سب پر بالا یہ بات تھی کہ ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے ان کو مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے کے خیال نے حمیۃ جاہلیہ کے جذبات اُبھار کر اندھا کر دیا تھا۔ یہ ساری باتیں حسینؓ کی مصلحت اندیشی و ہدایت کوشی پر غالب آ گئیں۔ آخر انھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی بنی ہاشم کے کچھ نوجوانوں کو خطرناک حالت میں ڈال دیا جس نے ان سب کو ہلاکت تک پہنچا دیا۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو رضائے الٰہی و خوشنودی رسول کا باعث سمجھی جا سکے لیکن تقدیر الٰہی یوں ہی تھی جو ہو کر رہی۔ اور یہ بات یزید اور عبیداللہ بن زیاد کی وسعت سے باہر تھی کیونکہ فتنہ و فساد کے طوفان جزیرے (عراق) میں، عالم اسلامی کے قلب میں موجیں مار رہے تھے۔ صفین کی خونریزیاں فتنوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ جو کچھ ہوا اس کے سوا ان کی وسعت میں اور کچھ نہ تھا اور اگر حسینؓ یا کوئی بھی بنی ہاشم میں سے ان لوگوں کی جگہ ہوتا اس سے بھی وہی ہوتا جو ان سے ہو سکا۔ چنانچہ بنی عباس سے وہی کچھ ہوا جیسا کہ یزید اور عبیداللہ

بن زیاد سے ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مگر لوگ بنی عباس کی کارروائیوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے یزید اور عبیداللہ بن زیاد کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ محض غلبہ ہوائے نفس کے سبب سے یا عوام کی ناراضی کے ڈر سے اور عوام کو خوش کرنے کے لیے یک طرفہ غلو اور میلان طبع کی وجہ سے جو انھوں نے بغیر بصیرت اور عدل و انصاف کے پیدا کرلیا ہے۔ درحقیقت یہ انصاف و دیانت سے رُوگردانی اور واقعات و امور کو صحیح ترازو پر تولنے کے خلاف ہے۔ اور اگر لوگ واقعی حکم الٰہی کے مطابق انصاف کرنے کے لیے کھڑے ہوجائیں تو ان اندھے فتنوں کی آگ ضرور بجھ جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جن فتنوں کی آگ آج مسلمانوں کو جھلسا رہی ہے مگر لوگ اس کے بجھانے پر کمر بستہ نہیں ہوتے۔ حق کو قائم رکھنے اور باطل کو اکھیڑ پھینکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔"

مؤرخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے بعض اقوال درج کیے ہیں جن سے ثابت ہے کہ حسبی و نسبی علوئے مرتبت کی بنا پر خلافت کا دوسروں کے مقابلہ میں وہ اپنے آپ کو زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ مندرجہ بالا عبارت میں الادلال بالنسب (نسب پر فخر) سے اسی جانب اشارہ ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی ان کے واقعہ پر اظہار تأسف کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ حسینؓ نے اپنے بزرگوں کے نام لے کر میرے ماں باپ اور میرے جد پر فوقیت جتائی تھی سو حال اس کا یہ ہے کہ ان کے اور میرے والد کے تنازعہ کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا تھا۔ والدہ ماجدہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں ان سے میری ماں کو نسبت ہی کیا پھر جد مادری تو ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور میری جان کی قسم جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جانتا ہے کہ سب انسانوں سے بے عدیل و بے نظیر ہیں، رہا اُن کا یہ قول کہ انا خیر منه و احق بهذا الامر (یعنی میں یزید سے برتر ہوں اور اس امر خلافت کا زیادہ حقدار ہوں) تو یہ اللہ کی

دین ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ تؤتی الملك من تشاء۔ (الخضری)

ابتدائی اوراق میں احادیث نبوی اور احکام شرعی کی رُو سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ منصب خلافت کے لیے جس فرد ملت کی اول بیعت ہو جائے خواہ نسباً کمتر ہی کیوں نہ ہو اس کے مقابلہ میں خروج کا اور دعوے خلافت کا کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا خواہ وہ نسباً و حسباً کیسا ہی افضل کیوں نہ ہو۔ امیر و خلیفہ کی اطاعت اچھا ہو یا برا، ہر حالت میں سوائے معصیت کے لازم ہے۔ خود حضرت حسینؓ ہی کے والد ماجد نے خارجیوں کے اس قول پر کہ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں، فرمایا تھا:

> ''وانه لا بد من امير بر او فاجر (الی آخرہ) یعنی لوگوں کے لیے امیر (خلیفہ) ضروری ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر کہ مومن اس کے عہد خلافت میں اپنا کام کر سکے اور کافر بھی دنیاوی فائدہ حاصل کر سکے اور اللہ اپنی مقررہ مدت کو پوری کر دے۔ (الی آخرہ)''(۱)

خلیفہ کے انتخاب میں نسل و خاندان اور حسب و نسب کی کوئی قید نہیں، نہ شریعت نے کسی کو یہ حق دیا ہے کہ نسبی تفوق کی بنا پر دعوے دار ہو بلکہ خلافت کے لیے خود خواہش مند اور حریص ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام کے باب میں مَا يُكْرَهُ مِنَ الحِرصِ عَلَى الاِمَارَةِ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

> '' اِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَن سَأَلَهُ ' وَلَا مَن حَرَصَ عَلَيهِ ''
>
> '' میں اس شخص کو کوئی عہدہ نہ دوں گا جو خود اس کا طالب ہو یا اس کی حرص کرے۔''

چنانچہ حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کو طلب و خواہش پر آپ نے عامل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ طلب خلافت کی اجازت ہوتی تو ہر طرف سے دعوے دار کھڑے ہو جاتے اور اُمت میں تفرقہ و انتشار پڑ جاتا۔ جیسا بعض حضرات کی سیاسی لغزشوں کی وجہ سے

(۱) نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۰۰

بالآخر یہی سب کچھ ہوا جس کے تلخ ترین نتائج اُمت کو بھگتنا پڑے۔ مثلاً حضرت حسینؓ کے خروج سے جو ملت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا تقریباً نصف صدی بعد سے ان کے اور اُن کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کے اخلاف نے قائم حکومتوں کے مقابلہ میں خروجوں کا تانتا باندھ دیا تھا۔ اس کتاب کی دوسری جلد ''تحقیق مزید'' میں حسنی و حسینی نسب کے پینسٹھ (۶۵) اشخاص کے خروجوں کے حالات و واقعات سلسلہ وار پیش کیے گئے ہیں جو اُموی و عباسی خلفاء کے خلاف ہوتے رہے۔ ان سب طالبان خلافت کے دعاوی کا دارومدار زیادہ تر نسبی تعلّیوں اور تفاخر بالآباء ہی پر تھا۔ مگر حصول مقصد میں سب ہی ناکام و نامراد رہے یعنی سریر آرائے خلافت کوئی بھی نہ ہوسکا۔ یہ شاید آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کی تعبیر ہی تھی کہ اِنَّا لَا نُوَلِّي، مَن حَرَصَ عَلَيه یعنی جو اس منصب کی حرص رکھتا ہو اس کو مقرر نہیں کریں گے۔ سبائی راویوں نے ہر حکمران اور خلیفہ وقت کو جس نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور بغاوتوں کا استیصال کر کے امن و امان بحال کیا، غاصب و جابر و ظالم و فاسق و فاجر کہا اور طالبان خلافت اور باغیوں کی پاکیزگی و تقدیس میں جھوٹی حدیثیں اور مہمل روایتیں گھڑ ڈالیں حتی کہ ۱۶۹ھ میں اولاد حسنؓ میں سے جن لوگوں نے طلب خلافت کے لیے خروج کیا تھا اور وادی فخ قرب مدینہ میں سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے گئے، یہ مہمل حدیث و روایت وضع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام فخ پر ہوا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (گویا اُن کے مارے جانے سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے) پھر فرمایا کہ اس جگہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت کے قتل ہوگا ان کے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہونگی اور اُن کے جسم اُن کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (۱)

اس سے تقریباً نصف صدی پہلے حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی (زین العابدین) نے امیر المومنین ہشام اُموی جیسے نیک سیرت و حلیم و کریم و پاک باز خلیفہ کے

---

(۱) مقاتل الطالبیین، ص ۴۳۶

خلاف کوفی سبائیوں کے ورغلانے سے خروج کیا تھا اور مارے گئے تھے اُن کو ''زید الشہید'' کا لقب دیا گیا۔ پھر اس سے تقریباً چوبیس برس بعد حضرت حسنؓ کے پروتے محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے ۱۴۵ھ میں امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسی کے خلاف جو علم وعمل، تقویٰ و طہارت میں ممتاز بڑے فرزانہ و مدبر و منتظم حکمران تھے، مدینہ سے خروج کیا۔ وہی امیر المومنین ہیں جن کے ایماء سے امام مالکؒ نے حدیث کی کتاب المؤطاء تالیف کی تھی۔ ابن خلدون اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"وقد كان أبو جعفر بمكان من العلم والدّين قبل الخلافة وبعدها وهو القائل لمالك حين أشار عليه بتأليف الموطّاء يا أبا عبدالله انّه لم يبق على وجه الأرض أعلم منّي ومنك وانّي قد شغلتني الخلافة فضع أنت للنّاس كتابا ينتفعون به تجنّب فيه رخص ابن عبّاس وشدائد ابن عمر ووطّئه للنّاس توطئة قال مالك فو اللّه لقد علّمنى التّصنيف يومئذ.(مقدمه تاريخ ابن خلدون)"

''اور ابوجعفرؒ کا خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد علم اور دین میں جو مرتبہ و امتیاز تھا وہ مخفی نہیں۔ انھوں نے ہی امام مالک کو کتاب الموطاء کے تالیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبداللہ! دنیا کے پردے پر اب سوائے میرے اور تمھارے حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا۔ میں تو اس خلافت کے بکھیڑوں میں مشغول ہوں تم لوگوں کے لیے کتاب تالیف کرو جس سے وہ نفع حاصل کریں۔ اس میں تم ابن عباسؓ کی سی نرمی اور ابن عمرؓ کی سی سختی سے اجتناب کرنا اور لوگوں کے لیے اس کو اچھی طرح روند ڈالو یعنی خوب تحقیق سے لکھو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ قسم باللہ اسی دن مجھے ابوجعفرؒ نے تصنیف کا فن سکھا دیا۔''

انھی امیر المومنین نے ابن اسحٰق سے سیرۃ نبوی تالیف کرائی تھی اور امام ابوحنیفہؒ سے فقہ

کی تدوین و اشاعت علوم کے لیے دارالترجمہ قائم کیا۔حددرجہ سادہ زندگی بسر کرتے، بیت المال میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف نہ کرتے ولا سمع بالانفاق فیه من اموال المسلمین (مقدمہ ابن خلدون)۔ایسے عالم و فاضل متقی و پرہیز گار خلیفہ کے خلاف جن کی خلافت اس عہد کی مثالی خلافت تھی محض نسبی تعلّیوں کی بنا پر محمد الارقط نے اپنا حق جتایااور خروج کیا اور عوام کو دام فریب میں پھانسنے اور جمعیت اکٹھی کرنے کے لیے اپنے آپ کو ''مہدی'' کہا۔محمد الارقط کے بجائے ''محمد المہدی'' کہلانے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے جانے کے بعد ان کی تقدیس میں بھی جھوٹی حدیثیں وضع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ میری اولاد میں سے ایک ''نفس ذکیہ'' اس مقام احجاز الزیت پر قتل ہوگا (عمدۃ الطالب ص/۸۳)۔

غالی راویوں کے وضع کردہ اس لقب کی تشہیر اس شدت سے کی گئی کہ غیر شیعہ اور اچھے پڑھے لکھے لوگ نام کے بجائے ''نفس ذکیہ'' ہی کہنے اور لکھنے لگے۔محمد الارقط کے اس خروج کے جواز میں جو کھلی بغاوت تھی اور ایسے امیر و خلیفہ کے مقابلہ میں کی گئی تھی جن کی خلافت قائم ہوئے بھی بارہ برس ہو چکے تھے۔

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ پر یہ بہتان باندھے گئے کہ محمد الارقط کے خروج کی موافقت میں انھوں نے فتوے دیئے تھے اور ابوجعفر المنصور کو غاصب جانتے تھے حالانکہ یہ دونوں ائمہ مذہب امیر المومنین کی سرپرستی میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے۔خود امام ابو حنیفہؒ ہی کی زبانی سُنیے کہ وہ اس خلیفہ کو ''امیر المومنین'' ہی کہتے ہیں جس کے خلاف فتویٰ دینے کا بہتان اُن پر باندھا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین ابوجعفرؒ کے پاس گیا انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابوحنیفہ تم نے علم کن (بزرگوں) سے حاصل کیا۔(قال ابو حنیفة دخلت علی ابی جعفر امیرالمومنین فقال لی یا ابا حنیفة عمن اخذت العلم۔ ص/ ۳۶۴، تاریخ الخمیس)۔

ان کذب بیانیوں پر تفصیلی محاکمہ دوسری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں تو حضرت حسینؓ

کے خروج کے سلسلہ میں یہ چند مثالیں اس غرض سے پیش کی گئیں کہ جب حضرات حسنین کے پوتوں و پروتوں کی بغاوتوں کو مذہبی رنگ دیا گیا، باغیوں کے فضائل و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں اور جن خلفاء اور ان کے عمال نے طالبان خلافت کا مقابلہ کیا انھیں طرح طرح مطعون کیا گیا۔ غاصب و فاجر کہا گیا تو اُس خلیفہ وحکمران کی درگت بنانے میں غالی سبائی راوی کون سی کسر اُٹھا رکھتے جس نے خود حضرت حسینؓ کے خروج کو ناکام بنانے اور ذمہ دار حکمران کی حیثیت سے صوبہ عراق سے جہاں فتنوں کے طوفان موجیں مار رہے تھے، شر و فساد دفع کرنے کے لیے عمال حکومت کو احکام جاری کیے تھے مگر جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے ایک رسالہ الوصیۃ الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یزیدؒ بن معاویہؓ نے نہ حسینؓ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا نہ اُس پر اظہار مسرّت کیا تھا۔

"وَهُوَ لَم يَأمُر بِقَتلِ الحسين ' وَلَا أَظهَرَ الفَرَحَ بِقَتلِهِ ' وَلَا نَكَّتَ بِالقَضِيبِ عَلَى ثَنَايَاهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ وَلَا حَمَلَ رَأس الحسين رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ ' الَى الشَّامِ ' لٰكِن أَمَرَ بِمَنعِ الحسين رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ وَبِدَفعِهِ عَن الأَمرِ وَلَو كَانَ بِقِتَالِهِ" (۱)

''اُس نے نہ حسین کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ اُن کے قتل پر خوشی ظاہر کی اور نہ اُن کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین کا سر ملک شام بھیجا گیا۔ لیکن حسین کو روکنے اور ان کے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اس میں ان سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔''

لڑائی بھڑائی کی جو صورت پیش آئی اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب حضرت حسینؓ کوفیوں کی نصرت و حمایت سے مایوس ہو کر طلب خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور واپسی کے لیے یا بصورت دیگر کسی سرحدی مقام پر یا خلیفہ یزیدؒ کے پاس جانے کے لیے آمادہ تھے تو گورنر عبیداللہ بن زیاد نے آخر یہ مطالبہ کیوں

(۱) رسالہ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ

کیا کہ پہلے بیعت کرلیں۔ بیعت کا یہ مطالبہ آیا جبر وظلم کی بنا پر تھا یا آئین و قانون و ضابطہ کے تحت۔ پھر کیوں حضرت حسینؓ نے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جیسا کہا جاتا ہے انکار کیا۔ حالانکہ ابن زیاد سے بیعت خلیفہ ہی کی بیعت تھی۔ کیونکہ وہی خلیفہ وقت کا نائب قائم مقام تھا وہی حاکم مجاز تھا اور اسی خلیفہ نے فتنہ کو مٹانے، امن و امان بحال کرنے اور اُمت کی اس مصلحت کو قائم رکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا جس کی جانب حسینؓ کے دانشمند ناصحین نے اشارہ کیا تھا۔ قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کوئی شخصیت قانون سے مستثنیٰ نہیں اور نہ کوئی شخص بادعائے عالی نسبی قانون سے بالا ہوسکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے جب مخزومی قبیلہ کی خاتون کے بارے عرض کیا تھا کہ چوری کے جُرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پچھلی قومیں اس لیے بھی تباہ ہوئیں کہ اُن میں بڑے لوگ کوئی جُرم کرتے تو چھوڑ دیئے جاتے وہی جُرم چھوٹے کرتے تو سزا پاتے۔ میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں مثالاً فرض کیجیے ہمارے زمانہ میں کوئی پیرزادے اپنے خاندانی مریدوں کے بل بوتے پر مملکت کے کسی علاقہ میں بغاوت کا اقدام کر بیٹھیں اور ناکام رہ کر عذرات پیش کرنے اور اپنی پیرزادگی کا واسطہ دینے لگیں تو اس علاقہ کا کمشنر یا چیف کمشنر جو علاقائی نظم و نسق کا ذمہ دار ہے آیا اُن کو گرفتار کرکے جیل بھیجے گا یا پیرزادگی کا لحاظ کرکے رہا کردے گا۔

پیش آمدہ حالات کے اعتبار سے گورنر عبیداللہ بن زیاد کا یہ مطالبہ کہ حسینؓ اول بیعت کرلیں جائز اور ہمدردانہ مطالبہ تھا اور سیاسی و وقتی مصالح کے لحاظ سے یہی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرلینے سے ایسا واضح اور بین ثبوت ان کی دست برداری کا ہو جاتا کہ پھر اُن کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان ہی نہ رہتا۔ اور دوسری طرف افسران حکومت کے دلوں میں جو خدشہ تھا کہ مدینہ یا دمشق کے سفر پر اگر ہم اُنھیں جانے دیں مبادا پھر کوئی اقدام از خود یا کوفی ساتھیوں کے اثر سے کر بیٹھیں، بیعت کرلینے سے اس خدشہ کا بھی ازالہ ہوجاتا۔ بہرحال طلب خلافت سے دست برداری خواہ غلطی محسوس کرلینے کے بعد کی ہو

یا اس مجبوری سے کہ نصرت وحمایت کا وعدہ کرنے والے ہی منحرف ہوگئے تھے لازمی نتیجہ ان کی دست برداری کا بیعت خلیفہ و التزام جماعت مسلمین ہی ہوسکتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ برابر اپنے مؤقف پر قائم رہے اور بیعت سے منکر، وہ نہیں سمجھتے کیا کہہ رہے ہیں، حضرت حسینؓ کو کس پوزیشن میں رکھ رہے ہیں۔

لزومِ جماعت و اطاعت خلیفہ کے بارے میں متعدد احادیث میں سخت تاکید ہے۔ پچھلے اوراق میں ہم حضرت حسینؓ کے ترک طلب خلافت کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں کہ:
"حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے مؤقف سے رُجوع کرلیا۔"
حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا۔ اسلامی زندگی کا دوسرا نام ہے باہمی اتحاد و اخوت و ائتلاف اور حسبِ فرمان نبوی ﷺ جو شخص اطاعت امام وخلیفہ سے الگ ہوگیا یعنی بیعت نہ کی اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی خواہ ارکان مذہب کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔

مؤرخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے یہ الفاظ متعدد جگہ نقل کیے ہیں کہ:

"اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ"

"یعنی میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دینے کو موجود ہوں۔"

مگر یہ موقع کیوں نہ آیا اس کی تفصیلات بیان ہوچکیں۔ مسلم بن عقیل کے بھائیوں کی عصبیۃ جاہلیہ نے یہ نوبت نہ آنے دی ورنہ واقعات کا دھارا یکسر پلٹ جاتا۔ گورنر عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے افسران نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی غلط کارروائی نہیں کی تھی اسی وجہ سے اُن سے نہ کوئی باز پُرس ہوئی اور نہ ہونی چاہیے تھی۔ اُس وقت صورت حال یہ تھی کہ عراقی اور کوفی سب حکومت کے ساتھ تھے اور بیعت خلیفہ میں منسلک، معدودے چند سرپھرے جو بغاوت کے سرغنہ تھے خائب و خاسر زاویہ خمول میں جا بیٹھے تھے۔ مملکت کے تمام صوبوں اور صوبوں کے تمام مقامات پر خلیفہ یزیدؒ کی بیعت مکمل و مؤکد ہوگئی تھی جس پر پورے چھ ماہ کی مدت بھی گزر چکی تھی۔ سینکڑوں صحابہ کرام جن میں بدری صحابہ و اصحاب بیعت

الرضوان جیسی ہستیاں جو درجہ و منزلت میں جناب حسینؓ سے بہت اونچی تھیں اس نوجوان غازی و مجاہد کی بطیّب خاطر بیعت کر چکی تھیں جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"وَكَانَ مِن شُبَّانِ المُسلِمِينَ، وَلَا كَانَ كَافِرًا زِندِيقًا، وَتَوَلَّى بَعدَ أَبِيهِ عَلَى كَرَاهَةٍ مِن بَعضِ المُسلِمِينَ وَرِضًا مِن بَعضِهِم، وَكَانَ فِيهِ شَجَاعَةٌ وَكَرَمٌ، وَلَم يَكُن مُظهِرًا لِلفَوَاحِشِ كَمَا يَحكِي عَنهُ خُصُومُهُ. (الوصية الكبرى ابن تيمية)"

''اور وہ (یزیدؒ) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے نہ کافر تھے، نہ زندیق، اپنے والد کے بعد حاکم (خلیفہ) ہوئے جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور بعض نے پسند کیا۔ ان کی ذات میں بہادری کرم اور مہربانی کی صفات تھیں اور وہ فواحش اور برائیاں اُن میں نہیں تھیں جو اُن کے دشمن اُن سے منسوب کرتے ہیں۔''

ناپسند کرنے والوں میں ایک گروہ تو ان کوفیوں ہی کا تھا جنھوں نے آخر میں حضرت حسینؓ سے انحراف کیا تھا باقی یہ دو بزرگوار تھے جو خود طالب خلافت تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر ہستی مخالف نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ کا نام اس ضمن میں لینا غلط ہے کیونکہ وہ تو بیعت خلافت سے تین سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ و دیگر صحابہ نے خصوصاً حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ابتدا ہی میں بیعت کر لی تھی۔ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے موقف کی یوں تصریح کی ہے:

"كَانَ امتَنَعَ أَن يُبَايِعَ لِعَلِيٍّ أَو مُعَاوِيَةَ لَمَّا اصطَلَحَ مَعَ الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ وَاجتَمَعَ عَلَيهِ النَّاسُ وَبَايَعَ لِابنِهِ يَزِيدَ بَعدَ مَوتِ مَعَاوِيَةَ لِاجتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيهِ" (۱)

---

(۱) فتح الباری، ج/۲۹، ص/۶۲۰

''ابن عمرؓ نے تو علیؓ و معاویہؓ دونوں سے بیعت کرنے سے (فتنہ کے دوران) انکار کردیا تھا پھر معاویہؓ سے اُس وقت بیعت کرلی جب حسن بن علیؓ سے صلح ہوکر لوگوں کا اُن پر اجماع ہوگیا تھا پھر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے فرزند یزیدؒ سے بیعت کی کہ اُن پر بھی لوگوں کا اجماع ہوگیا تھا۔''

استخلاف کے علاوہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع اُمت کا ہونا ان کے متفق علیہ و برحق خلیفہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ ایک شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یزیدؒ کو خلیفہ برحق جانتے تھے اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہوکر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہوسکتے۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے میں شروط خلافت کی رُو سے کوئی عذر نہیں کیا جاسکتا ہے۔''(۱)

یہی شیعہ مؤلف مزید فرماتے ہیں:

''خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ من جانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسین ہیں۔ بلاشبہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تھے گر ایک کو خلافت من جانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی۔ یزید شروط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لیے خلافت منجانب الناس تھی۔ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے اس لیے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی۔''(۲)

لیکن مؤلف موصوف نے یہ نہ بتایا کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے خلیفہ نے لوگوں کے

---

(۱) مصباح الظلم، ص ر ۱۳۷، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور

(۲) مصباح الظلم، ص ر ۲۲۳، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور

منتخب کیے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج کیوں کیا اور کیوں کامیاب نہ ہوئے۔ صحابہ کرام نے اور اُن بزرگواروں نے جو اللہ کے کلام '' والذین معہ'' کے مصداق تھے یعنی بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان نے نیز تابعین عظام و جمہور اُمت خصوصاً اُن کے قریبی عزیزوں نے ''خلیفہ منجانب اللہ'' کا ساتھ کیوں نہ دیا اور کیوں خروج سے منع کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بزرگواران ''خلیفہ منجانب اللہ'' نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا خود مؤلف موصوف نے ہی لکھا ہے کہ:

''اہل سنت کے عقائد کی رُو سے جناب امام حسین نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم۔ آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی اور اسی لیے آپ کی ہلاکت شہادت نہیں مانی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خرج الحسین فقتل عن سیف جدہ۔''(۱)

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامۃ سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ:

''بیعت برائے یزید گردید و بود پس حسین بروے باغی شد۔ زیرا کہ کسان بسیار اقدام بر بیعت دے اختیار کردند و باوجود استخلاف این چنیں بغاوت کہ حسین کرد شرط نہ باشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود۔''(۲)

''یزید کے لیے بیعت (خلافت) ہوگئی تھی لہٰذا حسین نے ان پر بغاوت کی کیونکہ بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور ان کے والد نے ان کو ولی عہد بھی کیا تھا باوجود استخلاف کے ایسی بغاوت جو حسین نے کی جائز نہ تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے والد معاویہ خلیفہ برحق تھے۔''

اپنی کتاب مصباح الظلم کے آخری صفحات پر یہ شیعہ مؤلف صاف طور سے لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) مصباح الظلم، ص ۱۴۴، مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور

(۲) ص ۱۴۴، ایضاً

''خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکر و خلافت حضرت عمر کو حق مان کر کوئی متنفس نہ امام حسینؓ کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے نہ امام حسین کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھتا ہے۔۔۔ سچ ہے کہ اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ
کہ کشتہ شد حسیں اندر سقیفہ

.... الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسین بلا گفتگو علت و معلول کی نسبت رکھتی ہے اور دونوں ایسی شے ہیں کہ ان میں سے ایک کا ارادت مند دوسرے کا منکر ہو۔ ناممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیقت کا اعتراف رکھے۔ خلافت اگر ہے شہادت نہیں شہادت اگر ہے خلافت نہیں۔ بنی ہاشم (یعنی حسین و اولاد حسنین۔م) ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے۔ ظاہراً اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے ان سب خروجوں کا منشا وہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع بنی سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جس کے کھوئے جانے کے باعث حضرت عمرؓ ہوئے۔''(۱)

واقعہ کربلا کو اجماع سقیفہ کا فطری نتیجہ قرار دینے سے مقصد وہی ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ:

"وَلَم يَكُن أَحَدٌ اذ ذَاكَ يَتَكَلَّمُ فِي يزيد بن معاوية ' وَلَا كَانَ الكَلَامُ فِيهِ مِن الدِّينِ ' ثُمَّ حَدَثَت بَعدَ ذَلِكَ أَشيَاءُ فَصَارَ قَومٌ يُظهِرُونَ لَعنَةَ يزيد بن معاوية' وَرُبَّمَا كَانَ غَرَضُهُم بِذَلِكَ التَّطَرُّقَ الَى لَعنَةِ غَيرِهِ"(۲)

---

(۱) ص/۴۲۴، ایضاً (۲) الوصیۃ الکبری، ص/۳۰۰

''اور اس وقت (یعنی واقعہ کربلا سے پہلے) بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی لفظ نہ زبان پر لاتا تھا اور نہ ان کی دینی حالت کے متعلق کچھ کلام کرتا تھا مگر اس کے بعد بعض واقعات ظہور میں آئے کہ ایک گروہ یزید بن معاویہ پر لعنت کا اظہار کرنے لگا اور اس سے مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ یزید کی آڑ لے کر دوسروں پر لعنت کی جائے۔''

شیعہ مؤلف نے خلافت پر علیؓ و اولاد علیؓ کے حق و استحقاق کا جو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی کے حصول کی خاطر انھوں نے بار بار اپنا اور دوسروں کا خون بہایا تھا۔ محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ: تقدیر الٰہی ہی میں یہ بات مقرر تھی کہ علی مرتضٰی اور اُن کی اولاد تا دامان قیامت کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح بھی کوئی صورت ان کی خلافت کی جیسی کہ ہونی چاہیے نہ بندھے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اپنے لیے دعوت دے اور آمادہ جدال و قتال ہو مخذول و مقتول ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

یہ سب تاریخی واقعات ہیں مگر شیعہ لٹریچر میں اس محرومی کی ابتدا حضرت علیؓ سے کر کے تمام تر ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ڈالی گئی ہے اور طرح طرح کے بہتان باندھے گئے ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ علیؓ سے زبردستی بیعت لینے کے لیے عمرؓ و خالدؓ ان کے گلے میں (معاذ اللہ) رسی باندھ کر اس طرح گھسیٹ رہے تھے کہ فاطمہؓ سر پر عبا ڈالے اور حسن و حسین ننگے سر ننگے پاؤں روتے پیٹتے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ (از حد حیدری)

بدست عمر یک سر ریسماں ۔۔۔ دوم در کفِ خالدِ پہلواں
برآمد دنبال شیر خدا ۔۔۔ عبا برسرافگندہ خیر النسا
حسین و حسن در خروش آمدہ ۔۔۔ برہنہ سر و پا و حیرت زدہ

یہ اور اسی قسم کے صدہا بہتان تراشے گئے جب بعد رسول اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی بدگوئی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی ہو تو معاویہؓ و یزیدؒ اور دوسرے خلفائے اسلام پر جنھوں نے داعیان خلافت کے خروجوں کا مقابلہ کیا تھا سبائی ذہنیت جو گند بھی نہ اُچھالے کم

ہے۔فتنوں کی آگ تو اسی ذہنیت کی بھڑکائی ہوئی تھی، بقول مؤلف:

"وما هي الافتنة اليهود والرفضة اعداء اللّٰه واعداء ينه اتخلوا من مقتل الحسين طنبور يترغون يقدمون عليه بما يوحي اليهم الشيطن ليزيد و اناء العداء والفرقة والشربين المسلمين اتقاذا" (۱)

''اور یہ (قتل حسین) تو صرف یہودیوں اور رافضیوں کا فتنہ تھا جو اللہ اور اس کے دین کے دشمن تھے۔ انھوں نے ہی قتل حسین کے متعلق طنبورے پر اشعار لگائے جو شیطان نے ان کے خیال میں القا کیے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں دشمنی فرقہ بندی اور شر وفساد کی آگ کو زیادہ بھڑکائیں۔''

مندرجہ بالا عبارت میں صاف اشارہ سبائی و دیلمی و مجوسی روافض کی جانب ہے۔ ان ہی میں معزالدولہ دیلمی تھا جو ماتم حسینؓ کا اصلی بانی تھا۔ یہ بدعت اُسی نے واقعہ کربلا کے تین سو برس کے بعد ۳۵۲ھ میں بطور سیاسی اشتہار بازی (Stunt) کے ایجاد کی تھی۔ حضرت حسینؓ نے نسبی و خاندانی دعویٰ سے بے جا و بے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ الخضری (ص/۱۳۵) عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کی اس غلطی کا صحیح اندازہ حقیقی علم برداران دعوت محمدیہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کے رفقا کے طرز عمل سے ہوتا ہے جنھوں نے اس خروج کو اس درجہ ناجائز سمجھا کہ ان سینکڑوں بزرگوں میں کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی۔ اور احکام شریعت کی متابعت میں خلیفہ وقت کے ساتھ رہے اور قائم خلافت کے مؤید و طرف دار فانهم اكثر صحابه نوابع يزيد ولم يروا الخروج عليه موجودہ دور تحقیق و ریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کے لیے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جس کا سلسلہ حضرت حسینؓ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی اولاد میں تین صدیوں تک جاری رہا، وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا جن کی تفصیلات ہماری دوسری

(۱) حاشیہ رأس الحسین، ص/۲۴

کتاب میں ملاحظہ ہوں۔ وہ کربلا کا خروج ہو یا وادی فتح کے نتائج و اثرات بد کے اعتبار سے یکساں تھے بقول یہ کہ:

ملت میں پھوٹ پڑتی ہے ہر کربلا کے بعد

مثنوی مشتمل بر تاریخ طبع کتاب

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحب علم و فضل و خبرت محمود احمد ، زعیم ملت
واقف زسیر ، خبر از انساب مفتوح برا و زعلم ہر یاب
در حق گوئیش پیش و پس نیست ترساں مَلام ہیچ کس نیست
بنوشت کنوں ببیں کتابے برداشت زروئے حق نقابے
کردہ رخ اختلاف اسلاف از گرد و غبار افترا صاف
غث راز سمین جدا نمودہ ہر عقدہ بستہ را کشودہ
در صدق بیان رضائے حق دید وزلومتہ لائمان نہ ترسد
اللہ اللہ! عجب کتابے است ہر صفحہ تو کوئی آفتابے است
چوں مژدہ طبع اوشنیدم گلہاز ریاض شکر چیدم
پس دل سنہ طباعتش خواست وز خوض حریم فکر آراست

برخواند سروشِ غیب ناگہ

حالات مناقشات امۃ

۱۳۸۷ھ

قطعات تاریخ فارسی

ازقلم مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب تائب مقیم دہلی

مؤلف عالی ذات	فضیلت پناہ	صاحب جادہ اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی
۱۳۷۸ھ	۱۳۷۸ھ	۱۳۷۸ھ

تر ابقائے ابد باد درنکو نامی ۔۔۔ عجب صحیفہ نوشتہ برنگ یکتائی

عصائے موسوی آمد قلم بدست تو ۔۔۔ بیک کرشمہ ربودی طلسم ہفت[۱] صدی

نہاں پردہ ایام ہیچ راز نماند ۔۔۔ چو فاش گشتہ ہمہ افک و زور تاریخی

صریر کلک تو در کشف مشکلات قوم ۔۔۔ چنانکہ فصل خطابست و لحن داؤدی

تراست حجت قاطع ، بدست تیغ قلم ۔۔۔ چگونہ پیش رود دعوئے کذوب دنی

نگارش تو عجب طرز داستاں وارد ۔۔۔ کہ آفریں بکند ہمچو حالیؒ و شبلیؒ

کمال دانش تو از فیوض حبر[۲] آمد ۔۔۔ گل شگفتہ از گلستانِ عباسی

زمانہ را کہ زغفلت بخواب درشدہ بود ۔۔۔ کشید کلک تو در دیدہ کحل بیداری

بجست تائب خستہ چو سال ایں تالیف

چہ خوب آمدہ ، دور خلافت اموی

۱۳۷۸ھ

---

(۱) ضرورت شعری سے لکھا گیا ورنہ طلسمِ ہوشربا تو بارہ سو برس سے زیادہ کا ہے۔

(۲) یعنی حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ جد اعلائی مؤلف۔

قطعہ تاریخ فارسی

ازقلم جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحبِ علم وفضل محمود کوہست آگہہ ز سرِّ سیرت

بنوشت کتاب وبرد برآورد خوش لمعہ نور از ابرِ رحمت

صد شکر کہ طبع گشت وبرداشت از چشم جہاں غشائے غفلت

شد بے سرار(۱) تیاب سالش

''احوال مناقشات امت''

۱۳۷۸ھ

مشکبار قطعہ تاریخ

برجہد تالیف ''خلافت معاویہ ویزید''

۲۰۱۵ بکرمی

از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی

۱۹۵۹ء

محسن حقیقی مہر تقوی جے پوری

۱۳۷۸ھ

---

(۱) بعد تخرجہ یک عدد ۱۳۷۸ھ برمی آید۔

تالیف کرد حضرت محمود نسخہ کز حکمتش علاج دل نکتہ چیں کنند
روشن شوند قلب و دماغ از جمال آن نظارہ اش چو از نگہِ دوربیں کنند
در جزودانِ دل نہند آں را با اشتیاق از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند
بر ناوپیر ملت اسلام! لازم است بالاشتراک بر اثرش آفریں کنند
کاریست باصواب وثواب است بےحساب کارے کہ عالماں پئے تعلیم دین کنند

تاریخ ''باصواب'' بگفتم بہ تعمیہ
ایں کارازتو آمد ومروان حسیں کنند
۱۲۷۹ = ۹۹ = ۱۳۷۸

علامہ محمود احمد صاحب عباسی امروہوی

قطعات اردو

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

محمود ہے جن کا نام محمود ہے کام — کیا خوب کتاب انھوں نے کی ہے ارقام
پوچھے سنہ طبع تمنا جو کوئی — کہہ دو کہ مشاجرات اسلاف کرام

۱۳۷۸ھ

ولہ

کیسی ہے کتاب فی الحقیقت! کہیے ! — انصاف سے از روئے دیانت کہیے
جو نام ہے ، بے بہا وہ تاریخ بھی ہے — آپ اس کو ''مشاجرات امت'' کہیے

۱۳۷۸ھ

بے بہا کے (۸) عدد ہیں۔ بے بہا کہنے سے ''مشاجرات اُمت'' کے (۱۳۸۲) سے (۸) خارج ہوکر باقی ۱۳۷۸ھ رہ گیا۔

ولہ

تاریخ کی تحقیق بھی ایک کام ہے اہم — انسان نہیں ناحق کسی جانب جو ڈھل گیا
گو حضرت محمود نے دکھلادی رہِ حق — کیا راہِ حق پائے گا وہ ضد پر جو تُل گیا

اب تم تمنا طبع کی تاریخ یوں لکھو

''لوگوں کے بہتانات کا سب راز کھل گیا''

۱۳۷۸ھ

ولہ

اس کا بھی جاننا ہے فرض ہم پہ صحیح طور سے
بعض سلف کے کچھ دنوں گزرے ہیں کیسے لیل و یوم
پڑھیے اب اس کتاب کو خوب چھپی ہے وقت پر
ہو جیے جلد ہوشیار ، ہیں اگر آپ محو نوم
بغض گر ان سے دل میں ہو، جن کا ہے اتباع فرض
کام کبھی نہ آئیں گے کھوکھلے یہ صلوٰۃ و صوم
ہے بھی یہ شاہکا ر اس صاحب علم و فضل کا
تھام سکا نہ جس کا ہاتھ لائم بد گُہر کا لوم
چاہیے اس کے طبع کا سال جو تجھ کو عیسوی
لکھ دے تمنی حزیں ''ذکر مناقشات قوم''

۱۹۵۸ء

اِن کَانَ یَزِیدُ بنُ مُعَاوِیَۃَ مَغفُور

اللہ کی رحمت پر کسی کا ہے اجارہ؟

بقلم مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور (فیصل آباد)

لَا نسلك بِالزَّیغِ یمیناً و یساراً — شہِ راہ توسط سے نہیں ہم کو کنارا

لَنَا محبیّنَ غُلّوا کَنَصَاری — ہم اُمتِ وسطیٰ ہیں یہ مذہب ہے ہمارا

لَا تسعُ مرثیۃَ ذُور وّ رمارا — سنتے نہیں مرثیہ نہ بربط نہ چکارہ

ہم اہلِ تسنن ہیں تقیہ نہیں کرتے — لا نختلِفُ القول سِرارا وَ جھارا

تاریخُ بنی الشمس[۱] لفی الدّہر مُضِی — اولادِ اُمیہ کا چمکتا ہے ستارا

مُردوں کو برا کہیے یہ شیوہ نہیں اچھا — اَنشتم الاَسلَاف صِغارا و کبارا

ہم اپنی زبانوں سے تبرا نہیں کرتے — اَنلفظِ بالسوءِ مُسرا و جھارا

قدِ قَالَ بِہِ حُجّۃ الاسلام غزالی — احیائے علوم ان کی ہے قرآن کا سہارا

لَا نُشرِکُ بِاللّٰہِ علیِّا بِنداء — ہم کو ہے بس اللہ کی رحمت کا سہارا

واللّٰہِ مُعَاوِیَۃَ للمؤمنِ خال — اصہارِ رسالت سے یہ رشتہ ہے ہمارا

السَّبُّ لِعُثمانَ لقد بسَلب الایمان — قد جرب فی الناس کراراً و مرارا

یہ پیش رو لشکر اسلام ہیں دونوں — عثمانُ و معاویہ فی الارض امارا

لا ینقصُ اِسماً و مُسَمَّی وَ سِماتًا — روشن ہے ابو خالد عادل کا منارا

---

(۱) بنی عبدشمس بن عبدمناف یعنی بنی اُمیہ

اِن کَانَ یَزِیدُ بنُ مُعَاوِیَۃَ مغفور — اللہ کی رحمت پہ کسی کا ہے اجارا؟
فی مغفرۃِ الجندِ حدیثٌ و صحیح — جس فوج کو قائد نے سمندر میں اتارا
دکھلاؤ کہ خارج ہے بشارت سے کوئی فرد — قد جاءَ حدیثٌ من احادیث بخارا[1]
کیوں کرتے ہو انکار حدیث نبوی کا — مِن قَسوَرَۃِ السُّنَّۃِ لِلاُ ثن فِرارا
بدمستی و رندی کا یہ بہتان ہے واللہ — فی محفلہٖ کانت الاحباب سُکاریٰ
اصحاب نبی کا وہ امام اور وہ قائد — الفَاجر والزَّانِی و الفِسقُ جھارا
بیعت جو صحابہؓ ہوئے کیا کہتے ہو ان کو؟ — مِن اَین اِلَی تضّرون فرارا
عَلَّامۃُ محمود فی الانساب امامٌ — تاریخ کی دنیا میں بجا اُن کا نقارا
ما حقّقَ عَلامُۃّ محمُود صحیح — تاریخ میں جھٹلا دے کوئی کس کو ہے یارا
تاریخ سے انکار نہیں کارِ عقیلاں — من ینکُر لِلحقّ بلیدٌ کحُباریٰ

عادت ہے سہیل اپنی کہ مدح علما ہو
صیفاً و شتاءً و بلیلٍ و نہاراً

---

(۱) صحیح البخاری جلد الاول۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (الحدیث)

آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

ازمولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ، لائلپور (فیصل آباد)

مطلع تاریخ پر نکلا ہے گویا ماہ عید — آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید
خوب لکھی ہے کتاب لا جواب و باصواب — علم کی دُنیا میں ہر سُو غُل اُٹھا ھل مِن مزید
ہوگئی مسدود راہِ لعن و طعن و افترا — مذہب باطل کی اس سے کٹ گئی حبل الورید
مصرعِ پُرلطف ہم نے بھی لکھا ہے اے سہیل — ہوگئے علامہ محمود احمد بایزیدؒ
وہ حدیثِ مستند یعنی کہ مغفور "دلہم" — فوجِ قسطنطین پر صادق ہے جس میں ہے یزید
اس حدیثِ مغفرت میں کوئی استثناء نہیں! — شہِ رگِ اسلام پر دیتے ہو کیوں ضربِ شدید؟
موردِ الزام ٹھہراتے ہو، ہم کو دوستو — کرکے تاویلات اور تحریف کی گفت وشنید
ہوگئے عاجز دلائل سے تو غصہ آ گیا — کف بلب آمد و غارِ دشمنی در دل خلید
دوستو! واللہ ربّ العرش و ربّ العلمین — اس حدیثِ پاک سے خارج نہیں ہرگز یزیدؒ

هل نسيتم ما امرتم لا تسبرا مينا — ايها العلماء كفوا عن سباب في يزيد
ثم عن الزام قتل افتراء باطل — لا تحيدوا عن صراط الحق عن امر سديد
اى وربي حجتي قول النبي المصطفى — هل لكم برهان ربي من قديم أو جديد
حجتي سند البخاري راويا ابن عمر — ايها الجراح كفوا عن معانيد العنيد

هل لكم افواه صدق أو لكم أذان حق
هل لكم ذوق سليم بينكم رجل رشيدا

کتابیات

۱۔ آثار الباقیہ البیرونی

۲۔ اتمام الوفانی سیرۃ الخلفاء الخضری

۳۔ اخبار الطوال ابوحنیفہ الدینوری

۴۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ

۵۔ الاستیعاب ابن عبدالبر

۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

۷۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ

۸۔ الاعلام قاموس التراجم زرکلی

۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر

۱۰۔ التنبیہ والاشراف مسعودی

۱۱۔ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام

۱۲۔ الصارم السدل علی شاتم الرسول ابن تیمیہ

۱۳۔ صناجۃ الطرف فی تقدمات العرب

۱۴۔ العقد الفرید بن عبدربہ

۱۵۔ العواصم من القواصم ابن العربی

۱۶۔ الامامۃ والسیاسۃ الدینوری (انگلش)

۱۷۔ انساب الاشراف بلاذری

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن (انگلش)

۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)

۲۰۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد

۲۱۔ البیان والتبیین جاحظ

۲۲۔ تاج العروس شرح قاموس

۲۳۔ تاریخ اسلام ذہبی

۲۴۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوا (انگلش)

۲۵۔ تاریخ ابن خلدون

۲۶۔ تاریخ الامم والملوک طبری

۲۷۔ تاریخ ادبیات عربی کلین (انگلش)

۲۸۔ تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان

۲۹۔ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)

۳۰۔ تاریخ عرب ہتی (انگلش)

۳۱۔ تاریخ مسلمانان سپین دوزی

۳۲۔ تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ

۳۳۔ تاریخ کعبۃ المعظمہ

۳۴۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی

۳۵۔ جامع ترمذی

۳۶۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)

۳۷۔ جلاء العیون ملا باقر مجلسی

۳۸۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم

۳۹۔ جمہرۃ الخطیب العرب (احمد ذکی صفوت)

۴۰۔ حاضر الاسلامی شکیب ارسلان

۴۱۔ حیات محمد محمد حسین ہیکل

۴۲۔ دی گریٹ امید محمد حارث (انگلش)

۴۳۔ رحلہ ابن بطوطہ

۴۴۔ رحلہ ابن جبیر

۴۵۔ رحلہ الحجاز البیتونی

۴۶۔ سفرنامہ مکہ مدینہ رچرڈ برٹن انگلش

۴۷۔ سنن ابی داؤد
۴۸۔ سنن نسائی
۴۹۔ سیرۃ الجلیلہ
۵۰۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید
۵۱۔ شفا الغلیل للخفاجی
۵۲۔ صحیح البخاری
۵۳۔ صحیح مسلم
۵۴۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی رجوگبن (انگلش)
۵۵۔ طبقات ابن سعد
۵۶۔ عرب ومشرق بعید پروفیس حزین (انگلش)
۵۷۔ علی و بنوہ ڈاکٹر طہٰ حسین
۵۸۔ عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۹۔ غزوات النبی ڈاکٹر حمید اللہ
۶۰۔ غنیۃ الطالبین الجیلانی
۶۱۔ فتح الباری شرح بخاری
۶۲۔ فتوح البلدان بلاذری
۶۳۔ فہرست ابن الندیم
۶۴۔ کامل الضاعۃ علی المجوسی
۶۵۔ کتاب الاغانی ابوالفرج اصفہانی
۶۶۔ کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی
۶۷۔ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ
۶۸۔ کتاب الزہد امام احمد بن حنبل
۶۹۔ کتاب المحبر ابی جعفر محمد
۷۰۔ کتاب المالک والممالک ابن حوقل
۷۱۔ کتاب المالک والممالک الاصطخری
۷۲۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۷۳۔ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۷۴۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال فاضل مدارسی
۷۵۔ اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ سیوطی
۷۶۔ لسان العرب
۷۷۔ لسان المیزان ابن حجر العسقلانی
۷۸۔ لغت الجوالیقی
۷۹۔ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۸۰۔ محاضرات تاریخ الاسلام الخضری
۸۱۔ محمد اٹ مدینہ منٹگمری راٹ (انگلش)
۸۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی
۸۳۔ المعرب للجوالیقی
۸۴۔ مکتوب مجدد الف ثانی
۸۵۔ مکتوب شیخ الہند مدنی
۸۶۔ مقاتل الطالبیین ابوالفرج اصفہانی
۸۷۔ مقتل ابومخنف
۸۸۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۸۹۔ فی اخبار الیمن
۹۰۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ
۹۱۔ موطا امام مالک
۹۲۔ میزان الاعتدال ذہبی
۹۳۔ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۹۴۔ نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی
۹۵۔ وفیات الاعیان ابن خلکان
۹۶۔ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم
۹۷۔ تاریخ یعقوبی ابن واضح
۹۸۔ راس الحسین ابن تیمیہ
۹۹۔ مصباح الظلم امداد امام
۱۰۰۔ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ